قراقرم کا تاج محل

تحریر: نمرہ احمد

پہلی_چوٹی

نوائے وقت، منگل،16 اگست 2005ء

"راکاپوشی پر گلیشئر پھٹنے سے کوہ پیما لڑکی گر کر ہلاک"

ج

ہنزہ (اے ایف پی)، راکاپوشی سر کرنے والی ٹیم کی ایک لڑکی گلیشئر پھٹنے سے کئی فٹ گہرے شگاف میں گر کر ہلاک۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسی کے مطابق گزشتہ روز صبح تین سے چار بجے کے درمیان پاک ترک برٹش ایکسپیڈیشن کی ایک کوہ پیما، چڑھائی کے دوران برف پھٹنے سے ظاہر ہونے والی پہاڑوں کی درز میں گر گئی۔ ایکسپیڈیشن ٹیم نے لڑکی کی فوری ہلاکت کی تصدیق کر دی۔ مزید تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔

بدھ، 20 جولائی 2005ء۔ ایک ماہ قبل

سفید گیٹ عبور کر کے اس نے چند لمحے رک کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ گیٹ سے آگے سفید پتھروں سے بنا خوبصورت اور طویل ڈرائیو وے تھا اور دائیں جانب کھلا سا لان۔ جس کے دہانے پر بنے جدید طرز کے برآمدے میں بچھی چار کرسیوں میں سے ایک پر نشاء بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں صبح کا اخبار تھا جو وہ عادتاً شام کے وقت ہی پڑھا کرتی تھی۔

نشاء کو سامنے پا کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ڈرائیو وے عبور کر کے برآمدے تک آئی۔ اس سے پہلے کہ نشاء اس کے استقبال کے لئے اٹھتی، وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھے، ناک اور ابرو چڑھا کر پوچھنے لگی، "یہ لڑکا کون تھا؟"

"کون سا لڑکا؟" اس نے اخبار تہہ کر کے میز پر رکھ دیا، اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"وہی جو باہر کھڑا تھا"

"باہر کھڑا تھا؟" نشاء حیران سی کھڑی ہو گئی۔ ایک نظر اس نے پریشے کے چہرے کے بگڑے زاویے اور کھڑے ہونے کا تھانے دارانہ انداز دیکھا۔ "کس کی بات کر رہی ہو؟"

"وہی جو حسیب کے ساتھ باہر کھڑا تھا"

"اوہ! وہ؟ وہ حسیب کا دوست ہے، ملنے آیا تھا اور اب تو واپس جا رہا تھا۔ کیوں، خیریت؟"

"خیریت؟ مجھے دیکھ کر اس بدتمیز لڑکے نے سیٹی بجائی، شرم تو آتی نہیں ہے آج کل کے لڑکوں کو۔ آنے دو حسیب کو ابھی پوچھتی ہوں اس سے کہ کس قسم کے واہیات لوگوں سے دوستی ہے"

"کم آن، پری!" نشاء نے واپس کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنی مسکراہٹ دبائی اور ایک نظر اسے دیکھا۔

سادہ گلابی شلوار قمیض میں ملبوس، اپنے سیدھے اور بے حد سیاہ بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں مقید کیے، پاؤں میں سفید اور ہلکے گلابی جوگرز پہنے وہ بہت خفگی سے نشاء کو دیکھ رہی تھی۔

"بھئی سیٹی بجادی تو کیا ہوا، بچہ ہے۔"

"ہاں، چھ فٹ کا بچہ ہے؟"

"حسیب کا کلاس فیلو ہے، یعنی ہوگا سترہ اٹھارہ سال کا، مطلب عمر میں ہم سے کم از کم آٹھ سال چھوٹا، تو بچہ ہی ہوا نا" وہ اپنی کزن کی بہ نسبت زیادہ لاپرواہ رہی تھی۔ "اور یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"لو، مری کیوں جا رہی ہو؟ تمہارے لیے ہی ہے۔ بیف چلی بنایا تھا سوچا کچھ تمہیں بھی دے آؤں۔" اس نے ڈونگا نشاء کو دیا، اس کا موڈ سخت آف تھا۔

"واؤ، ممی کو بیف چلی بہت پسند ہے۔" نشاء کا اس کے موڈ کو خاطر میں لانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"ہاں تو ممانی کے لیے ہی لائی ہوں۔ کونسا تمہارے لیے بنایا ہے؟"

"نشاء آپی! دراصل پری آپا ہمیں بیمار کر کہ اپنی ڈاکٹری چمکانا چاہتی ہیں" اپنے دوست کو رخصت کر کے حسیب بھی وہیں آگیا تھا۔

"تمہارے لیے نہیں ہے، منہ دھو رکھو"

"شیروں کہ منہ دھلے ہوئے ہوتے ہیں آپا"

"ہاں، یاد آیا۔ تمہیں تو ماموں اور ممانی چڑیا گھر سے لائے تھے"

"کم آن!" وہ ہنسنے لگا۔ "ویسے کس لوفر لفنگے کی بات ہو رہی تھی؟"

"وہی جس کے ساتھ باہر گیٹ پر کھڑے تم قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ بدتمیز لڑکا مجھے دیکھ کر سیٹی بجا رہا تھا۔ کیسے لڑکوں سے دوستی ہے تمہاری؟"

"ارے وہ، وہ میرا دوست ہے۔ بڑے باپ کا بیٹا ہے اور وہ آپ کو دیکھ کر سیٹی نہیں بجا رہا تھا، وہ تو بس اس کی عادت ہے۔ نیور مائینڈ، وہ تھوڑا سا اسپائلڈ چائلڈ ہے" اپنے دوست کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ حسیب جھک کر میز پر رکھے ڈونگے سے بیف کے چٹ پٹے فنگر لٹس اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا۔ "اور سنبھل کر آپا، اس کا باپ صدر پاکستان کا دوست ہے۔"

جواب میں پری بڑبڑا کر رہ گئی۔ پھر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کدھر جا رہی ہو؟ ممی کو سلام تو کر لو"

"پچاس گز کے فاصلے پر میرا گھر ہے۔ پھر آجاؤں گی، ابھی مجھے جانا ہے".

بھئی بریکنگ نیوز تو سنتی جاؤ، حسیب اور اس کے چار دوست راکاپوشی بیس کیمپ کا ٹریک کر رہے ہیں"

"تو کرتے رہیں" اپنے تیئں نشاء نے چونکا دینے والی خبر سنائی تھی مگر اس نے لاپروائی سے کندھے اچکا دیے۔

"پری آپا! یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ یہ جیلس نہیں ہو رہیں۔" حسیب اس کا انداز دیکھ کر شرارت سے مسکرایا۔

"میں ہو بھی نہیں رہی" وہ کھٹ سے کہہ کر گیٹ کی طرف تیز قدموں سے بڑھ گئی۔

"سنو تو! تمہارے کپڑے آئے پڑے ہیں درزی سے، وہ تو لیتی جاؤ۔" نشاء بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

"تم رات کو دے جانا۔ ابھی میں جلدی میں ہوں۔"

وہ گیٹ کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے ایک لمحہ کو مڑی تھی۔

"کیوں، کیا جلدی ہے؟"

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔" گیٹ پر رکھا اس کا ہاتھ ایک دم ڈھیلا پڑ گیا، قدرے ہچکچائی۔ "وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابھی پھپھو اور ندا آپا آئی ہوئیں ہیں نا"!

آب کی بار نشاء کا موڈ سخت آف ہوا تھا۔ "کیا مطلب؟ ان کو اپنے گھر میں چین نہیں ہے؟ ہر دوسری شام تو وہ تمہاری طرف ہوتی ہیں اور وہ ندا آپا کے شیطان بچے اتنا شیطان بھی کوئی ہو گا؟ جاؤ، جلدی گھر جاؤ۔ وہ درجن بھر چیزیں توڑ چکے ہوں گے۔"

تھوڑی دیر پہلے کے تاثرات پریشے کے چہرے سے غائب ہو چکے تھے، وہ بے بسی سے لب چبا کر رہ گئی۔

"ویسے رات کا کھانا بھی یقیناً وہ تمہاری طرف ہی کھائیں گے نا؟ سیف بھائی بھی رات کو آئیں گے نا اور یقیناً کھانا کھا کر ہی جائیں گے نا۔ حد ہوتی ہے روز روز کسی کے گھر کھانے کی، لیکن پھپھو۔۔۔۔۔۔ اور معزرت کے ساتھ، سیف بھائی کی وہی مثال ہے کہ نیت سیر نہ ہو تو۔۔۔۔۔۔۔۔"

"چلو کچھ نہیں ہوتا۔ پاپا کی اکلوتی بہن ہیں، ان کے آنے سے پاپا ہی خوش ہو جاتے ہیں۔"

"مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی ڈاکٹر پریشے جہانزیب! تم اتنی کمزور اور جذباتی قسم کی دلیلیں کیوں دیتی ہو؟ اتنی اچھی طرح جانتی ہو سیف بھائی کو۔ پھر بھی تم نے ان سے منگنی سے انکار کیوں نہیں کیا؟"

سیف سے منگنی کے ان 3 سالوں میں نشاء نے کوئی 30 ہزار بار یہ بات کہی تھی۔

"یہ پاپا کی خواہش تھی نشاء۔ اب اس بات کو بار بار دہرانے سے کیا حاصل؟ اور پھر میں انکار کس کے لیے کرتی؟"

جواباً نشاء خاموش رہی تو وہ گیٹ کھول کر باہر نکل آئی۔

"اس کے لیے کر دیتی انکار." پیچھے سے بہت آہستہ سے نشاء نے کہا۔ اس کے قدم ایک لمحے کو زنجیر ہوئے۔

"تمہیں وہ احمقانہ بات ابھی تک یاد ہے؟" وہ اداسی سے مسکرائی اور. سر جھٹکتے ہوئے اپنے بنگلے کے گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔

وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو پھپھو اور ندا آپا ایک ہی صوفے پر بیٹھے سر جوڑے سر گوشی کے انداز میں کوئی بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر فوراً سیدھی ہو گئیں۔

"تم کدھر گئیں تھیں؟" ندا آپا اور پھپھو نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ کچن کے پچھلے دروازے سے باہر گئی تھی۔

"وہ نشاء کی طرف گئی تھی۔ اس کے کچھ برتن رکھے تھے۔" اس نے یہ بتانے سے گریز کیا کہ برتنوں میں بیف چلی تھا۔

"سنو پری! یہ زیادہ میل جول نہ رکھا کرو ان لوگوں سے۔ برا مت ماننا مگر تمہارے ماموں کی لڑکی بڑی چلتر ہے۔ ماں بھی ایسی ہی ہے اس کی۔ دیکھنے سے ان سے معصوم کوئی نہیں لگتا جبکہ اندر سے پوری ہیں"

"اور وہ نشاء تو جب بھی بات ہو سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی۔"

نشاء اور ممانی کے متعلق تو ایسی گفتگو وہ کبھی نہیں سنتی، اگر وہ اس کے سسرال والے نہیں ہوتے۔

"جی، میں ذرا چائے لے آؤں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر کچن میں چلی گئی۔ وحید (ملازم) ٹرالی سیٹ کر رہا تھا، وہ ٹرالی کو دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں خیالات کا ہجوم تھا۔

وہ جانتی تھی کہ پھپھو نشاء اور ممانی کے متعلق ایسی گفتگو کیوں کرتی ہیں؟ انہیں ڈر تھا کہ کہیں ماموں اور ممانی، جہانزیب صاحب پر دباؤ ڈال کر سیف اور پریشے کی منگنی ختم ہی نہیں کروا دیں۔ اس کے خیال میں یہ ناممکن تھا کیونکہ اول تو ماموں اور ممانی اس کے معاملے میں دخل نہیں دیتے تھے اور اگر دیتے بھی تو صرف اس کے کہنے پر۔ اس کی مرضی کے خلاف وہ جہانزیب صاحب سے کوئی بات نہیں کرتے اور اگر اس معاملے میں بولنے کا حق اگر اس نے ماموں اور ممانی کو دینا ہوتا تو تین برس پہلے ہی دے چکی ہوتی۔

پھپھو کو نشاء سے دوسرا خوف یہ تھا کہ کہیں نشاء پری کو ان کے خلاف بھڑکا یا نہ دے۔ کیونکہ نشاء اور ممانی خاصی صاف گو واقع ہوئی تھیں۔ بقول پھپھو کے منہ پھٹ، بدلحاظ، اور بد تمیز حالاں کہ پری کا خیال تھا کہ جتنی سویٹ اور کیئرنگ ممانی تھیں۔ اور جس طرح اس کی ماں کی وفات کے بعد انہوں نے اس کا خیال رکھا تھا، کوئی سگی خالہ بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔

"باجی! یہ لے جائیں" وحید کی شرمیلی آواز اس کو خیالات کے بھنور سے باہر نکال لائی۔ اس نے قدرے چونک کر اسے دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے ٹرالی تھام لی۔

اے ہے پری بیٹا یہ کیا لڑکوں کی طرح جوگرز پہنے پھرتی ہو کوئی سینڈل یا ہیل والی جوتی پہنا کرو" چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھرتے ہوئے پھپھو نے ہر دفعہ کی طرح اسکے جوگرز پر اعتراض کیا۔

"اور کیا وہ پرپل والی سینڈل ہی پہن لیتی جو تمہیں سیف بھائی نے لے کر دی تھی" ندا آپا اپنے بچوں کو کیک کھلاتے ہوئے بولی اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ سیف کی پسند اس سے بہت مختلف تھی۔ وہ شوخ کلر اور ظاہری چمک دھمک کو دیکھتا تھا، جبکہ وہ سوفٹ کلرز اور کوالٹی کو ترجیح دیتی تھی۔

"جی بہتر" وہ سر جھکاتے ہوئے انکے سامنے بیٹھ گئی اسے علم تھا کہ وہ دونوں جب تک بیٹھی رہیں گی انکے اعتراضات ختم نہیں ہوں گے۔

آٹھ بجے تک جہاں زیب صاحب بھی آ گئے وہ ہمیشہ کی طرح ان لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، روشان اور سنی کو خوب پیار کیا کہ انکی زندگی میں ساری رونق انہی لوگوں سے تھی۔ انکے سامنے انکی ٹون بدل جایا کرتی تھی۔

"پری وحید سے کہہ کر اچھا سا کھانا بنوانا، کڑاہی، بریانی کچھ اور بھی ایڈ کر لینا۔" انہوں نے آہستہ سے پریشے کو ہدایت دی۔ اسکا دل چاہا کہہ دے کہ "پاپا یہ لوگ روز تو یہاں کھنا کھاتے ہے پھر ہر روز کا اتنا اہتمام کیوں؟"

مگر وہ جانتی تھی پاپا ان لوگوں کو کتنا عزیز رکھتے ہیں سو وہ انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر خود کچن میں آ گئی۔

پھپو کی فیملی ہر دوسری شام یہی ہوتی تھی اور اسے کبھی اتنی کوفت نہیں ہوتی تھی جتنی آج اسے ہو رہی تھی شائد اس لئے کہ آج نشاء نے اسے برسوں پرانی ایک بھولی بسری بات یاد دلا دی تھی۔

پرانی یادیں، ٹوٹے خواب بکھرے سپنے ہر انسان کو تھکا دیتے ہیں اس پر بھی عجیب سی تھکن اور بے زاری سوار ہو رہی تھی۔

"ماما میں یہ کھالوں "نو سالہ روشان نے فریج کھول کر اس میں سے پینٹ بٹر کا جار نکال کر دور سے ماں کو آواز دی۔

"ہاں بیٹا کھالو تمہارے نانا کا گھر ہے۔ "ندا آپا نے لاپروائی سے کہا اور وہ جس نے ملائشین چکن بنانے کے لئے اتنا بڑا جار منگوایا تھا بے بسی سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

سنی پورے گھر میں دوڑ رہا تھا- اسے کوفت ہو رہی تھی مگر وہ خاموش رہی- پھر چند منٹ بعد جب وہ چاولوں کو دم دے رہی تھی اسے بلی کی وحشیانہ میاؤں میاؤں کی آواز آئی-

یا اللہ! اس نے گھبر اکر کفگیر میز پر رکھا اور بھاگتی ہوئی کچن سے باہر نکلی باہر زمین پر اسکی پالتو بلی کو روشان نے پکڑ رکھا تھا اور سنی اسکی دم کو ماچس کی تیلی سے آگ لگا رہا تھا- بلی تڑپتی ہوئی چیخ رہی تھی۔

ہٹو تم دونوں- اسے نے زور سے سنی کے ماچس والے ہاتھ پر تھپڑ مارا؛ بلی کو روشان سے کھینچا اور ماچس کی ڈبی اٹھا کر اپنے قبضے میں کرلی۔ یہ کیا کر رہے تھے تم لوگ۔

آپکو کیا مسئلہ ہے جو بھی کر رہے تھے۔ ہماری مرضی۔ ہمارے نانا کا گھر۔ آپ کون ہوتی ہیں پوچھنے والی۔؟ سنی کو تھپڑ لگا تھا؛ جس کا جواب اس نے بے حد بد تمیزی سے دیا۔

پورے دن کی کوفت، بے زاری، نشاء کی آخری بات، پھپھو اور ندا آپا کے طنز اور طعنے، ان دونوں کی بد تمیزیاں اس نے سب کچھ برداشت کرلیا تھا مگر سنی کی بد تمیزی پر اسکی برداشت جواب دے گئی تھی اس نے رکھ کر دو تھپڑ سنی اور دو روشان کو لگائے۔

دفع ہو جاؤ ادھر سے تم دونوں۔ درد سے چلاتی ہوئی بلی کو اپنی آغوش میں سہلاتے ہوئے اس نے غصے سے کہا اور واپس کچن میں آگئی۔

دونوں حلق پھاڑ کر روتے ہوئے ندا آپا کے پاس چلے گئے۔ عین اس وقت سیف بھی آگیا۔ وہ آفس سے سیدھا ادھر ہی آیا تھا اسکا کوٹ اسکے ہاتھ میں تھا۔ گھر اس لیئے نہیں گیا تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ گھر میں کھانا نہیں بنا ہو گا۔

کیا ہوا ہے؟ کس نے مارا ہے؟ ندا آپا نے ان دونوں کو روتے دیکھ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔

وہ تمام ڈرامے کی آوازیں کچن میں بخوبی سن سکتی تھی۔ اسکی کوفت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

پری آپا نے مارا ہے۔ بال بھی کھینچے اور منہ پر تھپڑ بھی مارا ہے۔ روشان چلاتے ہوئے بتا رہا تھا۔ وہ تیزی سے کچن سے نکلی، بلی اسکی آغوش سے چھلانگ لگا کر کودی اور بھاگتی ہوئی کچن سے باہر چلی گئی۔ وہ انسانوں سے بہت ڈر گئی تھی۔

ہائے اللہ! پری تم نے میرے معصوم بچوں کو کیوں پیٹ ڈالا؟

ماموں! میں نے تو کبھی انہیں زور سے جھڑ کا تک نہیں ہے۔ ندا آپا اسکو دیکھتے ہی اونچی آواز میں رونے لگی۔

ہائے میرے معصوم بچے۔

یہ دونوں اس بلی کو آگ لگا رہے تھے۔ میں نے روکا تو سنی نے مجھ سے بدتمیزی کی۔ میں نے صرف تھپڑ مارا تھا بال نہیں نوچے تھے۔ کسی مجرم کی طرح کھڑی وہ صفائیاں دے رہی تھی۔

لو! اتنے چھوٹے بچے بلی کو آگ لگا سکتے ہیں؟ انہیں تو ماچس جلانا بھی نہیں آتی۔ پھپھو چمک کر بولی۔

میں جھوٹ نہیں بول رہی پھپھو۔ یہ دونوں اس بلی کو اذیت دے رہے تھے۔

تمہیں اپنے بھانجوں سے زیادہ کسی جانور سے پیار ہے۔؟ یہ بچے ہیں، کچھ کر بھی دیا تو آرام سے بھی ٹوکا جا سکتا ہے پری! اب کے سیف بولا تھا۔ سیف اسکی حمایت تو کیا کرتا اس نے اس کا یقین نہیں کیا کہ اس نے روشان اور سنی کے بال نہیں نوچے تھے۔

اچھا پری! اب سوری کر لو ان دونوں سے۔

یہ پاپا تھے۔

اس نے بے حد شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔ اسکی بات کا کسی کو یقین نہیں تھا۔

پاپا میں بڑی ہوں میں نے کچھ کہہ بھی دیا تو۔ آپ اس طرح کیوں ری ایکٹ کر رہے ہیں؟

پری! تم ندا آپا اور بچوں سے سوری کرو۔ دیکھو آپا ابھی تک رو رہی ہیں۔ سیف نے بہت سنجیدگی اور خفگی سے اسے مخاطب کیا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ زمین پر بیٹھ کر رونا شروع کر دے مگر اسے ضبط کرنا تھا۔ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا تھا۔

میری کوئی غلطی نہیں تھی پھر بھی ندا آپا سوری۔؛

ندا آپا نے منہ پھیر لیا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ ابھی تک خفا ہیں۔

میں کھانا لگواتی ہوں۔ وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی وحید کو کھانا لگانے کا کہا اور خود کچن میں بیٹھی رہی۔ جب تک وہ لوگ چلے نہیں گئے۔ وہ باہر نکلی۔ اسے اپنی بے عزتی پر شکوہ ان لوگوں سے نہیں پاپا سے تھا۔ پتا نہیں پھپھو نے پاپا کو کیا گھول کر پلا دیا تھا۔ وہ کبھی بھی انکے خلاف سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

کیا میں اپنی پوری زندگی ان لوگوں کے درمیان میں گزار سکتی ہوں ؟۔ اف !۔۔۔۔۔۔۔ یہ کتنا کٹھن ہو۔

گا! یہ تکلف دہ خیال اسکے ذہن میں چکرا رہا تھا۔

"کدھر گم ہو ؟" نشاء نے کچن کے دروازے میں سے سر نکال کر جھانکا تو وہ چونکی پھر زبردستی مسکرا دی۔ "میں تو یہیں ہوں۔ تم کہو میرے کپڑے لے آئی ہو ؟"

ہاں، تمہارے کمرے میں رکھ دئے ہیں۔ مہمان چلے گئے تمہارے ؟ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پریشے کھڑی ہو گئ۔

"ہاں چلے گئے، آؤ باہر بیٹھتے ہیں۔" نشاء کو دیکھ کر اس کا ڈپریشن قدرے کم ہوا تھا۔ وہ دونوں ان کپڑوں کے متعلق باتیں کرتی لاؤنج میں آئیں تو جہاں زیب صاحب کو وہیں بیٹھے پایا۔

"انکل! امی کہہ رہی تھیں کہ سیف بھائی کی امی شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آنے والی ہیں، کب تک آئیں گی؟" نشاء کی ان سے بہت بے تکلفی تھی اور وہ تھی بھی بہت بولڈ۔........ ہر بات بلا جھجک پوچھ لیا کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج پھپھو اسی لئے آئیں تھیں، پھر بھی اس نے پوچھا۔

پریشے کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بیٹا! ڈیٹ تو تقریباً فکس ہو گئی ہے۔ عید نومبر کے پہلے ہفتے میں آرہی ہے تو ہم یہ سوچ رہے تھے کہ عید کے تیسرے دن مہندی رکھ لیں گے۔" وہ خوش دلی سے بتا رہے تھے۔ اس کو اپنی گردن کے گرد پھندا تنگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا، ایک دم کمرے میں گھٹن اتنی بڑھ گئی کہ اس کا سانس رکنے لگا۔

"نشاء!" اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ "حسیب اور اسکے دوست ہنزہ جا رہے ہیں نہ؟ تم نے آج کچھ بتایا تھا؟"

"ہاں وہ راکاپوشی بیس کیمپ کا ٹریک کر رہے ہیں۔"

"کون کہاں جا رہا ہے؟" ان کی سرگوشیاں وہ ٹھیک سے سن نہیں سکے تھے۔

"پاپا! وہ........ نشاء کے ایک کزن کی اپنی ٹور کمپنی ہے مری میں، نشاء نے ان سے نادرن ایریا کے ٹورز کا پتا کیا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کے جلد ہی انکا کوئی ٹور جائے گا نادرن ایریاز۔ تو پاپا! میں نشاء کے ساتھ چلی جاؤں؟ بس تین چار دن کے لئے؟"

"مگر ندا تو ہفتہ بھر کے لئے میکے تمہاری وجہ سے آئی ہے۔ اسکی نند کا کوئی مسئلہ تھا تو اسکی ساس اور شوہر چند دنوں کے لئے سیالکوٹ گئے ہیں۔ وہ اگلا پورا ہفتہ ادھر آ گئی کہ تمہارے ساتھ مل کر شادی کی شاپنگ کر لے گی۔"

وہ سوچ رہی تھی کہ چند دنوں تک کسی دور دراز پُر فضا مقام پر چلی جائے، مگر جیسے ہی پاپا نے ندا آپا کی ایک ہفتے کی چھٹی کا بتایا، اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ جلد ہی اسلام آباد سے پورے ہفتے کے لئے غائب ہو جائے گی۔ وہ کسی کے ساتھ بھی شاپنگ کر سکتی تھی مگر ندا آپا کے ساتھ نہیں۔

"آ......... اچھا مگر کس جگہ جانا چاھتی ہو تم؟" وہ نیم رضا مند تھے۔ وہ جواباً کہنا چاہتی تھی کہ ہنزہ، گلگت، اسکردو، مگر اسے معلوم تھا کہ ان علاقوں کا نام سن کر پاپا سختی سے انکار کریں گے۔

"پشاور، سوات، کالام......... اسی سائیڈ جائیں گے۔" اس نے سوات کا ذکر اسلئے کیا کہ وہاں کوئی ڈھائی ہزار فٹ بلند پہاڑ نہ تھا اور یہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ پاپا نے اگلے ہی لمحے اسے اجازت دے دی۔

اس نے بے اختیار ایک چور نگاہ اپنے بائیں کندھے پر ڈالی۔ صرف اس کندھے کی وجہ سے وہ سکردو سائیڈ پر ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑوں پر نہیں جا سکتی تھی۔

...... جہانزیب صاحب اٹھ کر اندر چلے گئے تو نشاء تیزی سے اسکی طرف مڑی، "میں نے کب پتہ کیا تھا زوار بھائی کی ٹور کمپنی سے؟"

"نہیں کیا تو اب کر لینا۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ ندا آپا کی مع فیملی آمد کے باعث چند لمحے پہلے تک اس کے سر میں جو درد کی ٹیس اٹھ رہی تھی۔ وہ اب غائب ہو چکی تھیں۔

"تم اسلام آباد کی کسی ٹور کمپنی کا نام نہیں لے سکتی تھیں؟" اب خواہ مخواہ جھوٹ کو سچ ثابت کرنے مری جانا پڑے گا اور اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہو رہا ہے سیر سپاٹے کا، تو حسیب اور اسکے فرینڈز کے ساتھ راکاپوشی چلے جاتے ہیں۔

”جسکی اجازت پاپا مجھے کبھی نہیں دیں گے اور حسیب کے دوست؟“ اس کی نگاہوں کے سامنے شام والا وہ لڑکا آگیا جس نے اسے دیکھ کر بے اختیار سیٹی بجائی تھی۔ اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔”میں حسیب کے دوستوں کا سر پھاڑ سکتی ہوں، ان کے ساتھ چار دن پیدل راکاپوشی کا ٹریک نہیں کر سکتی۔“اس کو وہ لڑکا بہت ہی برا لگا تھا، نشاء خاموش ہوگئی۔

نشاء کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کے کمرے کی ترتیب ایسی تھی کہ

شکریہ عروصہ علی جنہوں نے بکس سے دیکھ کر اردو میں وہ بھی موبائل پر لکھ کر ہمیں ناول ہی ناول پیج کو دیا ۔جن کی وجہ سے آپ سب یہ ناول پڑھ رہے ہیں۔

دروازا کھلتے ہی سامنے پلنگ نظر اتا تھا جسکے سرہانے دیوار پر "توماز ہیومر "کا بہت بڑا چسپاں تھا۔ کمرے کی باقی تین دیواروں میں سے دو پر "میمیز" اور چند جاپانی کوہ پیماوں کے آویزاں تھے۔ ان تصویروں کو دیکھتے ہی ایک اداس مسکان نے اس کے لبوں کا احتاط کر لیا_

. . . . ____________

پریشے جہاں زیب، جس کے نام کا آخری حصہ شے ہٹا کر سب اسے پری کہا کرتے تھے۔ بچپن سے ہی ایک آئیڈیلسٹ تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی، جن کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا، جنہیں چیلنجز کا سامنا کرنے میں مزا آتا ہے۔ سیف سے منگنی سے پہلے تک وہ واقعی پرجوش تھی، مگر ان چار برسوں میں بہت کچھ بدلا تھا۔

اس کو بچپن سے پہاڑ سر کرنے کا بہت شوق تھا۔ وو اپنے پاپا اور مما کی اکلوتی اولاد ہونے کے باعث خاصی لاڈلی تھی۔ ان کے لاڈ پیار نے اسکو بگاڑا نہیں بلکے بہت بہادر مضبوط اور پر اعتماد بنا دیا تھا۔ اس کو مما کو اس کا کوہ پیمائی کا شوق بہت عزیز تھا اور یہ سب سے بڑی واجہ تھی جس کے باعث مما اس کو 1995ء میں اپنے ساتھ انگلینڈ لے گئی تھیں۔ پاپا ان اس کی وجہ سے اپنے بزنس بھی ادھر ہی منتقل کر دیا تھا۔ مگر وو لندن میں ہوتے تھے اور مما اور پریشے لیک ڈسٹر کٹ میں۔

وہ چار برس لیک ڈسٹر کٹ میں رہی، وہا اس نے بہت کچھ سیکھا۔ اس دوران وو صرف ایک دافع پاکستان آئی تھی وو بھی سر دیون کی چوتھیوں میں گرمیوں کی چوٹیاں وو کہا گزرتی تھا وہ ایک تین اںج سیکرٹ تھا، جس کی بھنک اگر پاپا کو پڑ جاتی تو وہ بہت خفا ہوتے (البتہ مما جانتی تھئیں) دونو بار اسے اپنے سے آٹھ نو سال بڑا سیف الملوک بہت برا لگا تھا۔ وہ اس سے بہت لاڈ اٹھواتا تھا اور اس کو بڑی عجیب نگاہوں تکتا تھا، اسے اس کی نگہاہیں اچھی لگتی تھی نا باتیں۔ اس نے ایک دو ایک دافع پریشے سے جب یہ کہا "تم بہت خوبصورت ہو" تو اس ن سیف کو بری طرح جھڑک دیا تھا۔

چھے سال پہلے زندگی کسی حد تک بدل گے۔ جب مما کی وفات ہو گئ اور پھپھو کے بے حد اصرار پر پاپا اسے اسلام آباد لے اے۔ تب پہلی دافع اسے احساس ہوا تھا کے۔۔۔ ماں اس کی کسی بڑی مضبوط ڈھال تھی جس کے نہ ہونے سے پاپا پر اور لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

۔۔۔۔ وہ بزنس پڑھنا چاہتی تھی مگر پھپھونہ پاپا کو مجبور کیا ک وہ پریشے کو ڈاکٹر بنایں۔ یوں اسکا ایک سال ضائع ہو گیا۔ مگر وو میڈیکل میں پہنچ ہی گئ۔

پھر 2001ء کے جولائی میں کچھ ایسا ہوا کے اس کا کوہ پیمائی کا کیرئیر ختم ہو گیا۔ سپا نتک کے نا کبل فراموش حادثے کے بعد پاپا نے اس کی کوہ پیمائی پر پابندی لگادی، تو اس نے خاموشی سے ان کا۔ فیصلہ مان لیا۔ اگلے سال پاپا نے اسے بتایا کے انہونے اس کا رشتہ سیف سے طے کر دیا ہے۔ "اسے کوئی اعترض تو نہیں "تب بھی اسنے خاموشی سے سر جھکا دیا، ہاں تب اسنے ایک دافع اسکے �

اسنے ایک دافع اسکے متعلق ضرور سوچا تھا، جس کا اسے برسوں سے انتظار تھا۔

لیک ڈسٹرکٹ جانے سے پہلے وو ایک خوابوں میں رہنے والی کم عمر، لاپروہ سی لڑکی تھی، جس کے "آئیڈیلزم "نے اسے ایک زندگی بھر پھانس کی طرح چھبنے والا خواب دیا تھا۔

اس اجنبی کا خواب، جس کا انتظار ہر لڑکی کرتی ہے۔

اس نے برسوں پہلے نشاء کو بتایا تھا۔ " تمہیں یاد ہے، ہم فیری ٹیلز میں پرستان کی ایک پری کا قصہ پڑھا کرتے تھے جس کو ظالم دیو نے قید کرر کھا تھا اور پھر اس کی رہائی کے لیے ایک شیزدہ آیا تھا۔

سفید گھوڑے پر سوار بھورے بالوں اور شہد رنگ آنکھوں والا گھوڑے سوار، وہ دیس دیس کی خاک چھانتا، پرستان کی خوبصورت وادیوں کے قصے سن کے کر اس طرف آنکلا تھا۔ پری کی قید کا سنا تو وہ بہادر شہزادہ اسے ظالم دیو کی قید سے چھڑا کر خوبصورت وادیوں، چشموں اور پہاڑوں میں اپنے ہمراہ لے گیا اور پھر دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے "اس نے ایک گہری سانس بھر کر نشاء کو دیکھا تھا۔ "کاش میرے لیے بھی ایک ایسا ہی شخص اے، شہزادون کی سی آن بان رکھنے والا، بہادر مضبوط، جو ظاہریت کے پجاریوں جیسا نا ہو۔۔۔۔۔۔

یہ کوئی کچی عمر کا سپنا نہیں تھا، ایک امید تھی، ایک وجدآن تھا کے کوئی ہے، جسے اس کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ وہی جو دیس دیس کی خاک چھانتا کسی اور اس کے پریستان میں آنکلے گا، جس کو دیکھ کر اس کا دل کہے گا کے ہاں، ظالم دیو کی قید میں موجود اس پری نے صدیوں اسی کا تو انتظار کیا تھا۔۔۔

ہاں یہی تو ہے جس سے اس نے روح سے وجود میں انے سے قبل عشق کیا تھا، جو اس کی ذات کا ٹوٹ کر بکھرنے والا ایک گم شدہ حصہ تھا۔۔

اور ہاں وہ یہ بھی تو کہتی تھی کہ "اگر میں پریوں کی ہی طرح حسین ہوں، تو یونھی کسی سے شادی نھی کروگی بلکہ وہ جیسے پریاں اور شہزادیاں شرائط رکھا کرتی تھی ناں، سات سوالوں کی شرط سامری جادوگر کے منکے کی شرط ،ویسی ہی شرط رکھو گی "تو نشاء نے بجد تجسس سے پوچھا تھا کہ "کیسی شرط ؟تب وہ کھلکھلا کر بولی تھی "میں صرف اس کا ہاتھ تھاموں گی، جو میرے لیے دنیا کا سب سے خوبصورت پہاڑ، راکاپوشی سر کریگا" ،

کتنے ہی برس گزرتے گے، وہ خوابوں کا شہزادہ نہ آیا، یہاتک کہ وہ تمام خواب پریشے کو بچکانے اور احمقانہ لگنے لگے اور وہ اب نشاء کے ساتھ ان پر خوب ہنستی تھی پھر سیف سے منگنی کے بعد اس نے ہنسنا بھی چھوڑ دیا۔

آج اتنے عرصے بعد نشاء نے اسے وہ بات یاد دلادی تھی وہ احمقانہ اور بچکانہ بات۔

ہاں وہ بچکانے خواب ہی تو تھے !اب پریشے جہانزیب کی سمجھ میں اگیا تھا کہ وہ کوئی پری نھین۔ وہ خوبصورت سہی، مگر ایک عام سی لڑکی ہے اور عام

سی لڑکیوں ک لیے شہزادے نہیں آیا کرتے۔

ہفتہ 23 جولائی 2005ء

چودہ ہزار فی کس کا پیکج ہے۔ آٹھ دن کا ٹور، تمام انتظامات کمیٹی کے زمے۔۔۔ واو یار زبردست "زوار بھائی کے آفس سے نکلتے ہوئے نشاء بہت خوش تھی

۔" لگتا ہے بارش ہونے والی ہے " سڑک کنارے بہت آہستہ چلتے ہوئے پریشے نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ وہ دن کے تین بجے کا عمل تھا مگر سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان نے جولائی کی دوپہر کو ٹھنڈی شام میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ ورکنگ ڈے تھا، شاید اسی لیے سڑک پر رش نا ہونے کے برابر تھا، ورنہ مری جیسے گنجان آباد علاقے میں سڑک پر ادھر ادھر بس اکا دکا لوگوں کا پھرنا خاصی غیر معمولی بات تھی۔

پریشے اور نشاء باتیں کرتے ہوئے۔ آہستہ آہستہ بلند ہوتی سڑک پر چل رہی تھیں وہ جس جگہ پر تھیں

وہاں نشیب تھا، سڑک ان کے سامنے اوپر بلند ہوتی ہوئی اس حد تک چلی جاتی تھی کے دوسری سمت سے انے والی کا پہلے سر اور پھر آہستہ آہستہ دھڑ نمایاں ہوتا تھا۔ وہ دراصل کسی پہاڑی کی چوٹی تھی جس کو کاٹ کر سڑک بنادی گئی تھی۔

سڑک کی دائیں جانب کھائی تھی جس سے بچنے کے لیے پتھروں کے چھوٹے ٹکڑوں کی ایک باڑ سی بنی تھی، وہ دونوں ان سفید بلاکس کے ساتھ چل رہی تھیں۔

"تھک گئی ہو" نشاء نے اسے چونے سے ڈھکے پتھر کے اس سفید بلاک پر کھائی کی جانب پشت کر کے بیٹھتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"نہیں۔۔۔۔۔۔بس یونہی" وہ گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے، ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی جمائے ، بلند ہوتی سڑک کو گردن اونچی کر کے بہت اداسی سے دیکھنے لگی۔ بارش سے چند لمحے پہلے کا موسم اسے ہمیشہ افسردہ کر دیا کرتا تھا۔

"کہیں اور بیٹھ جاؤ پری! یہاں سے زرا پیچھے ہوئی تو گر پڑو گی" نشاء نے بہت فکرمندی سے اسے یوں اتنی خطرناک جگہ پر بیٹھے دیکھ کر کہا تھا۔ اس کا ہلکا گلابی اور سفید امتزاج والا لان کا سوٹ سفید پتھر کے بلاک کا حصہ لگ رہا تھا۔

"نہیں گرتی" وہ لاپروائی سے گردن موڑ کر پیچھے دکھائی دینے والی سرسبز پہاڑیاں دیکھنے لگی۔ مارگلہ کی پہاڑیوں پر اس روز بادل اترے ہوئے تھے۔ پانی سے لدے بھاری، سرمئی بادلوں نہ پھر یکایک انہوں نے اپنا بوجھ بارش کہ قطروں کی صورت نیچے گرانا شروع

کر دیا۔ پریشے نے بے اختیار اپنی دونوں بانہیں سامنے پھیلا دیں، بارش کے ننھے ننھے قطرے اس کی ہتھیلیاں بھگونے لگے تھے۔ اسی لمحے اس کی سماعتوں میں کسی گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز گونجی۔

اس نے ہتھلیاں نیچے گرا دیں اور کسی خواب کی سی کیفیت میں سر اٹھا کر بلند ہوتی سڑک کو دیکھا۔ اس بلندی سے پیچھے کا منظر اس کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ ٹاپوں کی آواز وہیں سے آ رہی تھی۔

وہ یک ٹک بلندی کی جانب جاتی سڑک کو دیکھے گئی، پہاڑی کی دوسری جانب سے کوئی گھوڑا دوڑاتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ ہر گزرتے لمحے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ اسے لگا وہ سڑک کے بلند حصے سے نگاہیں ہٹا نہیں سکے گی، وقت جیسے وہیں ٹھہر سا گیا تھا۔ لمحے تھم گئے تھے۔ بارش کے قطرے فضا میں رک گئے تھے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔

آنے والے کا سر پہلے نمایاں ہوا تھا، وہ گھوڑے کی باگ تھامے اسے بہت مہارت سے سڑک پر دوڑاتا نشیب کی سمت آ رہا تھا۔ اس کا گھوڑا سفید تھا، چونے کے پتھر

کے بلاکس سے بھی زیادہ سفید اور چمک دار۔۔۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اس کی نظریں اپنے گھوڑے پر تھیں۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھے گئی۔

اتنی دور سے بھی وہ دیکھ سکتی تھی کہ گھوڑے سوار کی آنکھوں کا رنگ ہلکا تھا، ہلکا اور بہت چمکدار۔ اس کی رنگت سنہری مائل سرخ و سفید تھی، ناک

کھڑی اور یونانی طرز کی تھی۔ مغرور بحد مغرور ناک۔

اس نے آدھی آستینوں والی نیلی شرٹ کے اوپر بغیر بازوؤں والی سفید لیدر جیکٹ، جس کی بہت ساری جیبیں تھیں، پہن رکھی تھی۔ گردن کے گرد خوبصورت سرخ رنگ کا مفلر بندھا تھا۔ جیکٹ اور مفلر ہلکے میٹریل کے تھے؛ جن کا مقصد سردی سے بچاؤ نہیں

بلکے یونہی فیشن اور سٹائل تھا۔ برستی بارش میں اس کے بھورے بال ماتھے پر چپکے ہوئے تھے مگر وہ جیسے ہر چیز سے بے نیاز اپنے سفید گھوڑے کی جانب متوجہ تھا۔

اس نے اپنا گھوڑا ان دونوں کے قریب سفید بلاکس کے ساتھ روک دیا اور گردن ترچھی کر کے عقب میں موجود پہاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ وہ پیچھے والے منظر سے جیسے غیر مطمئن سا تھا۔ سسے شاید گھوڑا کھڑا کرنے کی کوئی صحیح جگہ نہیں مل رہی تھی۔

بارش رک چکی تھی ہوا پھر سے چلنے لگی تھی۔ پری کے گیلے بال اس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔ مگر وہ تو اس شخص سے نگاہیں ہٹا ہی نہیں پا رہی تھی

وہ اب ایک جگہ گھوڑا کھڑا کر کے مطمئن سا ہو گیا تھا۔ تب ہی گردن میں لٹکتے کور سے کیمرہ باہر نکالا اور چہرے کا رخ ان دونوں کی جانب کیا۔

"بات سنو!" اس نے پریشے کو براہ راست مخاطب کیا تھا۔ اس پل جیسے کوہی طلسم سا ٹوٹا۔ سحر خواب خیال سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ وہ جیسے اب ہوش میں آئی اور چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی" اس نے اپنے ازلی پر اعتماد انداز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔ اسے خود پر حیرت ہوئی تھی کہ وہ اتنی بے خود اور مسحور کیوں ہوگئی تھی؟

گھوڑے سوار نے اپنا کیمرہ اس کی جانب بڑھایا۔ "کیا تم میری ایک تصویر اتار سکتی ہو" وہ شستہ انگریزی میں اس سے مخاطب تھا۔ اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ اس نے کیمرہ تھام لیا۔

"سنو پکچر یوں کھینچنا کہ یے گھوڑا اور پیچھے والے پہاڑ اچھی طرح آئیں" وہ جو اتنی دیر سے

غالباً اس تصویر کے لیے ہی گھوڑا مناسب جگہ پر کھڑا کر رہا تھا، اب بہت مہزب انداز میں ہدایت دیتے ہوئے بولا۔

اس نے کیمرے کو دیکھا، بلکل ویسا ہی اولمپکس کا ڈیجیٹل کیمرہ وہ بھی استعمال کرتی تھی اس نے کیمرہ چہرے کے سامنے لاکر اس کی ایل ای ڈی اسکرین کو دیکھا اور پھر ریڈی کہے بغیر تصویر کھینچ لی۔ صد

"تمہارا شکریہ۔ مگر کیا یہ پہاڑ ائے تھے؟، بغیر ریڈی کہے تصویر کھینچنے پر اس اجنبی گھوڑے سوار کو قدرے بے چینی ہوئی تھی"، اس نے ایک نظر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں دیکھا اور پھر سر ہلا دیا۔ "ہاں بہت خوبصورت تصویر آئی ہے"، نشاء نے پریشے کے ہاتھ میں کیمرے کی اسکرین پر موجود تصویر کو دیکھ کر کہا تو اسے خیال آیا کہ نشاء بھی وہاں موجود تھی۔

"ویسے یہ تمہارا گھوڑا ہے"؟ نشاء نے ہی اگلی بات کی۔

"نہیں یہ میں نے کرائے پر ایک آدمی سے لیا ہے۔ اصولاً۔ اسے گھوڑے کی باگ تھامے میرے ہمراہ چلنا چاہیے تھا، مگر میں اس کو بھگا کر یہاں لے آیا" وہ شکل سے بہت مغرور لگتا تھا اس وقت بہت بے تکلفی کے ساتھ انگریزی میں بات کر رہا تھا۔

انگریزی؟ پری نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ انگریزی کیوں بول رہا تھا؟ اسے غور سے دیکھنے پر احساس ہوا کہ گھوڑے پر سوار وہ بھورے بالوں اور گوری رنگت والا خوبصورت مرد پاکستانی نہیں، کوئی غیر ملکی تھا۔ وہ اس کی شناخت کے متعلق صحیح اندازا نہیں کر سکی تھی۔

"تم دونوں ایک منٹ ٹھرو، میں اس آدمی کو اس کا گھوڑا واپس کر آوں" اس نے پھر مہارت سے گھوڑا موڑا اور اسے بلند ہوتی سڑک کی طرف بھگا کر لے گیا۔

"کتنا گڈ لکنگ تھا یار" نشاء اس کے جاتے ہی بے حد ستائشی انداز میں بولی۔ "پتا نہیں" وہ سر جھٹک کر دائیں جانب کھڑے اونچے پہاڑوں کو دیکھنے لگی۔ بادل غائب ہو رہے تھے۔۔

"اوہ نشاء! وہ اپنا کیمرہ مجھے دے گیا ہے" ایک دم اسے ہاتھ میں پکڑے کیمرے کا خیال آیا، وہ پریشان سی ہو گئی۔

"واپس آئے تو دے دینا"

حالاں کہ وہ اس کے واپس آنے سے پہلے پہلے نکلنا چاہتی تھی، مگر ہاتھ میں پکڑا کیمرہ

اس کا انتظار کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔

چند منٹ بعد ہی وہ انہیں بل کھاتی سڑک پر سے نیچے اترتے ہوئے اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ گھاڑے پر سوار ہونے کی وجہ سے اس کا قد کاٹھ انہیں ٹھیک سے نظر نہیں آیا تھا مگر جیسے ہی وہ ان کے قریب آیا، اسے احساس ہوا کہ وہ اس سے خاصا لمبا تھا۔

"وہ سمجھ رہا تھا، میں اس کا گھوڑا لے کر بھاگ لیا ہوں۔

ان کے قریب آ کر وہ ہنستے ہوئے بتا رہا تھا۔

ہنستے ہوئے اس کی شہد رنگ آنکھیں چھوٹی ہو جاتی تھیں۔ وہ اندازانہ کر سکی کہ وہ ہنستے ہوئے زیادہ پر کشش لگتا ہے یا لب بھینچے۔

"تم اتنے خطرناک طریقے سے رائیڈنگ کیوں کر رہے تھے ؟" نشاء کو بزرگی جھاڑنے کا شوق تھا سو اس لاپروائی پر اس کو ڈانٹنا اس نے اپنا فرض سمجھا۔

"میڈم ! میں پانچ سال کی عمر سے رائیڈنگ کر رہا ہوں اوت گھوڑوں کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں" اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔ وہ اور نشاء سڑک کے کنارے آہستہ آہستہ چہل قدمی کرنے لگے، پریشے وہیں کھڑی رہی۔ دفعتہ اسے کیمرے کا خیال آیا۔

"سنو" ان دونوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔۔

"تمہارا کیمرہ" اس نے قدرے زور سے کیمرہ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"شکریہ"!

"سنو تمہیں یوں اپنا اتنا قیمتی کیمرہ دے کر نہیں جانا چاہیے تھا۔ میں اگر لے کر بھاگ جاتی تو؟"

وہ پھر مسکرایا" مجھ پتا تھا تم ایسا نہ کرتیں" سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

"اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہارا کیمرہ لے کر بھاگ چکا ہوتا"

"تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو میں کیمرہ ہرگز نہ دیتا" وہ مسکراہٹ دبائے بہت سنجیدگی سی بولا۔

"ہونہہ" وہ اس کے اس انداز پر سر جھٹک کر سڑک کے دوسری جانب پھیلی دکانوں کی قطار کو دیکھنے لگی۔ وہاں رش اب بڑھتا جارہا تھا۔

نشاء نے اس "بدتمیزی" پر اسے گھورا بھی، مگر وہ اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔

گھڑسوار نے گردن جھکا کر کیمرے کی اسکرین پر نگاہ ڈالی اور زیرِ لب مسکرایا۔

"اچھی تصویر کھینچنے کا شکریہ "تصویر دیکھ کر اس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا اور کیمرہ کو کور میں ڈال دیا۔ وہ پھر مغرور نظر آنے کی اداکاری کرتی جواب دیئے بنا دکانوں کو دیکھتی رہی۔

"تم اس تصویر کا کیا کرو گے ؟" اس کی بے رخی کے اثر کو کم کرنے کے لیے نشاء نے بہت دوستانہ انداز میں اسے مخاطب کیا۔

"میں بیس برس بعد ایک سفر نامہ لکھوں گا، اس کے فرنٹ پر یہ تصویر لگاؤں گا"

"اور اس تصویر کا کیپشن کیا ہو گا؟" نشاء نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اس کے نیچے لکھوں گا" اس کوہ پیما کی تصویر، جو راکاپوشی سر کرنے جا رہا تھس" وہ فخر سے بتا رہا تھا۔

پریشے نے تیزی سے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ "تم تم راکاپوشی سیر کرنے جا رہے ہو؟" بے اختیار پوچھ لینے کے بعد اسے یاد آیا کہ۔۔۔ اس کو تو خود کو لاتعلق ظاہر کرنا تھا، اسے پچھتاوا سا ہوا۔

"ہاں۔۔!" پریشے کی بے ساختگی پر اس نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔

"خیر راکاپوشی سر کرنا کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ ایورسٹ یا کے ٹو سر کرنا اصل کامیابی ہے" کہہ کر وہ پھر سے دکانوں کو دیکھنے لگی۔

"ویسے کل ہم لوگ ایک ٹور کمپنی کے ساتھ کالام جا رہے ہیں" نشاء کے بتانے پر گھڑ سوار نے آنکھیں سکوڑ کر مال روڈ کی طرف دیکھا۔ سن شائن ٹریولز کافی سامنے تھا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا پھر بولا۔

"میں بھی کل کالام جا رہا ہوں، سن شائن ٹریولز کے ساتھ تم کس کے ساتھ جا رہی ہو؟"

"واقعی؟ تم تو ہمارے ساتھ جا رہے ہو!" نشاء کو اس "اتفاق" سے از حد خوشی ہوئی تھی۔ اور پریشے کو کچھ شک سا ہوا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ویسے تمہارے دوست بھی جا رہے ہے کیا؟" مسکراہٹ لبوں پے دبائے، اس نے بہت معصومیت سے پوچھا۔ پریشے نے رخ قدرے مزید موڑ لیا۔

"ہاں مگر تمہیں کیسے پتا یہ میری دوست ہے؟"

"بہت آسان۔۔۔ وہ خوبصورت ہے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر نشاء ہنس پڑی جب کے

پریشے کے ماتھے پر ناگواری کی شکن ابھری تھی۔

"میں نشاء ہوں۔ نشاء سعید اور یہ میری کزن کم دوسwت ہے، ڈاکٹر پریشے جہانزیب۔"

"پاری شے"؟ اس نے اپنے یورپی لب ولہجے میں اس کا نام دہرایا۔

"پاری شے نہیں، پری۔۔۔۔ شے"

"میرے نام کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو، نشاء؟" خود کو یوں موضوع گفتگو بنتے دیکھ کر وہ تنگ آ کر اردو میں بولی۔

"یہ مینرز کے خلاف ہے۔ تم دونوں کو میری موجودگی میں اپنی زبان میں بات نہیں کرنی چاہیے"۔

وہ مسلسل پریشے خود دیکھ رہا تھا۔ ایک تو کمبخت بلا کا ہینڈسم تھا، اوپر سے اتنے خوبصورت انداز میں آنکھیں سکیٹر دیکھتا تھا، وہ خوامخواہ کنفیوز ہونے لگی۔

"مطلب کیا ہوا تمہاری کزن کے نام کا"؟

"پری چہرہ لڑکی۔ یہ ایران کی ایک شہزادی کا نام تھا۔ اس لیے تو میں اس کو پری کہتی ہوں"۔

"تمہاری کزن پر سوٹ بھی کرتا ہے۔ پری مطلب فیری؟ ہماری زباں میں بھی فیری کو پری کہا جاتا ہے"۔

"تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا"۔

"اوہ سوری! میں افق ارسلان ہوں۔ ترکی سے آیا ہوں۔ ویسے پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہوں مگر ساتھ ساتھ ایک تجربہ کار کلائمبر بھی ہوں۔ تمہارے پاکستان میں دنیا کے سب سے خوبصورت پہاڑ، راکاپوشی کے لیے آیا ہوں"۔

اس نے جھک کر اپنا تعارف کروایا "اور تم لوگ کیا کرتی ہو؟"

"نشاء! ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ میں گاڑی کی طرف جا رہی ہوں چلنا ہے تو چلو"

قدرے غصے سے کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی گاڑی کی طرف آ گئی۔ عجلت میں افق ارسلان کو خدا حافظ کہہ کر نشاء دوڑتے قدموں کے ساتھ اس تک پہنچی تھی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے نشی؟ نہ جان نہ پہچان، خوامخواہ کسی اجنبی وہ بھی گورے کے ساتھ یوں سر راہ گپیں لگانے کا مقصد؟" ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ نشاء پر برس پڑی تھی۔ چند گز کے فاصلے پر وہ ترک سیاح ان

سفید چوکور بلاکس کے ساتھ ابھی تک کھڑا تھا۔ دفعتاً اس نے پری کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ جسے اس نے نظر انداز کر دیا۔

"بھائی میرا مسلمان بھائی ہے، ایک برادر اسلامی ملک سے آیا ہے۔ ہمارا مہمان ہے۔ میرا اسلامی فریضہ ہے کہ میں میزبانی نبھاؤں۔"

"اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہیں۔ مسلمان لڑکی!۔ گاڑی واپس اسلام آباد کے رستہ ڈالتے ہوئے اس نے دانت پیسے تھے۔" کیا ہم اب کسی اور ٹور کمپنی کے ساتھ نہ چلے جائیں؟

"اس بات کا تو ذکر ہی مت کرنا۔ اگر ہم اس ٹور کمپنی کے ساتھ نہیں جائیں گے، تو پھر ہم نہیں جائینگے!" نشاء نے بڑے اطمینان سے فیصلہ سنا دیا۔

وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتی رہی۔ آٹھ دن ندا آپا کے ساتھ یا آٹھ دن اس ترک سیاہ کے ساتھ؟ اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ بچا تھا کیوں کی ندا آپا کے ساتھ آٹھ دن گزارنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ نشاء کو ڈراپ کر کے گھر آئی تو فون بج رہا تھا۔ اس نے کریڈل پر دھرا ریسیور اٹھایا "ہیلو"

"تم اپنی کزن کے ساتھ کہاں جا رہی ہو؟" ناگوار سا بازپرس کرنے لہجہ تھا سیف کا۔

"کالام اور بھی لوگ جا رہے ہیں۔"

"ماموں نے مجھ سے پوچھے بغیر تمہیں کیسے اکیلے جانے کی اجازت دے دی؟ کیا اب ہمارے خاندان کی لڑکیاں دور افتادہ علاقوں میں باپ بھائی کے بغیر سڑکیں ٹاپتی پھریں گی؟"

وہ اس سے واضح طور پر ناراض تھا۔

"پاپا نے مجھ اجازت دے دی ہے سیف!" کہیں ایک نیا مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے، اس خیال نے اسے تھکا دیا تھا۔

"مگر میں کہہ رہا ہوں کہ تم یوں نہیں جاوگی۔ تم اپنی کزن کو منع کر دو۔"

تحکم بھرا انداز۔ وہ بے بسی سے لب کاٹ کر رہ گئی۔

"ہم اسکول میں بھی تو ٹورز کے ساتھ چلے جاتے تھے، ایک قابل اعتماد ٹریول ایجنسی کے ساتھ۔۔۔"

"یہ یو کے نہیں ہے پریشے!" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

"بس تم اپنی کزن کو منع کر دو"۔

"اچھا" پریشے نے فون رکھ دیا۔ چند لمحے آزردگی سے فون کو دیکھتی رہی پھر نشاء کا نمبر ملایا۔

"میری آواز سنے بغیر چین نہیں آ رہا، جو گھر پہنچتے ہی فون کھڑکا رہی ہو؟"

"نشاء! میں کالام نہ جاوں تو؟"

نشاء ایک لمحہ کو چپ سی ہو گئی۔

"پری"

وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"وہ ایک اچھا انسان ہے، تم اس کے ساتھ ان کمفر ٹیبل فیل نہیں کرو گی۔

"بلیو می پری!"

"نہیں نشاء! سیف نے منع کیا ہے۔"

"واٹ دی ہیل؟" اس کا پارہ ہائی ہو گیا تھا۔

"وہ ہوتا کون ہے تمہیں منع کرنے والا؟ میں تو ابھی تک تمہاری منگنی کو قبول نہیں کر سکی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہو ہی نہیں، لیکن تم نے شاید شادی سے پہلے ہی اس کی غلامی قبول کر لی ہے۔ ٹھیک ہے، فائن! میں یونہی تمہارے لیے ہلکان ہوتی ہوں۔ جہنم میں جائو تم، جہنم میں جائے سیف، جہنم میں جائے افق ارسلان،"۔

ایک پژمردہ مسکراہٹ پریشے کے لبوں پر بکھر گئی۔

"میں نے اس کی غلامی نہیں قبول کی اور سنو، میں نے پروگرام بھی کینسل نہیں کیا، لیکن اگر تم نے میرے نام کے ساتھ افق کا نام پھر لیا تو میں پروگرام کینسل کر ہی دو گی۔"

مزید کچھ کہے بغیر اس نے فون رکھ دیا۔

اسے سیف کے غصے کی پرواہ نہ تھی۔ کالام سے واپسی کے بعد اس کی شادی ہو ہی جانی تھی، دل نہ تب مر ہی جانا تھا اور شاید سیف جیسے انسان کے ساتھ زندگی کی شروعات کرنے کے بعد اسے کسی کی بھی پرواہ نہ رہے۔ نہ دکھ کی، نہ خوشی کی شاید تب وہ بے حس ہو جائے، مگر اس بے حسی کے دور کا آغاز سے قبل صرف آٹھ دن، وہ زندگی کے ساتھ گزارنا چہاتی تھی۔

#تیسری_چوٹی

اتوار،24 جولائی 2005 ء

پاپا کی ڈھیر ساری دعائیں لے کر وہ گھر کی گیٹ سے باہر ٹور کمپنی کی بس میں آگئی۔

ان کا گائیڈ کم ڈرائیور،ظفر اس کا سامان لوڈ کرکے ڈرائیونگ سیٹ پر آگیا۔

بس میں اسئ چار انجان چہرے دکھائی دیئے تھے۔

وہ ایک نسبتاً پچھلی سیٹ پر کھڑ کی کی طرف بیٹھہ گئی۔نشاء یا وہ ترک سیاح ابھی تک نہیں آئے تھے۔

کھلے شیشے سے آتی ٹھنڈی ہوا اس کی آنکھوں کو بند کر رہی تھی۔

اس نے شیشہ بند کردیا اور

لیزئر میں کٹے سیاہ بالوں کو اونچی پونی ٹیل میں باندھا۔

دفعتاً اسے دوسرے مسافروں کا خیال ایا

اس نے ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی۔

اس کے بائیں طرف نشستوں کی قطار میں اس کے برابر ایک کم عمر لڑکی بیٹھی تھی۔عمر بمشکل بیس اکیس برس ہوگئی۔۔

کندھوں سے اوپر آتے کھلے بال،جو ماتھ پر بینڈز کی صورت میں کٹے تھے اور گوری رنگت۔

وہ محویت سے سڑک کے کنارے بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔اس نے سفید ٹراوزر اور گھٹنوں تک کرتا پہن اکھا تھا اور پاوں میں سینڈل تھے۔

دوسرے مسافروں میں پچاس پچپن سالہ ایک انکل تھے۔غالباً کوئی ریٹائرڈ افسر یا کوئی امیر بزنس مین وہ خاصے وجیہہ تھے اور سب سے اگلی سیٹ پر براجمان تھے۔

ان کے علاوہ ایک جوڑا تھا۔بیوی قدرے کرخت اور نک چڑھی سی لگی البتہ میاں " بیبا " سا تھا۔پریشے کو قیافہ شناسی سے گہری دلچسپی تھی۔

"صبح چھے بجے کوئی وقت ہے جانے کا؟مجھے سونے بھی نہیں دیا۔"نشاء اس کے مقابل آکر بیٹھی تو بس جو نشاء کو پک کرنے رکی تھی،پھر چل پڑی۔

"سو جاوء لمبا سفر ہے۔"اس نے نشاء کی خوابیدہ آنکھیں دیکھ کر کہا۔

ظفر نے اپنا آخری مسافر ایک اعلی درجے سے اتھایا۔تھا۔وہ بس میں داخل ہوا اور پریشے کی توقعات کے برعکس ان دونوں کی جانب آنے بجائے " ریٹائرڈ " صاحب کے ساتھ والی خالی نشست پر بیٹھ گیا۔اس نے تو گردن کو جنبش دے کر ان دونوں کی طرف دیکھا تک نہ تھا۔

چوں کہ وہ ان سے کافی آگے بیٹھا ہوا تھا اور وہ بھی بائیں قطار میں،سو وہ اس کا محض دایاں کندھا،بازو اور سر ہی پیچھے سے دیکھ سکتی تھی۔لائٹ براون شرٹ،سفید پینٹ،وہی کل والی سلیو لیس ہلکی سی ٹورسٹ جیکٹ،گردن میں لٹکتا مفلر،پاوں میں جوگرز،وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ہاں،اج اس کے سر پر پی کیپ بھی تھی۔وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر نشاء کی طرح سو گئی۔

کوئی دو گھنٹے بعد اس کی انکھ کھلی۔وہ لوگ ابھی

تک حالت سفر مین تھے۔نشاء جاگ چکی تھی۔

اس نے چور نظروں سے افق کو دیکھا،وہ اپنے سیل فون کے بٹنز سے کھیل رہا تھا۔

"سنو پری ! تمہیں یہ شخص اچھا نہیں لگا؟"

"نہیں اور میں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتی"۔وہ کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی.

"مگر میں کرنا چاہتی ہوں"۔نشاء بضد تھی۔

"ٹھیک ہے پھر جاکر اسی کے پاس بیٹھ جاو"۔

بقیہ سارا راستہ خاموشی سے کٹا۔دن چڑھے بس پشاور کی حدود میں داخل ہوئی سڑکوں پر خاصا رش تھا۔اپنے جوبن پر چمکتا سورج شہر کو جھلسا رہا تھا

"کتنی گرمی ہے یہاں حالاں کہ پشاور پہاڑوں پر واقع ہے۔۔یار اس سے ٹھنڈا تو اسلام آباد تھا۔"نشاء کو اپنا شہر یاد آیا۔

ٹور کمپنی نے پہلے سے ایک متوسط درجے کے ہوٹل میں ان کی بکنگ کروا رکھی تھی۔

ہوٹل کے باہر تنگ سی سڑک پر بے تحاشا رش تھا۔سڑک کے اچھے خاصے حصے پر ریڑھیوں کا قبضہ تھا۔گاڑی ایک ڈھلوان پر چڑھ کر ہوٹل کے پارکنگ ایریا تک آئی۔وہاں گاڑیوں کی لمبی قطار تھی۔

"ناٹ بیڈ" بس سے نکل کر نشاء نے تبصرہ کیا۔پری ہوٹل کی بلند عمارت کو دیکھنے لگی۔

ترک سیاح ان دونوں سے فاصلے پر کھڑا سفید جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، آنکھیں سکیڑے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔وہ اپنی طرف متوجہ پاکر مسکرایا،پریشے نے نگھاون کا رخ بدل لیا۔

"ہیلو گرلز،کیسی ہو تم دونوں؟"وہ ان کے قریب چلا آیا۔

"اوہ تو آپ ہمیں پہنچاتے ہیں؟"نشاء کو اس کا پورا راستہ انہیں لفٹ نہ دینا بہت کھٹکا تھا۔شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔وہ جوابا ہنس پڑا۔

"میں نے سوچا صبع صبع نیند سے بے حال ہوتے لاگوں کو نہ جگایا جائے،ذرا کہیں پہنچ جائیں تو آرام سے گپ شپ کرتے رہیں گے۔"وہ مسکراہٹ دبائے سنجیدگی سے بولا۔

پریشے ان دونوں کو چھوڑ کر اس ٹین ایج لڑکی کے پیچھے چلتے ہوئے سیڑیاں چڑھنے لگی۔

246نمبر کمرے میں پہنچ کر ظفر نے چابی اس کے حوالے کی۔وہ ٹرپل بیڈروم اس کو نشاء اور اس لڑکی کے ساتھ شیئر کرنا تھا۔

"اوکے،شام کو ملاقات ہوگی۔"افق ان دونوں سے یہ کہہ کر ساتھ والے کمرہ میں چلا گیا۔میاں بیوی سامنے والے کمرے میں چلے گئے۔

"میں ڈاکٹر پریشے جہاں زیب ہوں"۔کمرے میں آکر اپنے لبوں پہ مسکراہٹ سجا کر اس نے اس لڑکی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں ارسہ بخاری ہوں۔ویسے آپ کا نام بہت پیارا ہے پریشے "! وہ رکی اور تصیح کر کے

بولی " پریشے آپی!

"آپی"؟ان دونوں نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"دراصل میں پاکستانی کزنز کو اگر بغیر آپی باجی کہے بلاؤں تو دادو "

انگریز " کہہ کر ٹوکتی ہیں،

سو میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی پاکستانی لڑکی کو آپی باجی کہے بغیر نہیں بلانا"

وہ دونوں ہنس پڑیں۔

کھانا انہوں نے ساتھ ہی کھایا تب تک تعارف کا سلسلہ مکمل ہو چکا تھا۔

ارسہ کا تعلق لاہور سے تھا،مگر وہ پلی بڑھی انگل

ینڈ میں تھی۔اردو لکھ اور پڑھ لیتی تھی مگر بولتی بہت بہت مشکل سے

تھی۔اس کے پاس اس کم عمری میں بھی ایک اچھا الپائن ریکارڈ تھا وہ زیادہ تر

یورپی الپس سر کر چکی تھی،اس کے علاوہ تبت میں اس نے shishapangma اور chooyu کو سر کیا تھا۔

"تو تم افق کے ساتھ راکاپوشی جارہی ہو؟"نشاء کو وہ معصوم اور زہین سی لڑکی بہت اچھی لگی تھی۔

"ہاں ! " اس نے سر ہلا دیا۔"رکاپوشی میرے ناول کی سیٹنگ ہے۔اوہ میں بتانا بھول گئی،میں رائیٹر بھی ہوں۔دو ناول لکھ چکی ہوں،یہ میرا تیسرا ناول ہے۔"

"اتنی سی عمر میں دو ناول؟"پریشے کے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

ارسہ ہنس پڑی۔"محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کیا تھا،میں نے تو اس عمر میں صرف پہلا ناول لکھا تھا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"اچھا تو تمہارے ناول کی سٹوری کیا ہے؟"اسے دلچسپی ہوئی۔

"ایک کوہ پیما ہیروئن کی راکاپوشی سر کرنے کی رومانوی داستان " وہ مزے سے بولی۔نشاء سونے کے لے لیٹ چکی تھی۔

"اینڈ ہیپی کروگے یا ٹریجک؟"

ٹریجک کیوں کے ٹریجک اینڈ یادگار ہوتا ہے۔ویسے آپ نہیں آئیں گی راکاپوشی؟آپ بتا رہی تھیں ک آپ بھی کلامبر ہیں"

"ہاں،میں کمبریا کے ٹو اسکول،لیک ڈسٹرکٹ سے سات ہفتے کے کورسز کیے تھے،مگر میں راکاپوشی نہیں آؤگی ک مجھے اپنے فادر کی پرمشن نہیں ہے۔"

"کمبریا کے ٹو سے؟واہ،ائی ایم امپریسڈ" !

"اور سوئس الپس کے علاوہ،میں نے سپانتک spantik)) کو بھی سر کر رکھا ہے۔

وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگی۔

"اوہ ویسے آپ آتیں تو مزا آتا۔افق بھائی بہت اچھے ہیں۔میری ان سے ملاقات فلایٹ کے دوران ہوئے تھی وہ مصر سے آرہے تھے اور میں انگلنڈ سے۔"

"اب سوتے ہیں"۔اس سے پہلے کے وہ " افق نامہ " شروع کرتی،پریشے نے اس کی بات کاٹ دی۔ارسہ تابعداری سے بستر پر لیٹ گئی۔

جلدی ہی اسے نیند نے ان گھیرا۔پھر وہ شام تک سوتی رہی ارسہ اور نشاء صبح تڑکے،ہی اٹھ گی تھیں اور با آواز بلند گپیں ہانکتے ہوئے انہونے اسے بھی جگا ڈالا تھا۔مگر وہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے سوتی بنی رہی۔

دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی پریشے کا دل زور سے دھڑکا تھا۔اس نے آنکھوں پر سے بازو نہیں ہٹایا مگر وہ جانتی تھی کے باہر کون تھا۔وہ دستک نہیں،افق ارسلان کی خوشبو پہچانتی تھی۔

"اندر آ سکتا ہوں اچھی لڑکیوں؟"اس کا شرارت سے کھنکتا لہجہ پریشے کی سماعت سے ٹکریا۔اس کی آنکھوں پر بازو نہ ہوتا تو وہ شاید اس کی پلکوں کا ارتعاش دیکھ لیتا۔

"لگتا ہے اچھی لڑکیوں کے بگیر دل نہیں لگ رہا۔آؤ بیٹھو۔"وہ اتنا مہزب، شائستہ ہنس مکھہ تھا کے نشاء اور ارسہ فوراً اس کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے کرسی پیش کی۔

"یونہی سمجھ لو " وہ پریشے کے بیڈ سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔کرسی اور بیڈ کی پانپتی کے درمیان فاصلہ خاصا کم تھا۔جگہ تانگ تھی،وہ بیٹھ تو گیا مگر اس کے جوگرز بیڈ کا سرا کو چھو رہے تھے۔

"میں اس سفر کو یادگار بنانا چاہتا ہوں اور بطور ایک اچھے سیاح،میں کوئی لمحہ فارغ نہیں بیٹھنا چاہتا۔سو پھر تم لوگ بتاؤ شام کیا پروگرام ہے؟"اسے محسوس ہورہا تھا کے بولتے ہوئے بھی نظر بھٹک کر افق کی ناگاہیں اسی کے چہرے پر پڑ رہی تھیں جو اس نے اپنے سفید بازو کی اوٹ میں آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔کمبل گردن تک لے رکھا تھا،صرف چہرے کا نچلا حصہ کھلا تھا۔

"پری اٹھ جائے تو کوئی پروگرام بناتے ہیں"۔

"تمہاری دوست بہت زیادہ سوتی ہے کیا"؟اس۔کے انداز سے پریشے کو لگا، وہ جان گیا ہے کے وہ سو نہ رہی۔

"نہیں آج بس ذرا تھک گئی۔تم اپنا پروگرام بتاؤ۔"

"میں آج تمہارے پشاور کے بازار،یہی کینٹ اور صدر وغیرہ کھنگالنے کا سوچ رہا ہوں۔باقی ایورسٹ اٹریکشن کل دیکھو گا۔"

"تو پھر ہم تینوں بھی آپ کے ساتھ چلتے ہیں افق بھائی ! احمر صاحب اور افتخار فیملی کی مرضی وہ جہاں بھی جایں یا پھر ان سے پوچھ لیں؟"ارسہ متذبذب تھی۔

"وہ کپل بہت ریزورر ہے،وہ یقینن ہم سے گھلنا ملنا پسند نہیں کریں گے۔احمر صاحب تو آدھا گھنٹہ ہوا کہیں چلے بھی گے ہیں پھر ہم چاروں ساتھ چلتے ہیں مگر۔۔۔،

وہ ایک لمحے کو روکا،پری کے کان کھڑے ہوگئے۔

"مگر کیا" ؟

"مگر ہو سکتا ہے تمہاری دوست کو۔کوئی اعتراض ہو"

"ارے نہیں۔وہ بہت نائس اور سویٹ ہے۔اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا " ،

"ویسے نشاء ! مجھے بہت خشی ہوئی تھے۔جب تم نے مجھے بتایا تھا کے تمہاری دوست میری بہت تعریف کر رہی تھی " ،

پریشے نے ایک جھٹکے سے کمبل اٹھارہ اور تیزی سے سیدھی ہوئی۔

"میں نے ایسا کب کہا تھا؟"

افق کا فھقھہ بے اختیار بلند ہوا،اسے اپنی حماقت پر شرمندگی ہوئی۔نشاء اور ارسہ قدرے حیران تھی

"انھیں ابھی " لطیفہ " سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"تم اٹھ گیں؟میں سمجھی سو رہی ہو " ،

"میرے سر پر جو تم لوگ گول میز کانفرنس کر رہے ہو،میں بھلا کیسے سکوں سے سو سکتی تھی"

شرمندگی چھپانے کو اس نے غصے کا سہارا لیا اور بستر سے نیچے اتر گئی۔ ڈریسنگ روم جانے کے راستے میں افق کی لمبی ٹانگیں حائل تھیں۔اسے قریب آتا دیکھ کر اس نے پیر سمیٹ لیے۔وہ پیر پٹختے ہوئے اس تنگ جگہ سے گزری۔

"سوری پری ! " میں مذاق کر رہا تھا۔"

وہ بے مشکل ہنسی کنٹرول کرتے معذرت کرنے لگا مگر وہ جھنجھلاتی ہوئی زور زور سے الماری کے پٹ کھول بند کرتی رہی۔

"اچھی لڑکیو !،تیار ہو کر لابی میں آجاؤ۔تمہارے پاس صرف پندرہ ہیں۔"وہ جانے کے

لیے اٹھ کھڑا ہوا تو پری نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا،اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔شرٹ کی استینیں ادھی،مگر رنگ سیاہ تھا۔اور اوپر سفید ٹوریسٹ جیکٹ،گردن کے گرد بلکل سرخ مفلر۔

"رائیٹ باس،!ارسہ نے تابعداری دکھائی۔وہ مسکراتے ہوئے ایک نگاہ پریشے پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔وہ " اف " کہتے ہوئے کلکس کر رہ گئی۔

ان پندرہ منٹ میں پریشے نے کوئی دو سو دفعہ ان دونو کو " ضرور پروگرام بنانا تھا تم نے اس کے ساتھ؟"سنیا تھا۔نشاء ڈھیٹ بنی سنتی رہی،ارسہ کو البتہ حیرت ہوئے تھی۔

"یہ پریشے آپی کی کوئی لڑائی ہوئی ہے افق بھائی سے؟!وہ تو اتنے کئیرنگ اور سویٹ ہیں۔

"یہ ایک صدیوں کی داستان ہے،تمہیں ایک شام میں سمجھ نہیں آسکتی۔"نشاء نے آہ بھر کر کہا۔

ہیئر برش کرتے پریشے کے ہاتھ ایک لمحے کو تھمے تھے۔وہ اندر سے کانپ کر رہ گئی تھے۔پلٹ کر شاک کی نظر نشاء پر ڈالی اور دوسری اپنی انگلی میں موجود انگوتھی پر۔نشاء نے لاپروئی سے کاندھے اچکا دیے۔ارسہ کے سر کے اوپر سے سب کچھ گزر گیا تھا۔

وہ پیر پٹخ کر باتھروم میں چلی گئی۔نشاء کی بات وہ عموماً مانا نہیں کرتی تھی ،مگر اب اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔نشاء اور ارسہ چلی جاتی تو اس نے بھلا کیا قصور کیا تھا۔جو وہ اکیلی چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی رہتی؟یوں بھی افق کے ساتھ مارکیٹ جانا اسے برا نہیں لگ رہا تھا۔البتہ یوں ظاہر کرنا وہ اپنا فرض سمجھتی تھی۔

پارکنگ ایریا میں کھڑی ٹور کمپنی کی بس کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا افق ان کا انتظار کر رہا تھا۔انھیں دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔ایک استقبالیہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احتاط کر لیا تھا۔پی کیپ ابھی بھی اس کے سر پر تھی۔

"کینٹ چلتے ہیں،یہاں سے بہت قریب ہے۔"ان کا رہنمائی کرتے ہوئے وہ ہوٹل سے پارکنگ ایریا سے نیچے سڑک تک جاتی ڈھلان سے اتر رہا تھا۔

"تم ترکی سے اے ہو یا صوبہء سرحد سے؟"نشاء کو اس کا پشاور اور ارد گرد کی معلومات حیران کرتے تھیں۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔"بس پچھلی دافع ادھر آیا تھا تو خاصے دن یہاں گزارے تھے۔اس لیے آئیڈیا ہوگیا ہے۔"

"پچھلی دافع کب اے تھے؟"

"دو۔سال پہلے " وہ لوگ ڈھالان اتر کر نیچے سڑک پر آچکے تھے۔سڑک اچھی خاصی کھلی تھی
مگر پھلوں کی ریڑھیون اور خوانچہ فروشوں کی باہمی تعاون سے اب بہت تانگ ہو چکی تھی۔اس جگہ ہوٹلز تھے یا پی سی او۔

"دو سال پہلے کیا سیرو سیاحت کے لیے اے تھے"؟

ریڑیوں سے دونوں طرف سے گھری سڑک پر راستہ بنا کر چلنا بہت مشکل تھا،پھر بھی وہ بہت دھیان سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

"ہاں سیرو سیاحت کے لیے اور۔۔۔"بولتے بولتے وہ یک دم خاموش ہوگیا۔

"اور۔۔بس کچھ کم تھا۔"وہ صاف ٹال گیا تھا۔نشاء اخلاقیات سے اتنے تو اگاہ تھی کے اگر وہ ٹال رہا تھا تو وہ اس کام کی تفصیل نہ پوچھتی۔

افق نے ٹیکسی روکی۔ٹیکسی والا انگریزی سے نابلد تھا۔سو کریہ کا معملا نشاء نے ہی طے کیا۔

کئینٹ کی خوبصورت دکانوں کے باہر آہستگی سے چلتے ہوئے وہ چاروں خاصی دیر تک شوپنگ کرتے رہے۔پھر ارسہ ان کو چھوڑ کر سعید بک بینک کی طرف چلی گئی۔وہ تینوں ایک جیولری شاپ میں داخل ہوگئے۔

یہ اتفاق ہی تھا کے جب نشاء مختلف ایرینگز دیکھ رہی تھی تو اپنی ڈھیلی پونی کو کستے ہوئے پریشے کے بالوں کا جکڑا ربر بینڈ ٹوٹ گیا۔اس کے بال کسی ابشار کی طرح کمر پر گر گے۔

"نشی تمھارے پاس کوئی کیچر ہے۔اپنے لمبے لیزر میں کٹے بالوں کو سمبھالتی وہ پریشانی سے نشاء سے بولی۔

"اپنا خر دیتے تمہے موت پڑتی ہے۔؟"وہ بہت مصروف تھی،سو کھٹ سے بولی۔

"دافع ہو جاؤ " وہ بڑ بڑاتے ہوئے سامنے شوکس پر پڑی باسکٹ میں رکھے کیچرز اور پونیاں دیکھنے لگی۔

"یہ کیسا ہے۔؟

اس نے چونک کر سر اٹھیا۔افق ہاتھ۔میں ایک کیچر لیے اسے دیکھا رہا تھا۔

اس نے نظریں جھکا کر کیچر کو دیکھا۔وہ سلور کلر کا تھا،اس کے ایک طرف گول بڑا سا فیروزی رنگ کا پتھر جب کے دوسری طرف سبز اور نیلا دورنگا پتھر جڑا تھا۔

"اچھا ہے " اس نے خوبصورت کیچر لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔اق نے وہ اس کی ہاتھ پر رکھنا چاہا،پکڑتے پکڑتے وہ زمین پر گرپڑا۔وہ گھبرا کر جھکی اور کیچر اٹھا لیا۔اس کے دو رنگے پھول کے درمیان ضرب لگنے سے ایک ہلکی سے سیدھی لکیر پڑ گئی تھی۔

"ٹوٹ تو نہیں گیا"؟وہ پوچھ رہا تھا،اس نے نفی میں گردن کو جنبش دی پھر اسے نظر انداز کر کے سیلز مین سے قیمت پوچھی۔

"دو سو پچاس روپے"

افق نے پیسے دکان دار کی طرف بڑھاے۔

"سوری،یہ میں خود خریدوں گی " اس۔نے دبی آواز میں اسے ٹوکا۔

"میں اس لالچ میں تمہیں یہ گفت کر رہا ہوں۔کے کل تم بھی مجھے کوئی چیز گفت کرو گی۔"

"میں گفٹس نہ لیتی ہوں نہ دیتی ہوں۔ " اس نے پرس سے پیسے نکالے۔

"مگر میں دیتا بھی ہوں اور لینا بھی پسند کرتا ہوں"۔وہ بضد تھا اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس نے پیسے سیلز مین کو تھمائے۔

خاکی لفافے میں پیک کیا گیا کیچر نکل کر بالوں میں لگیا اور نشاء کی طرف آگئی۔

ارسہ کے انے اور نشاء کی شاپنگ مکمل ہو جانے کے بعد وہ لوگ باہر نکل اے۔

باہر اندھیرا پھیل رہا تھا۔شاپس کے اندر اور باہر روشنیاں جاگمگانے لگی تھیں۔سٹریٹ لائٹس اور سائن بورڈ۔روشن تھے۔

"رات کے کھانے کے لیے تم لوگوں کو پشاور کے بہترین ریسٹورنٹ لے چلوں؟"وہ ان کے دایں طرف،جیب میں ہاتھ ڈالے سامنے دیکھتے ہوئے چل رہا تھا۔وہ اسکے جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"پی سی؟"ارسہ نے جھٹ سے پوچھا۔

"نہیں میں بدمزہ،باسی اور پھیکھے کھانوں سے لطف اندوز نہیں ہوتا۔میں تمہے ایک بہترین ریسٹورنٹ لے۔کر جا رہا ہوں"

شہر کی تنگ و ترک گلیوں سے ٹیکسی میں گزرتے ہوئے انھیں وہ ایک اسی تنگ گلی میں لے آیا،جہاں بے تہاشا تیسرے درجے کے ریسٹورنٹ بنے ہوئے تھے۔فضا میں ہر طرف مزے کی خوشبو پھلی تھی۔

وہ انہیں نمک منڈی لے آیا تھا۔پریشے کو حیرت ہوئی،وہ اسکے ملک کو اس سے زیادہ جانتا تھا۔

نمک منڈی نمک والی کڑھائی کھا کر جب وہ لوگ وہاں سے نکلے،تو نشاء نے بے اختیار پوچھ لیا۔

"تم اگر ان جگہوں پر اتنی دافع گھوم چکے ہو تو اب پھر کیوں ادھر اے ہو؟"

"یہی تو میں کہہ رہی تھی۔اچھے بھلے ہم جولائی میں ہی راکاپوشی کلایمب شروع کر دیتے

خامخواہ ادھر انے کی کیا ضرورت تھی۔پتا نہیں افق بھائ کو اچانک ان علاقوں کا وزٹ کرنے کا خیال کیوں اگیا اور مجھے بھی گھسیٹ لائے۔"ارسہ بے اختیار بول اٹھی۔افق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اپنے ہوٹل کے کمرے میں واپس اکر نشاء پھر رطب الانسان تھی۔

"میں نے اتنا سوفٹ،نیس اور اچھا انسان زندگی میں پہلی دافع دیکھا ہے۔

"اور۔نہیں تو کیا۔جتنی معلومات ان علاقوں کے متلعق انہیں ہیں،میرا خیال ہے وہ ایک بہت کامیاب سفر نامہ نگار بن سکتے ہیں"

"رہنے دو ارسہ" وہ جو ٹی وی ٹرالی کے قریب کھڑی بوتل منہ سے لگائے پانی پی رہی تھی،

قدرے چڑ کر بوتل منہ سے ہٹا کر بولی،"یہ مگربی دنیا کے لوگ ہمارے ملک مے آکر معلومات اس لیے اکھٹھی نہیں کرتے کے علمی دنیا کو ہمارا سوفٹ امیج دیکھایں،بلکے اگر تم ان گوروں کے سفر نامے اٹھا کر پڑھو تو تمہیں علم ہو۔کے یہ لوگ ہمارے بارے میں کیا کیا زہر اگلتے ہیں۔ہمیں جاہل پسمندہ اور گیر ترقی یافتہ کہتے ہیں۔تمہارے یہ افق ارسلان بھی ترکی جا کر یہی کام کرگے۔سفر نامہ لکھ کر عالمی برادری کو یہ بتایں گے کے ہمارا ملک کتنا قدامت پسند،غریب اور سہولیات سے نا بلد ہے،یہاں کتنی گندگی اور بدنظمی ہے۔یہ سارے ایک جیسے ہوتے ہیں،پرو پیگنڈا کرنے والے"۔

بوتل رکھ کر وہ پلٹی تو ساکت رہ گئی۔افق لب بھینچھ دروازے کے بیچ کھڑا تھا۔وہ یقیننا ٹیکسی کا کرایا ادا کرکے انھیں شب بخیر کہنے آیا تھا۔اور چوں کے وہ ارسہ کے لیے انگلش میں بات کر رہی تھی تو نہ سن لینے کا۔تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

وہ یک دم تیز تیز قدم اٹھاتا راہداری سے واپس پلٹ گیا۔

نشاء اور ارسہ نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔اس کی ناراضگی وہ محسوس کر چکی تھیں۔

احساس تو اسے بھی تھا۔اندر سے وہ بہت پیشمان اور بچیں بھی تھی مگر خاموشی سے لیٹ گئی

۔۔

"تمہارے پیسے " ! نشاء نے اس کے سائیڈ ٹیبل پر 250 روپے رکھے تو اس نے تکیہ چہرے سے ہٹایا۔

"کون سے پیسے "؟وہ اس جیولری والے نے واپس کے تھے۔کہہ رہا تھا تم نے اسے دیے ہیں۔

تم اس وقت ارسہ سے بات کر رہی تھیں،میں دینا بھول گئی۔

اس کے انداز میں ہلکی سی خفگی تھی۔

وہ۔کچھ۔دیر تو بول ہی نہ سکی۔کیچر جو اس نے بہت استھقاق سے لگا رکھا تھا،اس کی قیمت ادا اس شخص نے کی تھی جس کی وہ چند منٹ پہلے بے عزتی کر چکی تھی۔اس کا دل چاہا کے وہ دہائی سو روپے اسی وقت اس کے منہ پر مر بھی آتی مگر اس نے احمر صاحب کے ساتہ کمرا شیر کیا تھا۔اور پھر جو کچھ وہ کر چکی تھی سو اب مجبوری تھی۔وہ خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئی۔پیسے اس نے پرس میں رکھ لیے،جتنا وہ اس سے دور بھاگنے کی کوشش کرتی،وہ اتنا اس کے راستے میں آ جاتا تھا۔

#چوتھی_چوٹی

پیر، 25 جولائی 2005ء

پوری رات بے چین و مضطرب رہنے کے باعث وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی، صبح خاصی دیر سے آنکھ کھلی۔ دن چڑھ چکا تھا، اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود سورج کی شعاعیں جو کھڑکیوں کے پیچھے سے جھانک رہی۔ تھیں، تپش پیدا کر رہی تھیں۔ اس نے کسل مندی سے کروٹ بدلہ نشاء اور ارسہ کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔

"مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو تم لوگ؟"" بگیر کسی "صبح بخیر" کے اس نے لیٹے لیٹے ہی دونوں کو مخاطب کیا۔

"صبح سے ایک سو دس آوازیں دے چکی ہوں کے اٹھ جاؤ، مگر تم پتا نہیں کون سے اصطراب میں سو رہی تھیں۔ ابھی ارسہ

تم پر پانی چھینکنے لگی تھی۔ "وہاں سے بھی جواب تر سے آیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

شہلا افتخار کو شاپنگ کے لیے جاناں تھا، ان کی بہن کی شادی عید کے بعد تھی تو وہ اس کو گفت کرنے کے لیے کوئی کراکری یا الیکٹرانک کا سامان خریدنا چاہتی تھی۔ نشاء کو بتایا تو اس نے فورن ساتھ چلنے کی ہامی بھر لی۔

جب وہ سب باہر نکلے تو پریشے کی متلاشی ناگہاں افق کی تلاشی میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھی کے اسے بے اختیار اسے اپنی رات والی حرکت یاد آئی تھی۔

"شرمندگی ورمندگی نہیں ہے مجھے، بلکے ابھی تو مجھے وہ کیچر بھی اس کے منہ پر مارنا ہے پر ملے تو نا"! وہ شاید خود کو تسلی دے رہی تھی۔

"سنو ارسہ! کون کون جا رہا ہے حیات آباد؟" بہت لاپروہی سے ٹیکسی کی طرف جاتے ہوئے اس نے ارسہ کو مخاطب کیا۔

"ہم سب"

اب اس "ہم سب" میں وہ شامل تھا یا نہیں۔ وہ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ ارسہ اور نشا کے ارادے بتانے والے نہیں تھے۔ سو وہ خاموش ہی رہی۔ گرمی زوروں کی تھی اوپر سے شیلا اور نشا کی دکان داروں سے بحث سن کر ہی وہ اکتا گئی۔ شہلا کو ایک ڈنر سیٹ پسند آیا مگر وہ آٹھ ہزار کا تھا۔

"کچھ رایت کرو بھائی!، میں کوئی پہلی دافع آ رہی ہوں تمہاری دکان پر؟"

ابھی راستے میں ہی تو افتخار صاحب نے بتایا تھا کے وہ اور شہلا حیات آباد دوسری دافع اے تھے۔

"باجی! ام سے قسم لے لو یہ ڈنر سیٹ آپکو پوری مارکیٹ میں اس سے کم کوئی بھی نہیں لیا خالص جاپان کا مال ہے اور باکی لوگ مارکیٹ میں چے نا (چائنا) کا مال رکھتا ہے۔ وہ اٹھارہ انیس سالہ گورا چٹا لڑکا تھا، چہرے پر چھوٹی داڑھی تھی۔

سہلا نے ڈنر سیٹ چھے ہزار مے خریدا۔ دوسری دکان پر وہی ڈنر سیٹ تین ہزار میں مل رہا تھا۔

مگر پریشے کو یقین تھا کے وہ ڈنر سیٹ چار پانچ سو سے زیادہ نہیں ہو گا۔ آخر چائنا اور افگانستان سے انے والا اسمگل شدہ مال تھا۔

وہ حیات آباد کے پٹھانوں اور سکھ دکانداروں سے خاصی بور ہوئی تھی۔ شام کو جب وہ واپس آئی تب تک افق کا کوئی اتا پتا نہ تھا۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ ارسہ اور نشاء اس کے بارے میں منہ سے کچھ پھوٹیں گی مگر وہ تو شاید اسے بھول بھی چکی تھیں۔

بی حد تھکاوٹ کے باوجود بھی پری سو نہ سکی۔ اگر وہ ناراض تھا تو وہ اسے منانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ مگر وہ ایک دافع نظر تو اے۔ کدھر چلا گیا تھا؟ شاید واپس؟ یہ خیال ہی بہت تکلیف دہ تھا۔ اگر وہ واپس چلا گیا تو وہ ادھر کیا کر رہی تھی؟ اسکو بھی واپس چلے جانا چاہیے۔

"تو کیا وہ صرف افق کے لیے یہاں تک آئی تھی؟" اس خیال نے اسے بچیں کر دیا تھا۔

"نہیں میں تو ندا آپا سے۔۔۔" اسکی دلیل بہت کمزور تھی۔

رات کو نشاء اور ارسہ اسے پشاور کے مشور "جلیل کے چپل کباب" کھلانے لے گئیں۔ افق کا کوئی پتا نہ تھا۔ اس پر ایک بے نام سی اداسی طاری تھی وہ جو ایک دن بعد ہی بیچ راستے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا، وہ اس کا خوابوں کا شہزادہ کیسے ہو سکتا تھا؟

جلیل کے اوپن ایئر ریسٹورنٹ میں سبز گھاس پر رکھی کرسی پر بیٹھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ لان کی طرز کے سبز گھاس سے ڈھکے قطعہ اراضی کے چاروں طرف سفید باڑ لگی تھی۔ رات کا وقت تھا،

روشنی کے لیے باہر ایک دو ٹیوب لائٹس لگی تھیں اور یہ مدھم مدھم سی روشنی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"تمہیں کچھ اور لینا ہے تو بتا دو!" نشاء نے اسکی راہ ہے مانگی اسنے چونک کر نشاء اور وردی ویٹر کو دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ تو ٹھیک سے سن بھی نہ پائی تھی کے ارسہ اور نشاء نے کیا آرڈر کیا تھا، سجی اور شاید چپل کباب۔۔۔ اس کا دماغ تو سیف اور افق کے درمیان پھنسا تھا۔

"معاف کرنا لڑکیوں! میں ہرگز دیر سے نہیں آنا چاہتا تھا، مگر مجھے راستے میں ایک دلچسپ آدمی جو کسی زمانے کا پورٹر تھا۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے وقت۔ گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا" بہت معذرت"۔

نہایت عجلت میں ہمیشہ کی طرح بشاش لہجے میں کہتے ہوئے اس دراز قد اور ستواں ناک والے ترک سیاہ نے ارسہ کے ساتھ والی کرسی سنبھالی۔ ایک لمحے کو تو پریشے کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ شانت ہوگئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا کوئی گمشدہ حصہ واپس مل گیا ہو۔

وہ آگیا تھا، وہ اسے چھوڑ کر نہیں گیا تھا، یہ احساس ہی اسے سکوں دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ اتنے پر سکوں ہو گئی تھی کے اسے خود پر حیرت ہوئی۔

"اچھا۔۔۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟" ارسہ نے بہت دلچسپی سے پوچھا۔ وہ اسے بیٹھے تھے کے پریشے کے بائیں طرف نشاء اور سامنے افق تھا اور نشاء کے سامنے ارسہ بیٹھی تھی۔

افق مسکراتے ہوئے اسے وہ باتیں بتانے لگا، جو اسے اس پورٹر سے معلوم ہوئی تھیں ایک دافع بھی اسنے نظر اٹھا کر پریشے کو نہیں دیکھا تھا۔

"اور نشاء تمہارا دن کیسا گزرا۔ "کارخانہ بازار" میں دماگ تو خالی ہو گیا ہو گا اب تک اسنے رخ سیدھا کر کے نشاء کو مخاطب کیا۔ پریشے کو وہ مکمل طور پر نظر انداز کر رہا تھا۔

"بہت تھکا دینے والا ایک آدمی پندرہ ہزار کا قالین بیچ رہا تھا، میں نے جان چھڑانے کے لیے پندرہ سو میں دے دو اور کیا تم یقین کرو گے، وہ بولا کے ہاں لے لو! میرے خدایا۔"

افق لبوں پر ہلکی مسکراہٹ لیے بہت دھیان سے سن رہا تھا۔ خود کو یوں نظر انداز ہوتا دیکھ وہ اپنے ناخونوں سے کھیلنے لگے، اس کے انداز میں اضطراب تھا۔

وہ بات کرتا تھا وہ رکھائی برتتی تھی۔ اب وہ دور ہو رہا تھا تو وہ بہت بے چین تھی۔ اگرچہ بظاہر بے نیاز تھی۔

ویٹر ہاتھ میں پکڑی بڑی سی ٹرے لیے انکی میز پر پہنچا تو اسنے چہرہ اونچا کیا۔ نظر سیدھی افق پر پڑی۔ وہ ویٹر کی طرف متوجہ تھا۔ گرے شرٹ کی استینیں کہنیوں تک فولڈ کر رکھی تھی۔ کیپ میں بھورے بال چھپ گے تھے۔

"میں نے تمہیں جلیل ریسٹورنٹ کا اس لیے کہا تھا کیوں کے ان کے چپلی کباب کے ساتھ ان کے نان زیادہ پسند ہیں۔" سفید بے حد سفید، آنسو کی شکل کے نان پلیٹ میں نکالتے وہ مسلسل بول رہا تھا۔ اس کی بات سے ظاہر ہوتا تھا کے یہ سارا پروگرام ان تینوں کا طے شدہ تھا وہی لاعلم تھی۔

پریشے کے قدموں کے قریب ایک سفید بلی چکراتی پھر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اسے اپنی بلی یاد آگئی، ساتھ ساتھ روشن اور سنی کا رویہ یاد آیا۔ اس نے تھوڑا سا کباب توڑ کر نیچے گھاس پر پھینکا، بلی نے جھٹ سے منہ میں ڈال لیا، وہ مسکرادی۔ اب وہ ایک نوالہ خود لیتی اور ایک بلی کو دیتی۔ وہ افق کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر رہی تھی،

"میں پچھلی دافع ادھر آئی تھی تو جلیل بھی آئی تھی مگر وہ یہ والا نہیں تھا۔" ارسہ کہہ رہی تھی۔

"یہاں ایک سے زیادہ جلیل ہیں۔ بہر حال یہ جلیل اور یجنل ہے۔" وہ واقعی ان کے ملک کو بہت زیادہ جانتا تھا۔

"ویسے افق بھائی! آپ کو دیکھ کر لگتا نہیں ہے کے آپ اتنا کھاتے ہے ایک کوہ پیما کے لیے یہ خاصی عجیب بات ہے۔"

"دیکھو، میرا زندگی کا فلسفہ یہ ہے کے دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ جو کھا کر مرتے ہیں اور دوسرے وہ بگیر کھائے مرتے ہیں۔ مارنا سب نے ہے، سو بہتر ہے کے کھا کر مرا جائے"

وہ سر جھکائے بلی کو کباب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کھلا رہی تھی۔

"ویسے آپ نے سارا دن کیا کیا؟ ہمارے بگیر بور تو ہوئے ہوں گے ناں؟"

"قطعاً نہیں۔ میں میوزیم اور دیگر ٹورسٹ اٹریکشنز دیکھ آیا ہوں اور میں نے خوب مزہ کیا، جو آزادی تنہائی میں ہوتی ہے، وہ یقین جانو دو لڑکیوں کے ساتھ ہرگز نہیں مل سکتی۔"

اس نے تین کے بجائے دو لڑکیاں کہا تھا، اس کے دل کو تکلیف ہوئی تھی۔

"آپ نے چاول وغیرہ لے لیے؟"

"ہاں"

"اور مچھلی بھی؟"

"اوہو ارسہ۔۔۔۔۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ پچھلے چودہ سال سے کوہ پیمای کر رہا ہوں۔" وہ بے اختیار ہنسا تھا۔ "میں نے فوڈ سپلائی بلکل درست رکھی ہے۔ انشاءاللہ ہم رکاپوشی کی چوٹی پر بھوک سے نہیں مریں گے۔"

ویٹر بل لے آیا تھا، افق نے بل خود ادا کیا۔ وہ ان کے ہمراہ ہوتا تو ریسٹورنٹ کا بل، ٹیکسی کا بل ٹپ وغیرہ خود دیتا تھا۔ نشاء نے بہت دافع ٹوکنے کی کوشش کی، مگر اس معاملے میں وہ خاصی آنا۔

والا تھا۔ اب بھی اسنے سو روپے ٹپ رکھی تو ویٹر حیران سا ہو گیا۔

"یہ کیا ہے سر"؟

"رکھ لو نیور مائنڈ!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بلی جس کا پیٹ آدھا چپل کباب کھا کر بھی نہیں بھرا تھا۔ پریشے کے قدموں کے ساتھ لوٹنے لگی۔ وہ البتہ اچھنبے سے ویٹر کی حیرانی کو دیکھ رہی تھی۔ یہ بعد میں علم ہوا تھا کے پشاور میں ٹپ یا بخشش کا کوئی رواج نے تھا۔

وہ پرس اٹھا کر دو قدم آگے بڑھی تو بلی نے بے اختیار میاؤں کی آواز نکالی اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا، افق میز کے پیچھے سے نکل کر آ رہا تھا۔ افق نے اسکی نا گہاوں کے تعاقب سے بلی کو دیکھا۔

"اوہ ہاو سویٹ!" جھک کر اس نے بایاں بازو بڑھایا اور بلی کو اٹھا لیا۔ اب وہ اس کی سر پر ہاتھ پھیرے پیار کر رہا تھا۔ ٹیوب لائٹ کی دور سے آتی مدھم روشنی اور چاند کی چاندنی اس کے چہرے کے نقوش کو بہت خوبصورت بنا رہی تھی۔

بلی نے اس کے پیار کا خاصا برا منایا۔ وہ ایک دم چھلانگ لگا کر پریشے کے قدموں میں آگئی۔ اس نے چونک کر قدموں میں لوٹتی بلی کو دیکھا پھر گردن اٹھا کر افق کو، وہ بلی پر ایک نگاہ ڈالتا سائیڈ سے نکل گیا تھا۔

اسے بے اختیار رونا سا آیا۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟ اتنے بے رخی کیوں کر رہا تھا۔؟

جھک کر اس نے بلی کی سفید، نرم کھال پر چمکارنے والے انداز میں ہاتھ پھیرا۔ اسی کھال کو ابھی افق نے چھوا تھا۔ اس کی لمس کے تمازت اسے محسوس ہوئی تھی، اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور تیزی سے بھاگتی ہوئی ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئی، جہاں وہ سب کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ افق البتہ ایک چھوٹے سے بچے کی جانب متوجہ تھا، جو بھیک مانگ رہا تھا، اس کا لباس ابتر اور پاؤں ننگے تھے۔

"یہ لو اور ان سے شوز خریدنا" افق نے پانچ سو کا نوٹ بچے کے طرف بڑھایا۔ بچے نے فورن جھپٹ لیا اور اور تیزی سے وہاں سے بھاگ گیا کے کہیں وہ واپس نا مانگ لے۔ افق بے چینی فکر مندی سے اسے بھاگتے دیکھتا رہا پھر اس نے بے اختیار سر جھٹکا۔

"کاش میں ان پہاڑوں میں بسنے والے بچوں کے لیے کچھ کر سکوں"

وہ خاموشی سے لب کاٹتی، سر جھکائے ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔

\-

منگل، 26 جولائی 2005ء

ہوٹل کی لابی میں استقبالیہ دسک کے سامنے دیوار کے ساتھ چند صوفے رکھے تھے۔ وہ ایک صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔

سرخیوں پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے وہ باقی لوگوں کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ظفر پہلے ہی باہر بس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ ابھی تک سب اوپر تھے۔

"انٹرنیشنل کال ریلیز ہے" انگریزی لب ولہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ اخبار پڑھتے پڑھتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس کی جانب کمرے کے استقلیہ ڈسک پر کہنی رکھے قدرے جھک کر استقالیہ کلارک سے کہہ رہا تھا۔ اس کی گردن کے پچھلے حصے میں اس سرخ مفلر دکھائی دے رہا تھا، بھورے بالوں پر پی کیپ بھی تھی۔ اس نے شاید ابھی تک پریشے کو نہیں دیکھا تھا۔

اسے بے اختیار اس کارات والا مگرور اور بے رخی بھرے انداز یاد آگیا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔

افق نے ڈسک کلارک کو ایک لمبا چوڑا نمبر بتایا، کلارک نے سلسلے ملنے پر ریسیور افق کو تھما دیا۔

"سلام والیکم آنے" اپنے مخصوص ترک لب ولہجے میں وہ اپنی زبان میں بہت پرجوش انداز میں بات کر رہا تھا۔ آخر میں اس نے "گلے گلے آنے" کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"ایک کال اور کرنی ہے" اس نے دوبارہ ایک اور لمبا چوڑا نمبر ملایا۔

"مرحبا، از دس توماز؟ آئی ایم ارسلان۔ کین آئی سپیک ٹو مسٹر جینیک یقین پلیز؟" وہ کسی "جینیک یقین" سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔

مطلوبہ شخص شاید لائن پر آگیا تھا، وہ یک دم بہت بے تکلف انداز میں بات کرنے لگا۔

انگریزی کے چند جملوں کے باعث وہ اتنا سمجھ چکی تھی۔ کے مخاطب سے اس خاصی بے تکلفی تھی اور وہ اس کو اپنے پشاور سے سوات جانے کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا۔ دوسری جانب سے کسی نے کچھ کہا تو وہ بے اختیار ہنس پڑا اور بولا "میں بچپن میں قصے کہانیوں میں جو بات پڑھی تھی، وہ آج سچ ہو گئی ہے۔ یقین کرو، قراقرم کے پہاڑوں پر واقعی پریاں اترتی ہیں"

پریشے کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا، اس کے ہاتھوں پر نمی در آئی تھی۔ اس نے گھبرا کر چہرہ بلکل جھکا کر اخبار آگے کر لیا۔ وہ یقیناً اس کی موجودگی سے بے خبر، اب اپنی مادری زبان میں الوداعی کلمات ادا کر رہا تھا۔ گلے گلے کہہ کر اس نے ریسیور رکھا، پیسے ادا کیے، بقیہ رقم بٹوے میں ڈالی اور بٹوہ جیب میں رکھتے ہوئے پلٹا ہی تھا کے اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکا۔ پریشے نے اپنا چہرہ جھکایا ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے کی اڑی اڑی رنگت نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بس ایک لمحے کو وہاں رکا اور پھر باہر نکل گیا۔

اس نے اخبار میز پر رکھ دیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا وہ جیسے اس کی بے رخی اور بے اعتنائی سمجھ رہی تھی، وہ سوائے ایک مصنوعی خول کے کچھ نہ تھا؟ وہ خود کو مسلسل تین دن سے

اس کے متعلق کیوں سوچے جا رہی تھی۔ وہ ایک منگنی شدہ لڑکی تھی، حالاں کے منگنی کوئی شرعی تعلق نہ تھا پھر بھی اسے لگتا تھا کے اسے سیف کے علاوہ کسی کے متعلق نہیں سوچنا چاہیں۔ وہ اسی لیے اسے خود سے دور رکھ رہی تھی، وہ دراصل خود سے لڑ رہی تھی۔ پچھلے تین دن سے اسے سکون چاہیے، وہ اسی لیے اسے خود سے دور رکھ رہی تھی، وہ در صل خود سے لڑ رہی تھی پچلے تین دن سے جاری اس اعصابی جنگ مین وہ تھکنے لگی تھی۔

وہ کب بس میں بیٹھی بس کب چلی، اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر انکھیں موند لیں۔

زندگی کی سچائیاں اور حقیقتیں کتنی تلخ ہوتی ہیں۔ وہ قفس میں قید اور اپنی مرضی سے سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ نومبر میں اس کی شادی سیف جیسے ناپسندیدہ سخص سے ہو جائے گی۔ وہ کس طرح اپنی زندگی گزارے گی اس سطحی انسان کے ساتھ؟ وہ اس کے لیے نہیں بنا تھا وہ اسکے لیے بنایا ہی نہیں گیا تھا۔

اس لمحے جب ٹور کمپنی کی بس صاف ستھری، کشادہ سڑک پر دوڑتی ہوئی پشاور کے حدود سے باہر نکل رہی تھی تو پریشے کے ذہن میں بس ایک ہی فقرہ کی بازگشت گونج رہی تھی۔

" قراقرم کے پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں "

وہ بند آنکھوں سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بہت سوگوار تھی۔

" قراقرم کے پہاڑوں پر پریاں اڑتی ہیں افق ارسلان، مگر وہ سیف الملوک تک محدود ہو جاتی ہیں۔ پردیسی کوہ پیمائوں کے لیے پریاں نہیں ہوتیں "۔

اسنے آنکھیں کھول کر دائیں جانب دیکھا۔ اس کے ساتھ نشاء بیٹھی تھی۔ نشاء کے دائیں جانب برابر والی قطار میں افق ترچھا ہو کر بیٹھا نشاء سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ خاصا خوشگوار موڈ میں تھا۔ پریشے کو جاگتے دیکھ کر اس نے ایک دوستانہ مسکراہٹ اس کی جانب اچھلی۔

"ہماری گفتگو سے تم ڈسٹرب تو نہیں ہو رہی۔" کل رات والی akr ،بے نیازی، بے اعتنائی،سب غایب تھا۔ وہ واقعی اس کو نہیں سمجھ پائی تھی۔

"نہیں" مختصر آ کہہ کر اس نے رخ کھڑکی کی طرف پھر لیا۔ شاید وہ بھی خود سے لڑتے لڑتے عاجز آ چکا تھا یا پھر شاید کل رات والا رویہ محض اس کو پرسوں رات والی تقریر کے جواب میں ناراضگی کا اظہار تھا۔ یا پھر شاید وہ سب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس کے متلق کوئی احساس ہی نہیں رکھتا تھا۔

اس کا ذہن منفی انداز میں سوچنے لگا تھا۔

"میں غلط سوچ رہی ہوں" وہ نشا اور ارسہ سے بات کرتا ہے، مجھسے نہیں پھر میں نے کیسے فرض کر لیا کے وہ میرے متلق کوئی خاصا جزبہ رکھتا ہے؟ وہ تو نگر نگر پھرنے والا ایک مسافر ہے جو دنیا کے سب سے حسین پہاڑ کو سر کرنے کا عزم لیے میرے دیس آیا ہے اور چند دن ان خوبصورت وادیوں، چشمو، اور پہاڑوں کے درمیان بتا کر اسے یہاں سے چلے جانا ہے۔ وہ جانے کے لیے ہی تی آیا ہے پھر میں اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہوں؟ مجھے اس کے ساتھ نارمل رویہ اختیار کرنا چاہیے"

وہ اس کا ہم سفر تھا، وہ کیوں خواہ مخواہ کی خود سے جنگ لڑ رہی تھی؟ افق کو تو واپس ترکی جا کر یہ بھی یاد نے رہے کے مارگلہ کے پہاڑوں پر جب بادل اترے ہوئے تھے۔ تو گھوڑا دوڑاتے ہوئے پیچ سڑک پر اسے کوئی لڑکی ملی تھی۔ سیاہ تو بہت کٹھور ہوتا ہے، خوبصورت مناظر پلکوں میں جذب کر کے اپنے دیس لوٹ جاتا ہے، پھر پلٹ کر نہیں اتا۔ تو وہ کیوں اپنے اندر کوئی جذبہ پالنے لگی تھی؟

اس کا دل قدرے ہلکا ہوا تھا۔ کوئی پریشانی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ اگر اس کے اندر کوئی جذبہ پنپ بھی رہا تھا تو اس نے قطرے جتنے جذبے کو سختی سے سیپ میں بند کر کر اپنے دل کے وسیع سمندر میں دفن کر دیا۔

"گاڑی کا انجن قدرے گرم ہو گیا ہے۔ میں نے سوچا اس میں پانی ڈال لوں، آپ تب تک آس پاس گھوم پھر لیں"

گاڑی اچانک روک کر ظفر نے وضاحت دی۔

وہ دوسرے مسافروں کے ہمراہ بس سے باہر نکلی تو اسے احساس ہوا کے بس کافی دیر سے مرگلہ کے پہاڑوں پر چڑھ چکی تھی۔ اس وقت بھی وہ درگئی کے سرخ ور بھورے خشک پہاڑوں بہت اونچے تھے۔ سڑک کشادہ تھی، دائیں جانب کھائی ور بائیں جانب پہاڑ تھے۔

ظفر بس کا تیل پانی چیک کرنے لگا افتخار صاحب ور سہلا قریب موجود کھوکھ کے طرف کولڈ ڈرنک کا کارنر تھا، وہاں چلے گے۔ احمر انکل تصویر کھینچنے لگے افق بھی تصویر بنا رہا تھا۔

وہاں سڑک خالی ہی تھی۔ چند منٹ بعد کوئی ٹرک یا کار گزر جاتی تھی۔ سبھا ساڑھے آٹھ بجے کا وقت تھا۔ موسم پشاور کی نسبت خوشگوار تھا۔

"سنو پریشے "وہ پہاڑ کے دہانے پر ایک سرخ پتھر پر اپنے قیمتی سوٹ کی پرواہ نا کرتے ہوئے خاموش بیٹھی تھی، جب افق نے اسے آواز دی۔ اس نے سر اٹھا کر افق کو دیکھا۔ وہ کیمرے گلے میں ڈال کر اسی کی طرف آ رہا تھا۔

وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ "سن رہی ہوں، تم بولو" خود سے اعصابی ترک کر کے ور مصنوعی خول اتار کے وہ خاصی ہلکی ہو گئی تھی۔

"تم شرط لگاؤ گی میرے ساتھ"؟ وہ کل سے مختلف اصلی والا افق لگ رہا تھا۔

" بلکل! کیوں کے مجھے پتا ہے میں جیت جاؤں گی" وہ پچھلے تین دن سے مختلف بلکل اصلی والی پریشے تھی۔

"اوہ! اتنی خود پسندی؟" وہ مسکرایا۔

"خود پسندی نہیں، خود اعتمادی کہو"

" فائن! تم پلیز ایک شرط لگاؤ گی؟" افق کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بچپن سے دوست رہے ہو۔

"ہاں اب بتا بھی دو"

"وہ اوپر جاہڑی دیکھ رہی ہو، وہ تقریباً یہاں سے چالیس فٹ اونچی ہے۔ تم میرے ساتھ ایک ریس لگاؤ، دیکھتے ہیں اوپر پہلے کون پہنچتا ہے"، افق نے ہاتھ سے اوپر جہاڑی کی طرف اشارہ کر کر کے کہا۔۔۔

"ایک مخلصانہ مشورہ دوں؟ اگر تم اسی وقت یہاں سے نیچے چھلانگ لگا دو یقین کرو بہت جلدی اوپر پہنچو گے۔"

"وری فنی! میں ارسہ اور نشاء کو بلاتا ہوں، وہ جج ہوں گی" وہ پلٹ کر ان دونوں کو بلانے چلا گیا۔

"جو جیتے گا اسے کیا ملے گا؟" ان تینوں کے واپس آنے پر پری نے پوچھا۔ نشاء کو اسکے رویہ کی تبدیلی پر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"مرسیڈیز بینز"

"نہیں تبت کا ریٹرن ٹکٹ" ارسہ فورن بولی۔

"پوری دنیا امریکا، انگلینڈ جانے کی خوائش کرتی ہے، لیکن تم کوہ پیما تبت سے اگے مت بڑھنا" نشاء ان لوگوں مے سے تھی، جن کو کوہ پیما کے متلعق علم کلف ہیں گر اور وار ٹکل لمٹ جیسی فلموں تک محدود تھا، البتہ تبت کو وہ تبت سنو کریم کے حوالے سے تھوڑا زیادہ جانتی تھی۔

"اچھا خاموش رہو تم دونوں_ میں بتاتا ہوں جو ہارے گا اسے جیتنے والے کا ڈیئر (dare) پورا کرنا ہو گا ٹھیک؟"

"ٹھیک تو میرا dare پورا کرنے کے لیے تیار رہنا" وہ عتماد سے مسکرای۔

"دیکھتے ہیں میڈم" اسکا انداز بھی بہت چیلنجنگ تھا۔

"اب شروع کرو، اس سے پہلے کے دوسری ٹرافک آئے اور لوگ تمہارے اس بچکانہ ایڈونچر کو دیکھیں"

پھر ان پہاڑوں پر پہلا ایڈونچر شروع ہوا۔

وہ خاصی پر عتماد تھی، مگر چار سال سے وہ پہاڑوں پر نہیں چڑھی تھی، نا تیجتاً وہ قدرے سست تھی اور ان خاردار کانٹوں اور جھاڑیوں کی پروانہ کرتے ہوئے بہت تیزی سے اپنے مطلوبہ ہدف تک پہنچ گیا تھا۔ وہ چند فٹ ہی پیچھے رہ گئی تھی۔

"میں جیت چکا ہوں" جھاڑی کو چھو کر وہ ناہموار ڈھالان میں سے راستہ بناتا اس کے قریب آیا۔ شکست کے احساس سے اس کے اندر کوہ پیما لڑکی خاصی بری طرح مجروح ہوئی تھی۔

"میں مشکل راستے سے آرہی تھی جب کے جس جگہ سے تم چڑھے تھے، وہ مقامی لوگوں کا بنایا گیا ہموار راستہ ہے اور اس سے چڑنا خاصا آسان ہے۔"

"میڈم، جب زندگی ایک آسان راستہ دے رہی ہو تو کٹھن راستوں سے سفر نہیں کیا کرتے ہماری منزل ایک ہی تھی تو راستہ بھی میرے والا ہی چنتی" !

پریشے نے شانے اچکا دیے "میں ہار مانتی ہوں۔ بہر حل تم شاعری اچھی کر لیتے ہو۔ وہ اپنے جوگرز نیچے والے پتھر پر رکھ کر اترنے لگی۔ اترائی چڑھائی کی نسبت زیادہ مشکل تھی۔

"شکریہ اور تمہیں میرا ڈیئر تو پورا کرنا پڑے گا وہ اس کے عقب میں اتر رہا تھا۔

"بہتر ہے کے وہ آپ سوات پہنچ کر ہی بتائیں، کیوں کے ظفر بلا رہا ہے"۔ ارسہ نے ان کو ظفر کی طرف اشارہ کرت ہوئے کہا۔

"سوات کتنی دور ہو گا یہاں سے"؟ اپنی قمیس کے دامن سے چپکا ایک کانٹا الگ کرتے ہوئے پریشے نے پوچھا۔

"دو گھنٹے" جواب افق کی جانب سے آیا تھا۔ وہ اف کر کے رہ گئی۔ وہ ہر جگہ کا جاغرافیہ جان چکا تھا۔

" کبھی میں ترکی آئی ناں تو تمہارے ملک کے چپے چپے کا نام نام حفظ کر کے تمہیں بھی امپریس کروگی"

بس کی طرف جاتے ہوئے وہ بولی۔ افق اس کے آگے تھا اس کا ہاتھ دروازے پر تھا، اس کے بات سن کر وہ ٹھٹک کر پلٹا۔

"کب آؤ گی ترکی؟" اس کے لہجے میں خوشی اور آنکھوں میں امید تھی۔ وہ ہنس پڑی۔

"میں مزاق کر رہی تھی"۔

" اچھا" وہ اسے راستہ دینے کو پیچھے ہوا، وہ دروازے کے ساتھ لگی راڈ پکڑ کر اندر چڑھ گئی اسی وقت وہ بہت مدھم آواز میں بولا۔

"سنو ہنستے ہوئے اچھی لگتی ہو۔ ہنستی رہا کرو"!

پریشے کے چہرے سے یک دم مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ وہ تیزی سے اپنی جگہ پر بیٹھی اور سختی سے لب بھینچے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ اس کے موڈ کی خرابی کو دیکھ نا سکا تھا۔

تقریبن ساڑھے دس کے قریب وہ لوگ ان پہاڑوں تک پہنچ چکے تھے، جن کے دامن میں وادی سوات کا خوبصورت دریا، دریائے سوات بہتا تھا۔

"یہ انسانی فطرت ہے کے پانی کے قریب جا کر وہ خود کو بہت ہشاش بشاش محسوس کرتا ہے۔

اکثر جب ہم دریا کے قریب ہوتے ہیں تو خود کو بہت تازہ دم محسوس کرتے ہن" آواز بہت اجنبی تھی۔ پریشے نے تعجب سے سر گھما کر پیچھے دیکھا کے یہ بات کس نے کہی ہے۔ اسے حیرت ہوئی کیوں کے یہ افتخار صاحب تھے۔

"یہ بولتے بھی ہیں؟ میں تو سمجھتی تھی گھونگے ہیں" نشاء نے بہت متعجب انداز میں اس کے کان کے قریب سر گوشی کی۔ اس کے لبوں سے ہنسی کا فووار چھوٹا تھا۔

سب نے۔۔۔ یہاں تک کے ڈرائیو کرتے ظفر نے بھی اسے کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ہنسی کنٹرول کرنے کی کوشش کے باوجود ہنستی چلی جا رہی تھی۔ افق اس کو یوں بچوں کی طرح ہنستے دیکھ کر مسکرایا۔

اس کی ہنسی تھم گئی، وہ سختی سے لب بھینچ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"نشاء! اپنی دوست سے کہو اس کی کھڑکی کے باہر خشک پہاڑ ہیں، دریا تو بائین طرف بہ رہا ہے۔ وہ کس کو دیکھ رہی ہے؟" وہ نشاء کے ساتھ والی نشست پر تھا، اس کی اور نشاء کی نشست کے بیچ درمیانی راستہ تھا۔ وہ ایک جو گر اگلی نشست پر اور دوسرا درمیانی راستے میں رکھے قدرے جھک کر آہستہ سے نشاء سے بولا،

"پری! تمہاری کھڑکی کے باہر خشک پہاڑ ہیں، دریا تو بائیں طرف بہ رہا ہے تم کس کو دیکھ رہی ہو؟"

"پہاڑوں کو"! اس نے چہرہ موڑے بگیر سنجید گی سے کہا۔

"لگتا ہے ڈاکٹر کا موڈ پھر سے خراب ھو گیا ہے۔ ویسے اس کو یہ دورے دن میں کتنی دافع پڑھتے ہن؟"

"جتنی دافع کوئی عامیانہ انداز میں میری تعریف کرے" کھٹ سے جواب آیا تھا۔

"اوہ!" وہ سمجھ گیا تھا۔

"میں تو بس دل رکھنے کو کہہ رہا تھا تاکے تم ہنستی رہو اور اتنی غصے والی کھڑی اکھڑی سے شکل ہر وقت نہ بنائے رکھو۔ تمہیں برا لگا؟"

"ہاں" وہ ابھی تک کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

افق نے بے مشکل مسکراہٹ لبوں تک روکی تھی۔

"بہت معذرت میں آیندہ اسے جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں کرو گا"

"تمہارے حق میں یہی ٹھیک رہے گا"۔

"بہتر! اب اس طرف دیکھ لو۔ دریا بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔"

اس نے گردن کو بائیں جانب جبرش دی، افق مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ اپنی دوسری جانب موڑ چکا تھا۔ اس نے افق کی کھڑکی کے کھلے شیشے کے پار نگاہ دوڑائی۔ اور پھر نگاہ ہٹانا بھول گئی۔

سبز سے ڈھکے سبز پہاڑوں کے درمیان، سڑک سے کوئی سو میٹر نیچے، بل کھاتا۔ اس کا پاٹ کسی ندی سے تھوڑا سا ہی زیادہ چوڑا تھا۔ پانی۔ بہت نیلا تھا۔ جس کے اوپر جھاگ پتھروں سے ٹکرانے کے باعث پیدا ہو رہے تھے۔ اس میں رکھے دیو قامت پتھروں سے ٹکراتے پانی کا شور بہت بلند تھا۔ سوات اور کلام میں یہ شور آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔

دریا کے دونوں طرف کے پہاڑ سر سبز تھے جن پر مقامی لوگوں نے فصلیں اگا رکھی تھی۔

پہاڑوں کی ڈھالان ہموار نہیں ہوتی، فصلیں بھوسیڑیوں کی شکل میں اگائی گئی تھیں۔ یوں بھی ہوتا تھا کے جیسے چوٹی تک جانے کے لیے بے شمار سبز زینے سے بنے تھے۔

کبل سے گزر کر جس وقت بس مینگورہ میں داخل ہوئی وہ اپنی اور افق کی گوفتگو بھلا چکی تھی دراصل وہ نیلا دریا اتنا خوبصورت تھا کے وہ اس پر سے نگاہ ہو نہ ہٹا پا رہی تھی۔

پھر بس شہر میں داخل ہوئی۔ سرینہ ہوٹل، سیدو شریف کی عمارت کے قریب سے ٹرن لے کر بس "مرغزار" کی جانب روانہ ہوگئی جہاں کے فائیو سٹار ہوٹل میں ان کی بکنگ تھی۔

"ظفر! وہ ہوٹل رائل پلس کہاں گیا"؟ افق کھڑکی سے باہر متلاشی نظروں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

"سر! وہ جو والی سوات کا محل تھا"؟

"ہاں وہی"۔

"وہ تو اب کوئی ٹیوشن اکادمی بن چکا ہے" ظفر کے انداز سے لگ رہا تھا کے اسے والیء سوات کا یہ اقدام پسند نہیں آیا۔

"ویسے سر! قسم سے وہ بہت خوبصورت ہوٹل تھا"

"ہاں وہ بہت خوبصورت تھا۔ میں دو سال پہلے ادھر آیا تھا تو ایک دن رہا تھا وہاں، ٹیوشن سینٹر بنا کر والیء سوات نے اچھا نہیں کیا"۔

پری نے چونک کر افسوس سے سر ہلاتے افق کو دیکھا۔

پرسوں جب نشاء نے اس سے برس قبل پاکستان آنے کے متعلق استفار کیا تھا تو وہ ٹال گیا تھا۔ وہ دو سال پہلے یہاں کیوں آیا؟ ایسا کون سا کام تھا جس کے متعلق وہ نہیں بتاتا تھا؟ اسے الجھن کے ساتھ ساتھ تجسس بھی ہوا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ الجھن کے عالم میں افق کو دیکھ رہی تھی تو اسنے مسکرا کر ٹوکا۔

"کچھ نہیں"۔ وہ سر جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

مرغزار جانے والا راستہ شہر سے دور ہٹ کر خاصا سنسان اور پر سکون سا تھا۔ دور دور تک ان کی بس کے علاوہ کوئی گاڑی نہیں تھی۔ ہر طرف اتنا سکوت اور ویرانہ سا تھا کے پریشے کو لگا ظفر راستہ بھول گیا ہے۔ وہ یقینن کسی انجان وادی میں بھٹک رہے ہیں، مگر ہر کلومیٹر بعد "وائٹ پلس اتنے کلومیٹر دور" کا بورڈ اس کے دل کو تسلی دیتا تھا۔

"ہوٹل منجمنٹ کے نقطہ نظر سے وائٹ پلس کی لوکیشن زبردست ہے۔ آبادی سے بہت دور اس مرغزار میں واحد یہ ہوٹل ہے کے جب ٹورسٹ کئی کلومیٹر سفر کر کے تھکا ہر ہوٹل تک پہنچتا ہے تو۔۔۔۔۔ ظفر ایک منٹ گاڑی روکو" وہ ہوٹل کی لوکیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے اچانک سیدھا ہو کر بولا۔

ظفر نے گاڑی روکی افق نے اپنا بند شیشہ نیچے کر لیا۔

باہر ایک سرخ رنگت اور سنہری بالوں والا بچہ کھڑا تھا۔ اس کا۔ لباس میلا تھا، پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا۔ اس۔ نے لمبے پتلے تنکوں پر انجیر اور اخروٹ لگا رکھے تھے۔ اخروٹ سبز اور کچے تھے۔

"اس سے کہو سو روپے کے دے دے" افق نے ایک سرخ نوٹ شیشے سے باہر بچے کی طرف بڑھایا۔ احمر صاحب نے ترجمانی کی۔

"یہ سب تو چالیس روپے کی ہے۔" بچہ بولا تھا۔ احمر صاحب نے افق کو بتایا۔

"تو پھر یہ ساری دے دو! "

"تم ساری لے لے گا تو اماں شام تک تمہارا سر بچے گا؟" بچہ سارے انجیر دینے پر راضی نے تھا۔

احمر صاحب ترجمانی کر رہے تھے۔

"اوہو، تو دے دو اور باقی پیسے تم رکھ لو"

"افق! وہ ایسے نہیں رکھے گا۔ تم اس سے صرف بیس روپے کی انجیر خرید سکتے ہو"

"اچھا" افق نے دس کے دو نوٹ باہر بچے کو دے دیے۔ اس نے دو ٹہنیاں اس کی طرف بڑھائیں۔

بس پھر سے چل پڑی تھی۔ پریشے جانتی تھی کے افق کو انجیر کھانے کا کوئی شوق نہ تھا، وہ صرف بچے کی مدد کرنا چاہتا تھا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ باقی لوگوں میں انجیر بانٹ رہا تھا۔

"تم خود بھی کھاؤنا" !

"میں پھل وغیرہ نہیں کھاتا" اس نے لاپروائی سے شانے جھٹکے۔

ظفر نے بس روک دی۔ بس سے بھر نکلتے ہوئے اس نے بالوں میں لگے کیچڑ کو جھٹکا۔ اسے احساس ہوا کے کیچر کا دو رنگا پتھر قدرے ڈھیلا ہو چکا تھا۔ بس ایک بار کیچر گرنے پر پھر وہ الگ ہو جاتا۔

اس نے وہ افق کو واپس کرنے کا سوچا تھا مگر جانے کیوں اس کا دل ہی نہیں چاہا تھا کے وہ واپس کرے۔ اب وہ اسے اپنے پاس رکھنا چاہتی تھی ہمیشہ کے لیے۔

وہاں ایک کھلا سا پارکنگ لاٹ بنا تھا، جس کے آخر میں خاصی چوڑی سیڑحیاں تھی۔

پارکنگ لاٹ کے بائیں جانب ڈھالان تھی۔ وہاں چند فٹ نشیب میں تین چار دکانیں تھیں۔ جہاں سواتی شالیں لٹکی دیکھائی دے رہی تھیں۔ دکانوں کی بائیں طرف پہاڑ ختم ہو جاتا تھا اور چشمہ بہ رہا تھا۔ بہتے پانی کی آواز اسے بہت پسند تھی۔

سیڑیوں کے اختتام پر دور تک پھیلا سبز لان تھا جس میں سنگ مرمر کے بینچ کرسی اور میز رکھی تھیں۔ لان کے اختتام پر سفید رنگ کا محل تھا، دودھ کی طرح سفید اور خوبصورت کے اس پر نگاہ نہ ٹھہرتی۔ لان کی دائیں طرف سیدھی پتھریلی روش تھی۔

"پری! یہ ہوٹل میں نہ دیکھ رکھا ہے۔ وہ ڈرامہ "موم کا چہرہ" یہیں تو شوٹ ہوا۔ تھا نشاءن آہستہ سے اسے بتایا۔

شحلا اور افتخار کو اس روش کی دائیں جانب بنے کمروں میں سے ایک مل گیا تھا باقی سب کو دوسری منزل پر کمرہ ملا تھا۔

"مجھے نہیں رہنا دوسری منزل پر نانگا پربت سر کرنا آسان ہے،

"دوسری منزل چڑھنا بہت مشکل" افق ن یہ سنتے ہی کی اسے دوسری منزل پر رہنا ہو گا، منہ بنایا تھا مگر کسی نے اس کی بت کو اہمیت نہ دی۔

وائٹ پلس کی وہ سفید عمارت دراصل اس کی پہلی منزل تھی۔ پتھریلی روش کے بائیں جانب جہاں چند کمرے اور دکانیں تھیں، ان کے اگے طویل سیڑحیان پہاڑ کے اوپر لے جاتی تھیں، جہاں دوسری منزل تھی۔ وائٹ پلس کی چاروں منزلیں اس طرح مختلف بلندیوں مگر ایک ہی پہاڑ پر اوپر تلے بنی تھیں۔

وہ سیڑیاں واقعی مشکل تھیں۔ یہ احساس اسے انہیں عبور کرتے ہوئے ہی ہو گیا تھا۔ نیچے بہتے جھرنے کا شور ابھی تک اس کی سماعت سے ٹکرا رہا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا کے وہ شام کو اس جھرنے تک ضرور جائے گی۔

"دور سے دیکھنے میں یہ طویل سیڑیاں جتنی خوبصورت لگتی ہیں۔ انھیں چڑھنے لگو تو اتنی ہی تھکاتی ہیں۔ اف اللہ! "سیڑیاں نیچے اترتے ہوئے اس نے بے اختیار جھنجھلا کر دائیں طرف نسب پنجرے پر ہاتھ مرا تو اندر بیٹھا خوبصورت مور سہم کر پیچھے ہوا۔

"سوری "اسے بے اختیار شرمندگی ہوئی۔ اس کے اگے سیڑیان اترتے افق نے سر گھما کر اسے دیکھا اور پھر ہولے سے مسکرایا۔ پھر مسکراہٹ چھپانے کو رخ اگے پھیر کر نیچے اترنے لگا۔ اس نے اس کی مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی، وہ بہت مسحور سی ہو کر اس خوبصورت مور کو دیکھ رہی تھی۔

ان سیڑیوں کے دائیں اور بائیں جانب بہت بڑے بڑے پنجرے بنے تھے جیسے چڑیا گھر میں ہوتے ہیں۔ ان پنجروں میں مختلف پرندے، مور اور بندر مقید تھے۔ اسے افسوس ہوا تھا کے اس نے اتنے خوبصورت مور کو ڈرا دیا تھا۔

"رک کیوں گئی ہو؟ چلو "!نشاء نے پلٹ کر اسے دیکھا، وہ سر جھٹک کر سیڑیاں اترنے لگی۔ وہ چاروں نیچے جھرنے پر جا رہے تھے۔

پتھریلی روش جہاں ختم ہوتی اور جہاں سے پارکنگ لاٹ میں جانے کے لیے چند بے حد چوڑے زینے بنے تھے، اس جگہ پر ناشپتی کا ایک درخت تھا، جس کے تنے کے ساتھ کرسی پر ایک بوڑھا سیکورٹی گارڈ بیٹھا تھا۔

"یہاں سے ناشپتی نہیں توڑ سکتے؟" اس نے بڑی حسرت سے درخت کو دیکھا۔

افق دھیرے سے مسکرایا، "وہاں جھرنے کے اوپر دائیں طرف کے پہاڑ پر چڑھتے ہوئے آگے جنگل ہے وہاں جنگلی ناشپتی کے بہت سارے درخت ہیں۔ وہاں سے توڑ لینا، اس درخت کو تو یہ آدمی تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگانے دے گا" اس کی آواز میں تھکاوٹ تھی۔

"تم ادھر ہی پیدا ہوئے تھے یا یہ انفارمیشن ہم پر اپنے علم کا رعب جھاڑنے کو دیتے ہو؟

"نہیں، دراصل میں جینیک، جنگلی ناشپتی بہت شوق سے کھاتا ہے۔ پچھلی دفعہ وہ میرے ساتھ آیا تھا تو وہاں چشمے کے اوپر ہم نے ناشپتی کے درخت دریافت کیے تھے"۔

"جینیک کون؟" ارسہ اور نشاء نے پارکنگ لاٹ احاطہ عبور کرتے ہوئے بہ یک ساتھ پوچھا تھا۔

"میرا دوست، جینیک یقین۔" (jenk yakin) اس کی آواز قدرے پژمردہ سی ہوگئی آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں، شاید سفر کے باعث تھک گیا تھا۔

جھرنے کا لکڑی کا پل عبور کر کے وہ دوسرے پہاڑ پر مقامی لوگوں کے بنائے گے کچے راستے پر اوپر چڑھنے لگے۔ راستہ بہت کچا تھا، پریشے کے جوگرز پر مٹی لگ رہی تھی، اس نے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ افق جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے برابر میں مگر چند قدم کا فاصلہ رکھے چل رہا تھا۔

"وہ رہے ناشپتی کے درخت"۔ افق کی آواز پر اس نے چلتے ہوئے سر اٹھا کر اوپر دیکھا وہاں درختوں کے جھنڈ تھے۔ اسے سامنے پڑا پتھر دکھائی نہیں دیا، اس کا پاؤں پتھر سے ہلکا سا ٹکر آیا اور وہ جھٹکا کھا کر لڑکھڑائی۔ افق نے تیزی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

وہ لڑھکنے نہیں لگی تھی، بلکے ہلکی سی لڑکھڑائی ہی تھی۔ مگر وہ سمجھا تھا کے وہ پہاڑ پر سے گر رہی ہے۔ اس لیے اس نے فوری رد عمل کے تحت اس کا ہاتھ پکڑ کر سہارا اور پھر فورن ہاتھ چھوڑ دیا۔ ارسہ اور نشاء ان سی کافی اگے جا چکی تھیں۔

وہ چلنے کے بجائے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ قدرے وضاحت دینے والے انداز میں بولا

"سوری، میں سمجھا تم گرنے لگی ہو"۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟" وہ اس کے سامنے کھڑی اسے گھور رہی تھی۔

"پری۔۔۔۔۔۔ میں"۔

اس نے افق کی بات سنے بگیر تیزی سی اس کی کلائی تھامی۔

" تمہیں بخار ہے، اتنا تیز بخار ہاتھ دیکھو، کتنا گرم ہو رہا ہے اور نبض دیکھو کیسے دوڑ رہی ہے اور تم بجائے ریسٹ کرنے کے ہائیکنگ کرنے نکلے ہوئے ہو، ہاں!" اسے اس لاپروہ انسان پر بہت غصہ آیا تھا۔

"تم سے اتنا بھی نہیں ہوا کے مجھے بتا ہی دو۔ میں ڈاکٹر ہوں، تمہیں دوائی تو دے ہی سکتی تھی، مگر تمہیں خود کو اذیت دے کر اپنے آپ کو بہادر کھلوانے کا شوق ہے۔ تم انتہائی فضول انسان ہو! فورن واپس چلو میرے ساتھ"

وہ جو پہلے بوکھلا گیا تھا، اب مسکراہٹ لبوں تلے دبائے، سر جھکائے کھڑا اس کی ڈانٹ سن رہا تھا۔

"معاف کرنا ڈاکٹر، میرا نہیں خیال کے میں اتنا بیمار ہوں کے بستر سے لگ کر بیٹھ جاؤں۔"

"یہ فاصلہ کرنے والے تم نہیں میں ہوں۔ سمجھے تم؟" وہ واپس جانے کو پلٹی تو وہ بھی سر جھکائے اس کی فکر مندی بھرے غصے سے محفوظ ہوتا اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی پہاڑ سے نیچے اتر رہی تھی۔

"ڈاکٹر میں واقعی اتنا زیادہ۔۔۔۔"

وہ جھٹکے سے پیچھے مڑی۔ وہ اس کے عقب میں محض ایک قدم کے فاصلے پر تھا، اس کے ایک دم مڑنے پر فورن پیچھے نہ ہوتا تو اس سے ٹکرا جاتا۔

"سنو تمہیں آخری مرتبہ بتا رہی ہوں۔ میرے سامنے اپنا منہ بند رکھو، مجھے بڑبڑاتے ہوئے مریض زہر لگتے ہیں"

افق نے تابعداری سے لبوں پر انگلی رکھ لی۔

"سوری ڈاکٹر، اب نہیں بولوں گا"

اس کے لہجے اور شہد رنگ آنکھوں سے شرارت جھلک رہی تھی۔

"ہاں، اب ٹھیک ہے، چلو!" وہ اس کے اگے چلنے لگی۔

"ویسے کتنی دیر تک نہیں بولنا؟"

"جب تک میں نہ کہوں اور اب خاموش رہو" وہ اسکے اگے چلتی ہوئی اوپر کمروں تک لے آئی۔ اسے پیراسیٹامول کی دو گولیاں دے کر سختی سے سو جانے کو کہا۔

"مگر میں سونا نہیں چاہتا" بیڈ پر بیٹھے افق نے احتجاج کیا۔

"خاموش، بلکل خاموش رہو، ڈاکٹر کے سامنے اپنی زبان بند رکھا کرو"۔

اس کو باقاعدہ ڈانٹ کر وہ اس کے کمرے سے آ گئی۔ دوسری منزل پر کمروں کی قطاریں تھیں۔ سامنے لان تھا جو مستطیل شکل کا تھا۔ لان کے دھانے پر جہاں کھائی تھی، جھاڑیوں اور چند درختوں کی معمولی باڑ سی بنی تھی۔

وہ اپنے بیگ سے ڈائری اور پین نکال لائی اور لان کے وسط میں بچھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ کر اپنے سفر کے متلعق لکھنے لگی۔ جب اسے یقین ہو گیا کے آس پاس اس کے سوا کوئی نہیں ہے تو جوگرز اتار کر پاؤں میز پر رکھ لیے اور ڈائری گھٹنوں پر۔ ڈائری لکھتے ہوئے وہ افق کے کمرے کی جانب نگاہ بھی دوڑا لیتی تھی۔ ایک بار جا کر دیکھ بھی آئی، وہ آنکھ پر بازو رکھے سو رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو کر واپس آئی تو ایک چھوٹا سا بندر میز پر بیٹھا اس کی ڈائری کو چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ ایک بندر نیچے گھاس پر انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اس کے قریب آتے دیکھ کر ایک بندر تو چھپاک سے غائب ہو گیا جب کے گھاس پر لیتا بندر احتراماً سیدھا ہو گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اپنا پین بندر کی طرف بڑھایا جسے اس نے اپنی ہاتھوں کی مدد سے پکڑ لیا، کچھ دیر وہ اس سے کھیلتا رہا، وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ پھر یک دم بندر نے اس کا پین زور سے اچھلا۔ وہ لان کے دھانے پر سے ہوتا ہوا۔ نیچے کھائی میں گر گیا۔ پریشے کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"دفع ہو جاؤ تم!" اس نے غصے سے پاؤں زور سے زمین پر مارا، بندر اچھلتا ہوا بھاگ گیا۔ پری نے افسوس سے کھائی کی طرف دیکھا۔ اس کا پین اب واپس نہیں آ سکتا تھا۔

پھر وہ افق کے متلعق سوچنے لگی۔ اسے سیف کے متلعق سوچنا برا لگتا تھا، مگر افق کی باتوں کی شرارت بھری شہد رنگ آنکھوں اور اس کی لبوں میں چھپی مسکراہٹوں کو سوچنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

وہ شخص جسے چار دن پہلے تک وہ جانتی بھی نہیں تھی، اب بہت شناسا لگ رہا تھا بلکہ نہیں وہ شاید اس کو وہ پیا کو صدیوں سے جانتی تھی، روح سے وجود میں آنے سے بھی پہلے، پہلی سانس سے بھی پہلے سے۔۔۔۔۔۔

اسے لگا افق کسی کو پکار رہا ہے، وہ کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر آئی تھی۔ تب ہی آواز آ رہی تھی۔

وہ اتنی جلدی جاگ گیا؟

وہ جگا نہیں تھا، وہ شاید سو بھی نہیں رہا تھا۔ اس کا بازو اب اسکی آنکھوں پر نہیں تھا، اس کی پیشانی اور پورا چہرہ پسینے سے تر تھا۔

"افق"! پریشے نے اس کے نزدیک ہو کر بغور اسے دیکھا۔ اس کے لب ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ وہ شاید کچھ کہہ رہا تھا۔

"میرا اکسیجن کین کہاں ہے؟ میرا اکساجن کین کہاں ہے؟" بند آنکھوں اور نفی مے ہلتے سر کے ساتھ وہ مدھم آواز میں جیسے پکار رہا تھا۔

"افق، اٹھو۔۔۔" اس نے اس کا شانہ دھیرے سے ہلایا اس کی قمیض پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

"میرا اکسیجن کین۔۔۔ حنادے، میرا اکسیجن۔۔۔۔" اس نے درمیان میں ترک زبان کا کوئی لفظ بولا تھا، وہ جیسے سمجھ نہیں سکی تھی۔ اس نے زور سے اس کا کندھا ہلایا۔ افق نے فورن آنکھیں کھول دیں اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی اور خوف تھا۔ "مم، میرا اکسیجن کنٹیسز کہاں ہے؟"

"افق!" تمہارے پاس کوئی اکسیجن کین نہیں ہے، کیا تمہیں اکسیجن نہیں آرہی؟ سانس گھٹ رہا ہے کیا؟ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اس نے چونک کر پری کو دیکھا۔ "میں کہاں ہوں؟" پھر وہ اپنی ترک زبان میں کچھ بولا۔

"تم وائٹ پلس، مرغزار، سوات میں ہو، تم نے شاید کوئی برا خواب دیکھا ہے"

"خواب؟" وہ جھٹکے سے کمبل اتار کر بیڈ سے اتر آیا۔

"تم ٹھیک تو ہو"؟ اس نے دھیرے سے افق کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر چند قدم اگے بڑھ گیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم، تم جاؤ یہاں سے" وہ اس کے جانب کمر کیے دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر انجانا خوف اور اضطراب رقم تھا۔

وہ اس کے سامنے آگئی اور بغور اس کے چہرے کو دیکھا جس کی رنگت کسی مرجائے، پیلے گلاب کی طرح زرد ہو رہی تھے۔

"مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"تم جاؤ ادھر سے" وہ رخ موڑ کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بالوں میں پھسائے یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم ٹھیک نہیں ہو، تمہیں۔۔۔۔"

"جاؤ۔۔۔۔ خدا کے لیے جاؤ یہاں سے۔۔۔ جسٹ گیٹ اوٹ آف ہیر!" وہ ایک دم سے چلایا تھا، وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔ اگلے ہی لمحے وہ کمرے سے باہر نکال آئی۔

اسے حیرت ہوئی تھی، وہ بہت بہادر کوہ پیما تھا، وہ تو جسمانی تکالیف کو خاطر میں نہیں لاتا پھر ایک خواب سے اس طرح سے کیوں ڈر گیا تھا؟ اس کے چہرے پر اتنا انجانا خوف کیوں تھا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

پھر تمام شام وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ پریشے نے اسکورات کے کھانے پر اسکا انتظار کیا۔ تینوں وائٹ پلس کی پہلی منزل کی سفید عمارت کے برآمدے میں رکھے خوبصورت صوفوں پر بیٹھی کھانے کا انتظار کر رہی تھیں۔

جب وہ ان سے آن ملا۔

"میں ذرا لیٹ ہو گیا، معاف کرنا۔ میں اس بندر سے کھیلنے لگا تھا۔

"گھوڑوں کے علاوہ بندروں سے بھی آپکی اچھی خاصی انڈرسٹنڈنگ لگتی ہے۔ نشاء نے بے ساختہ کہا۔

" سمجھا کریں ناں۔۔۔! ڈراون کہتا تھا انسان پہلے بندر تھا۔ کیوں افق بھائی؟"

"انسان پہلے بندر تھا یا نہیں، البتہ ڈراون کے آباواجداد ضرور بندر تھے"

وہ ایک۔ دم وہی پرانا، ہنستا مسکراتا افق لگ رہا تھا۔ شام والے واقعے کا اس کے چہرے پر شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ سر جھٹک کر خاموشی سے کھانا کھانے لگی۔

#پانچویں_چوٹی

بدھ 27 جولائی 2005ء

وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آگئی۔ برآمدہ کافی طویل تھا اور ہر کمرے کے دروازے۔جی دونوں اطراف خوشنما پھولوں کے گملے رکھے تھے۔ برآمدے کے اگے سفید ستوں سے بنے تھے، وہ ایک ستون سے ٹیک لگائے سامنے کا منظر دیکھنے لگی۔

قدرتی گرین گھاس سے ڈھکے مستطیل لان کے دہانے پر لگی جھاڑیوں کی باڑ کے ارد گرد ہی چھوٹا بندر چکر اتا پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ادھ کھایا، چھوٹا سبز سیب تھا۔ وہ فجر کا۔ وقت تھا۔ ہر طرف گھیر انیلاہٹ بھرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں ماحول پر چھایا سکون چیر رہی تھی۔

رات خوب بارش ہوئی تھی، برآمدے کی مخروطی چھت سے پانی ٹپک رہا تھا۔

تب ہی اس کی نگاہ گیلی گھاس پر پڑی، جہاں ایک طرف سی کیاری میں جائے نماز بچھائے افق ارسلان نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے نیلی جینز کے پائنچے اوپر فولد کیے تھے۔ جسم پر جیکٹ اور مفلر نہ تھا البتہ اس نے پی کیپ الٹی کر کے سر ڈھانپ رکھا تھا۔

سینے پر ہاتھ باندھے، سر جھکائے کھڑا وہ بہت اچھا لگ رہا تھا وہ گھاس پر آگئی، جو گرز کے بجائے نرم چپل پہنے کے باعث گیلی گھاس اس کے پیروں کو گیلا کرنے لگی تھی وہ سیڑیاں اترنے لگی۔

سیڑھیوں۔ کے دائیں طرف پنجرے میں مقید مور جاگے ہوئے تھے۔ نیلے اور سبز رنگ مور اپنے بدصورت پاؤں کے ساتھ ناچ رہا تھا۔ سفید مورنی کونے میں بیٹھی ناچ دیکھ رہی تھی۔

وہ ستائش سے رک کر انھیں دیکھنے لگی۔ اس کی موجودگی کا احساس کر کے مور رک گیا تھا اسی لمحے اسے مور اور خود میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔ تھا وہ اتنا حسین مور اپنی خوبصورتی کے باعث تمام عمر کے لیے اس پینجرے میں مقید کر دیا گیا تھا، بلکل ایسے جیسے خود اس نی خوبصورتی اور دولت نے اسکے قدموں میں سیف کے نام کی زنجیر ڈالی تھی۔ کاش وہ اس وقت تھوڑی سی ہمت کر کے پاپا کو۔ منع کر دیتی۔

سیف کے متلعق سوچ کر ہی وہ اداس ہو گئی تھی۔ اس سمے اسے نیلے اندھیرے میں اس وقت مرغزاز بہت اداس لگا تھا اور جب وہ نیچے جھرنے کے پل تک آئی تو اسے سامنے والے درخت پر بیٹھی وہ چڑیا بھی بہت اداس گیت گاتی محسوس ہوئی تھی۔

وہ اس وقت پہاڑ پر بنے بل کھاتے کچے راستے پر چڑھ کر اوپر ناشپتی اور سیبوں کے درختوں تک پہنچ گئی تھی۔ ،جب اس نے اپنے عقب میں پکار سنی۔

اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ افق پل پر چلتا ہوا اس تک آرہا تھا اسکے پاؤں میں جوگرز اور گردن میں مفلر تھا، الٹی پی کیپ اب سیدھی ہو چکی تھی۔

وہ رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"تم ادھر کیا کر رہی ہو؟" وہ چند قدم نشیب میں تھا۔

"تمہارا انتظار۔ مجھے علم تھا تم میرے پیچھے جھرنے تک ضرور آؤ گے۔ وہ سوچ کر بولی۔ "میرا ناشپتی کھانے کو دل چاہ رہا تھا" وہ اب اس کے قریب آچکا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ اوپر چڑھنے لگے۔ گھیر انیلا اندھیرا قدرے ہلکا ہوا تھا۔

"تم میری وجہ سے کل نہیں کھا سکی تھیں نا؟" افق نے بغیر کسی شرمندگی کے کہہ کر اسے ایک نظر دیکھا۔ وہ سرخ اور گلابی امتزاج کے شلوار قمیص میں ملبوس تھی، دوپٹہ گردن کے گرد لپٹا تھا اور بال اونچی پونی ٹیل میں باندھے تھے۔ اس پر اونچی پونی بہت اچھی لگتی تھی۔

"ہاں" !

وہ چڑھتے چڑھتے اب پہاڑ کے اوپر پہنچ گے تھے، اب بہت چھوٹا اور وائٹ پلس بہت دور دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جگہ ناہموار تھی، بہت سے درخت اونچے نیچے ڈھالان پر اگے تھے۔ وہ ایک درخت پر چلی آئی۔

"کھاؤ گے؟" ایک ناشپتی توڑ کر اس نے دوپٹے سے خوب رگڑ کر صاف کی یہ اس کا یہ اس کا سیبوں اور ناشپتیوں کو صاف کرنے کا اپنا طریقہ تھا اور افق کی طرف بڑہائی.

اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا۔

"میں پھل نہیں کھاتا"

"کیوں؟" پری نے حیرت سے بڑھا ہوا ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"یونھی۔ اچھے نہیں لگتے" وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"کھایا کرو، ان میں فائبرز ہوتے ہیں، معدے کے لیے اچھے ہوتے ہیں" وہ ڈاکٹروں کے مخصوص انداز میں کہتی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ "اور سنو، تمہاری طبیت کسی ہے؟"

"خود دیکھ لو" افق نے اپنی کلائی اس کی جانب بڑھائی۔ سنجیدہ لہجے کے پیچھے شرارت تھی۔ اس نے بس ایک سیکنڈ کو نبض پکڑی، پھر چھوڑ دی۔

"ابھی تک بخار ہے، مگر کل کی نسبت ہلکا ہے۔" افق نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

دور نیلے آسمان پر نارنجی سورج طلوع ہونے کو بے تاب تھا مگر گھرے سیاہ بادل اسے راستہ نہیں دے رہے تھے۔

"تم نے آج مور کو ناچتے دیکھا تھا، پری؟" اس کی نگاہیں آسمان پر چھائے بادلوں پر تھی۔

وہ خاموش رہی۔

"میں جب بھی ادھر آتا ہوں، یہ مور مجھے پہچان کر اپنا ناچ ضرور دیکھاتے ہیں۔ جن کو سیاح صرف لطف اندوزی کا سامان سمجھتے ہیں، وہ ہمارے جانے کے بعد ہمیں کرتے ہیں ہمیں پکارتے ہیں۔ تمہیں نہیں لگتا پری کے وائٹ پلس کی سیڑیوں کے ساتھ نصب پنجرے میں بند مور ہمارے جانے کے بعد ہمیں یاد کرے گا۔ اس جھرنے کا تیز بہتا پانی، پانی میں رکھے پتھر اور اس کے قریب لگے درخت پر وہ اداس گیت گاتی چڑیا ہمیں یاد کرے گی؟ سیاح سمجھ نھیں پاتا ورنہ وہ قدموں کے نشان تو صدیوں ان پتھروں مرغزاروں اور ان کچے راستوں اور ثبت رہتے ہیں۔

"کل شام تمہیں کیا ہو گیا تھا، افق؟" وہ خاموش ہوا تو اس نے پوچھا۔ سوال اتنا غیر متقوا تھا کے افق نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کل شام؟"

"ہاں۔۔۔کل۔۔۔شام!" پری نے آہستہ سے اپنی آواز دھورائی۔۔

"تم نے اپنی ناشپتی نہیں کھائی"۔

"بات مت بدلو_"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "بارش ہونے والی ہے، چلو واپس چلتے ہیں" کھڑے ہو کر اس بے ہاتھوں سے پینٹ جھاڑی، ایک سرخ رنگ کا کیڑا اس کے گھٹنے سے نیچے پتھرالی زمین پر گرا۔

"تم جاؤ۔ میں بعد میں آجاؤ گی" پریشے نے خفگی سے منہ پھیر لیا۔

جھرنے کے بہتے پانی نے دیکھا تھا کے وہ دونوں اس پل ایک بر پھر اجنبی ہو گئے تھے۔

وہ کچھ کہے بنا وہاں سے چلا گیا وہ پھر ویسا ہو گیا تھا، جیسا کل شام تھا، جیسے جلیل کے ریسٹورنٹ میں تھا۔ اجنبی، ناشناسا۔

پھر کتنی ہی دائرہ وہ بغیر کھائی ناشپتی ہاتھ میں لیے وہاں بیٹھی بیٹے لمحوں کا شمار کرتی رہی تھی یہاں تک کے سیاہ بادل برسنے لگے۔ تب وہ اٹھی اور پہاڑ کی ڈھالاں سے اترنے لگی۔

وہ پری کو سیڑیوں پر موروں کے پنجرے کے قریب کھڑا تیز بارش میں بھیگتا ہوا دیکھا تھا۔ وہ بہت اداسی سے ترک زبان میں ان موروں کو کوئی گیت سنا رہا تھا، سبز اور نیلے پنھکھ فیلاے مور ناچ رہا تھا۔ افق کے سر پر پی کیپ نہیں تھی۔ بارش نے اسکا پورا جسم بھگو ڈالا تھا۔

اسے یوں بارش میں دیکھ کھڑا دیکھ کر اسے بہت غصہ آیا تھا۔

"کیوں کھڑے ہو تم ادھر؟ جاؤ اپنے کمرے میں۔ کتنی مرتبہ کہوں تم سے یہ بت؟ سمجھ میں نھیں آتی تمہیں؟ ابھی تمہارا ابھی نہیں اترا۔ جاؤں جا کر آرام کرو"

وہ غصے سے بلند آواز میں چلائی تھی۔ سر پر ٹرے رکھ کر بارش کے پانی سے بچتے اس ویٹر نے جو تیزی سے سیڑیاں پھلانگتے ہوئے اتر رہا تھا، حیرت سے گردن پھیر کر ایک لمحے کو اسے دیکھا ضرور تھا، جو خود بارش میں بھیگتی اسے ڈانٹ رہی تھی۔

"تمہیں کوئی حق حاصل نہیں مجھ پر حکم چلانے کا!" وہ بھی جواباً چلایا تھا۔ ایک لمحے کو وہ چھپ سی ہو گئی۔ واقعی کہاں حق رکھتی تھی وہ ایک اجنبی پر؟

"ٹھیک ہے پھر مرو اس بارش میں"۔

وہ تیزی سے سڑیاں پھلانگتی اوپر آ گئی۔ لان میں تین بندر اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ لان کو بھاگتے ہوئے عبور کرتے اس نے راستے میں پڑی منرل واٹر کی خالی بوتل اٹھا کر میز پر چڑھے بندر کو زور سے ماری، بندر سہم کر جھاڑیوں کے پیچھے گم ہو گیا۔

وہ بارش میں بھیگتی کمرے تک آئی تھی۔ ایک بارش سوات کے پہاڑوں پر ہو رہی تھی، ایک اس کی آنکھوں سے برس رہی تھی۔ وہ خود پر کمبل تان کر پوری دنیا سے چھپ کر رونے لگی۔ ارسہ اور نشاء پر سکون سو رہی تھیں۔

باہر موسلا دھار بارش میں چوڑی سیڑیوں کے درمیان موروں کے پینجرے کے ساتھ کھڑا افق ارسلان ابھی تک بھیگ رہا تھا۔

وہ تمام دن کمرے میں رہی تھی پھر جب دن ڈھل گیا اور افق پر سیاہی پھیلنے لگی تو وہ ٹی وی کے اگے سے ہٹی ، جس پر پی ٹی وی اور جیو کے سوائے کوئی چنیل نہیں آتا تھا۔ اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا، پھر نشاء اسے زبردستی اٹھا کر وائٹ پلس کے باہر بنی دکانوں تک لے آئی۔ اس کو سواتی شالوں اور قیمتی پتھروں کی شاپنگ کا کوئی شوق نہیں تھا، مگر محض نشاء کا ساتھ دینے کو وہ کافی دیر تک وہاں سر کھپاتی رہی۔

دونوں واپس آئیں تو وائٹ پلس کی سفید عمارت کے سامنے پھیلے وسیع و عریض لان کے وسط میں دائرے کی صورت میں احمر صاحب، شہلا، آفتخار، ارسہ اور افق بیٹھے تھے۔ افق کے پیچھے سنگ مرمر کی سفید بینچ تھی۔

جس سے ٹیک لگائے وہ ایسے بیٹھا تھا کے دائیں ٹانگ گھاس پر پھیلا رکھی تھی بایاں گھٹنا سیدھا کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے گھاس کے تنکے نوچ رہا تھا۔ اس کی پی کیپ اس کے سر پر تھی۔

احمر صاحب اور باقی افراد کسی بحث محو تھے۔ نشاء بھی شامل ہو گئی۔ صرف اور وہ اور افق خاموش تھے۔ وہاں وائٹ پلس کے بر آمدے سے انے والی روشنی اور چاند کی چاندنی کے کے الوہ دوسری کوئی لائٹ نہیں تھی جس کے باعثاس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی تھی۔ مگر وہ اسے صبح کی نسبت بہتر لگا تھا۔

"اتاترک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ھے، افق؟" احمر انکل بحث کو مشرف سے اتاترک تک لے گئے تھے، ان کے پکارنے پر اس کی گھاس نوچتی انگلیاں رکیں، اس نے چہرہ اونچا کیا تو چمکتی چاندنی نے اس کے چہرے کے خدوخال کو قدرے واضح کیا تھا۔ نقاہت اور بیماری واضح تھی۔

"اتاترک؟" اس نے دہرایا پھر شانے اچکا دیے۔

"وہ ترکوں کا۔ باپ تھا"

"باپ کبھی بچے کی غلط رہنمائی کرتا" احمر صاحب سے پہلے ہی پریشے تیزی سے بولی۔ وہ خفیف سا مسکرایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو میں اردگان کا حامی ہوں۔" اسنے اپنی پی کیپ کی جانب کچھ اشارہ کیا ض جیسے وہ سمجھ نہ سکی۔

"ویسے میں نے سنا ہے تمہارا ڈکٹیٹر اتاترک کو آئیڈیالائز کرتا ہے اور روانی سے ترک زبان بولتا ہے؟" قدرے توقف سے اس نے سوال کیا۔

"وہ اس لیے کے ہمارے ڈکٹیٹر کو اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے" نشا ڈکٹیٹر کے ذکر سے چڑ گئی۔

"نشا یہ ڈکٹیٹر پادشاہ (padshah) ہوتے ہیں۔ پادشاہوں سے بھی زیادہ اختیار ہوتے ہیں ان کے پاس۔ ویسے میں نے سنا ہے کہ تمہارا پادشاہ۔۔۔ یورپ اور امریکا سے انے والوں کی بہت قدر کرتا ہے۔ مجھے تو اسنے آج تک نہیں پوچھا۔ شاید اس لیے کے میں مسلمان ہوں؟"

"فکر مت کرو۔ تم رکاپوشی سر کر لو، تمہیں کوئی ایوارڈ دلوا ہی دیں گے!" نشا نے کہا۔

"کون سا ایوارڈ؟ نشان حیدر؟" وہ دلچسپی سے بولا۔۔۔

"نہیں نہیں۔ وہ تو شہید ہونے کے بعد ملتا ہے اور ملٹری عزاز ہے۔ خیر تم پہلے کوئی پاکستانی پہاڑ سر گو کرو قومی عزاز کے بارے میں بعد میں سوچیں گے"۔

وہ بدمزہ سا ہو کر پیچھے ہوا۔ "میں گیشر بروم ٹو، براڈ پیک اور نانگا پربت سر کر چکا ہوں۔ تمہارے صدر نے مجھے کبھی نہیں بلایا۔ اب تو میں نے امید لگانا بھی چھوڑ دی ہے" وہ بہت مصنوعی افسوس سے کہہ رہا تھا۔

"تم نے نانگا پربت سر کیا ھے؟ دی کلر ماؤنٹین؟" پریشے چونکی تھی۔

"ہاں"؛ وہ کیپ ٹھیک کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں چلتا ہوں، آپ لوگ باتیں کریں"۔

پری کی نگاہوں نے لان عبور کر کے سیریان چڑتے افق کا دور تک تعاقب کیا تھا، آج وہ موروں کے پنجرے کے پاس نہیں رو کا تھا۔

محفل جاری تھی جب وہ وہاں سے اٹھ کر اوپر آ گئی۔ وہ افق کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ مستطیل لان میں نہیں تھا، نہ ہی اپنے کمرے کے آگے بنے بر آمدے میں، وہ تو اپنے کمرے میں بھی نہیں تھا۔ لان میں اس رات بندر بھی نہیں تھے۔

وہ تیسری منزل پر آگئی۔ ایک نگاہ میں اس نے اطراف کا جائزہ لیا۔

چوکور احاطے کے دائیں طرف کونے میں اگے جا کر ایک بالکونی بنی تھی۔ اسے وہاں افق کی جھلک دیکھائی دی۔

وہ وہیں آگئی۔

وہ بالکونی پورانے وقتوں کے محلوں کی طرز پر بنی تھی۔ اس کی ریلنگ اونچی تھی جس پر کہنیاں ٹکائے وہ قدرے جھک کر نیچے جھرنے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے عقب میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی کیپ کا پچھلا حصہ اس کے سامنے تھا، اس پر سفید مرکر سے کسی نے ہاتھ سے لکھ رکھا تھا،

۔ Hail to tayyip erdogan اس نے یہ فقرہ پہلی بار نوٹ کیا تھا۔

افق اپنے گرد وپیش سے بے خبر دھیمی آواز میں کچھ گنگنا رہا تھا۔

"سون اکشام استورین۔۔۔۔ انجے بانا سوزویر۔۔۔"

یک دم کسی کی موجودگی کا احساس کر کے اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔

"تمہاری کیپ پر طیب کے بے غلط لکھے ہیں، طیب کے آخر میں "B" آتا ہے، تم نے "P" لکھا رکھا ہے۔ "اس کے خود کو سولیہ نظروں سے گھورنے پر جو اس کے منہ میں آیا وہ بول پڑی

"میں نے نہیں لکھا۔" چہرہ واپس جھرنے کی طرف موڑ کر وہ بے نیازی سے بولا، یہ جینیک کی کیپ ہے اس نے لکھا ہے۔ ترک زبان میں "B" کی جگہ "P" استعمال ہوتا ھے یہ اس نے انگریزی میں اس لیے لکھا ہے کے وہاں ترک میں لوگ انگریزی سے نابلد ہیں۔ اور وہاں کی ملٹری، اردگان کو پسند نہیں کرتی۔

"مگر تمہاری انگریزی تو بہت اچھی ہے" وہ اس کی طرح ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے کھڑی ہوگئی۔ فرق یہ تھا کے وہ سامنے دیکھ رہا تھا اور وہ اسے۔

"میں بچپن میں کافی عرصہ امریکا میں رہا ہوں، شاید اس کا اثر ہو"

"اچھا تم نے جینیک کی کیپ کیوں لے رکھی ہے"؟

"میں مصر جا رہا تھا تو انقرہ کے ایئرپورٹ پر یونہی مزاق میں، میں نے اس کے کیپ چھینی اور اس نے میری۔ بس پھر بعد میں واپس ہی نہیں کر سکا"۔ وہ رکا اور قدرے توقف سے بولا۔

"ہم دونوں انجنیر ہیں اور سائٹ پر جاتے ہوئے کیپ لیتے ہیں کہ دھوپ ہوتی ہے، تو بس عادت پڑ گئی ہے۔

"اور یہ مفلر؟" اس نے گردن میں موجود مفلر کی طرف اشارہ کیا۔ افق نے گردن جھکا اسے دیکھا۔

"یہ مفلر نہیں ہے۔ یہ ترکی کا جھنڈا ہے"

"اوہ!" وہ حیران ہوئی، میں تو اسے مفلر سمجھی تھی"۔

"میں اسے رکاپوشی پر لہرانے کو لایا ہوں۔" وہ پھر سے اندھیرے میں دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھنے سے دانستہ گریز ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

"تم ابھی کیا گا رہے تھے؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ ہمارا ایک لکھاری ہے احمت اومت، اس نے لکھی تھی۔ ایک نظم ہے۔۔۔۔۔۔ پھر وہ رخ پھیر کر ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

"کیا۔ مطلب ہے اس کا؟"

افق اس کا مطلب سمجھانے لگا۔

"مجھے سناؤنا۔ ویسے ہی جیسے تم ابھی گنگا رہے تھے۔" وہ ضد کر رہی تھی۔ چند لمحے خاموش رہا۔

پھر وہ بہت مدھم آواز میں گنگنانے لگا۔

"سون اکشام استودیں۔۔۔۔انجے باناسوزویر۔۔۔"

"زندگی کے سفر میں بکھرنے سے

ملن کی آخری شام کے ڈھالنے سے

اور ایک دوسرے کی سانسوں

دھڑکنوں کی آخری آواز سننے سے

کہ جس کے بعد تم میری دنیا سے دور چلے جاؤ گے

تمہیں مجھے سے

ایک وعدہ کرنا ہو گا

کہ جب بھی سورج طلوع

اور اناطولیا کی گلیوں میں روشنی

کے قطروں کی طرح گرے گی

اور ارارات کے جامنی پہاڑوں پر جمی برف پگھلے گی۔

اور پھر جب اس برف میں دبی داستان مر مرا کے

پانیوں میں بہ جائے گی۔

تب تمہیں مجھ سے ایک وعدہ نبھانا ہو گا

کے اس رات کے بعد اپنی زندگی میں انے والی

ہر صبح کی ٹھنڈی ہوا

اور ہر بارش کے بعد گیلی مٹی

اور جامنی پہاڑوں پر دودھ کی سی

جمی برف کو دیکھ کر

تم مجھے یاد کرنا

کے یہ میرا تم پر

اور تمہارا مجھ پر

قرض ہے

وہ اسی مدھم سر میں ریلنگ سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے گنگنا رہا تھا اور وہ اس کے لہجے میں اس کی آواز میں کھوئی ہوئی تھی۔

دفعتاً بادل گرجے تو افق چونک کر رک گیا اور گردن اٹھا کر سیاہ تاریک آسمان کو دیکھنے لگا۔

"چلو چلتے ہیں، بارش ہونے لگی ہے" وہ چل پڑا۔ پری اس سے پیچھے، اس کے جوتوں کے نشانات پر جو گھاس میں گم ہو رہے تھے، پاؤں رکھتی چلنے لگی۔

نیچے، اپنے کمرے کی چوکھٹ پر پہنچ کر، دروازہ بند کرنے سے پہلے افق نے ایک لمحے کو رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ آئی ایم سوری۔۔۔ آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ۔" صبح والے واقع کے متعلق دھیمے سے کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

جمرات، 28 جولائی 2005ء

سوات کے پہاڑوں پر ٹھنڈی، پرنم اور بادلوں سے ڈھکی صبح اتری ہوئی تھی۔ سورج ابھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا، کل کی طرح آج بھی بادلوں نے آسمان کو اپنی راجدھانی بنایا ہوا تھا۔ مگر آج ان کا رنگ ہلکا تھا۔

"خدا کرے آج بارش نہ ہو" اپنے کمرے سے باہر برآمدے میں آتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں بے اختیار دعا مانگی تھی۔ آج انھیں سوات سے کالم جانا تھا۔ کالام تھا تو ضلع سوات تحصیل ہی مگر پھر بھی لوگ مینگورہ اور سیدو شریف کو ہی سوات بولتے تھے۔

برآمدے سے باہر لان کے وسط میں جس جگہ کل وہ نماز پڑھ رہا تھا، آج بھی ادھر ہی بیٹھا تھا پر آج وہ نماز نہیں پڑھ رہا تھا۔ اس نے کیپ الٹی کر کے پہن رکھی تھی، پاؤں میں جرابیں تھیں اور جینز کے پائنچے اوپر تہ کیے ہوئے تھے اور آنکھیں بند کیے وہ بلکل گوتم بدھا کے انداز میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے یوگا کر رہا تھا۔

وہ دبے قدموں سے چلتی اس کے عاقب میں آئی جوتے ایک طرف اتارے اور اس کے پیچھے دائیں طرف اسی بدھا والے انداز میں التی پالتی کر کے بیٹھ گئی۔

افق نے آنکھیں کھولیں اور ہاتھوں کی پوزیشن بدلنے ہی لگا تھا کے کسی احساس کے تحت سر پیچھے کر کے دیکھا۔ پریشے کو اپنے پیچھے یوگا کے انداز میں بیٹھے دیکھ کر اسکی آنکھوں

میں خوشگوار حیرت در آئی۔

"صبح بخیر۔۔۔یوگا؟"اس نے یک لفظی استفسار کیا۔

"صبح بخیر۔۔۔۔ہاں، یوگا" !

وہ گھاس پر لیٹ گیا، بازو سر کے پیچھے کر کے پاؤں کیاری کی اینٹوں تک لمبے کیے اور فلور پوز کرتے ہوئے پوری قوت سے اینٹوں کو دھکیلا۔

"کب سے کر رہی ہو یوگا"؟

"دو منٹ پہلے سے" وہ اپنے جواب پر خود ہی ہنس پڑی۔

"واقعی؟" گھٹنے کو لیٹے لیٹے سینے تک لے جاتے ہوئے افق نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔۔ میں سولہ سال کی عمر سے یوگا کر رہی ہوں"

"تب ہی تم اپنی عمر سے کم دکھائی دیتی ہو" وہ اب بائیں گھٹنے کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے کر رہا تھا۔

"شکریہ۔۔۔۔میں کتنے سال کی دکھائی دیتی ہوں؟"

"سولہ سال کی" !

"میرا خیال ہے اب تم جھوٹ بول رہے ہو"

"جھوٹ نہیں، مبالغہ آرائی۔" وہ ہولے سے ہنسا "تم اکیس بائیس برس کی عمر کی لگتی ہو۔ اس سے زیادہ نہیں" وہ یوگا چھوڑ کر لان میں رکھی سفید کرسی پر جا بیٹھی۔

"کیا ناراض ہو گئیں؟" وہ ماؤنٹین پوز کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا تھا۔

"اونہوں" اس نے نفی میں گردن ہلائی،

"میں ہفتے میں تین دن یوگا کرتے ہوں، آج وہ دن نہیں ہیں"

وہ سر ہلا کر خاموشی سے یوگا کرتا رہا۔ کتنی ہی دیر خاموشی چھائی رہی۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں وقفے وقفے بعد سنائی دے رہی تھیں۔

"کتنے بجے جانا ہے کالام؟" وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی، سو یہی پوچھ لیا۔

"ظفر نے آٹھ بجے کہا تھا" اپنی مشق ختم کر کے اس نے گھاس پر رکھی کیپ، جو اس نے لیٹنے سے پہلے اتار دی تھی، اٹھا کر سر پر رکھی اور میز پر پڑی گھڑی اپنی بائیں کلائی میں پہننے لگا۔

"تم کتنی دفعہ ان علاقوں میں آچکے ہو؟"

"دومرتبہ پہلے آیا تھا، ایک بار تب جب گیسٹر بروم ٹو سر کرنے آیا تھا اور دوسری بار دو سال پہلے" وہ گھاس پر بیٹھا جوگرز پہن رہا تھا۔

"دو سال پہلے کیوں آئے تھے؟"

"یونہی" وہ سر جھکائے جوگرز کے تسمے بند کرتا رہا۔ پریشے جواب کے انتظار میں اس کے ہاتھوں پر نگاہیں مرکوز کیے رہی، بائیں کلائی میں پہنی گھڑی کو آج پہلی دفعہ اس نے غور سے دیکھا تھا۔ اس کے سیاہ چمکتے ڈائل کے درمیاں میں ہیروں کا چھوٹا سا اہرام بنا تھا۔

"اچھی ہے نا میری گھڑی؟ سکندریہ سے لی تھی۔ مصری اپنا ٹریڈ مارک ہر چیز میں بہت اچھے سے ڈالتے ہیں" وہ ہنس کر کہتا ہوا پینٹ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ہمارے وائٹ پلس میں آخری دو گھنٹے ہیں آؤ یہاں گھومتے پھرتے ہیں" وہ اسکے ہمراہ سیڑیون کی طرف چلی آئی۔

"تم نے وہ کمرہ دیکھا ہے پہلی منزل، جسے رائل سویٹ کہتے ہیں، وہ سیڑیوں سے اترتے ہوئے۔ اس کو اس تین سو سال قدیم وائٹ پلس کی تاریخ بتانے لگا اس نے بے اختیار جماہی روکی۔

"یہ ہوٹل پہلے والیء سوات کا محل تھا پھر۔۔۔" وہ سیڑیاں اترتے ہوئے اسے بہت کچھ بتا رہا تھا۔ وہ بور ہونے لگی تھی۔ اسے وائٹ پلس کی تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر محض جس کا دل رکھنے کو وہ سنتی رہی۔

موروں کا پنجرہ پیچھے چھوڑ کر وہ نیچے روش پر آئے تو وہ بڑا سا لان خاموشی میں ڈوبا تھا۔ لان کے اختتام پر ناشپتی کا درخت تھا، جس کے ساتھ کرسی ڈالے بوڑھا سیکیورٹی گارڈ بیٹھا تھا۔

"تم کیا ہر سال یونہی سیر و سیاحت کے لیے نکل جاتے ہو؟" وہ دونوں چلتے چلتے لان کی ایک طرف بنے نیلی ٹائلز والے فوارے کی منڈیر پر بیٹھ گے۔

"ہر سال؟ میں تو سال کے دس مہینے نگر نگر پھرتا ہوں۔ میں پیدائشی سیاہ ہوں۔ مجھے ہر جگہ ایکسپلور (دریافت) کرنے کا شوق ہے۔ اس کل گھوم پھر کر دیکھنے کا شوق ہے۔ سیاحت زندگی بدل ڈالتی ہے۔ آپ ایک دفعہ پہاڑوں پر نکل جائیں تو واپسی پر آپ ویسے نہیں ہوتے۔

آپ بدل جاتے ہیں پہاڑوں کا سفر انسان کو بدل ڈالتا ہے۔ اس کے بعد the life is never same" again .

میمزنے کہا ths، اگر عالمی لیڈرز چند دن کسی پہاڑ پر اکٹھے چڑتے گزار دیں، تو دنیا کے تمام معملات اور مسائل حل ہو سکتے ہیں اور اگر دو اچھے کو ہپیا بھی چند دن رکاپوشیپر ساتھ گزار دیں تو یقین کر وان کے بھی سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔" افق نر بڑی سنجیدگی اور معصومیت سے کہا تھا وہ مسکرادی۔

"ہو سکتا ہے مسائل بڑھ جائیں"

"کم آن۔ تم ایک کلائمبر ہو، تمہیں دنیا کا سب سے خوبصورت پہاڑ دیکھنا چاہیے "

"میں نے تصویر میں دیکھ رکھا ہے"" تمہیں اسے سر کرنا چاہیے!"

"وہ میں خیالوں اور خوابوں میں کئی دفعہ کر چکی ہوں "

"مگر تمہیں "میرے "ساتھ سر کرنا چاہیے۔ اس نے "میرے "پر زور دیا۔

"ناممکن ہے کیوں کے پاپا مجھے قراقرم کی شکل دوبارہ نہیں دیکھنے دیں گے، میں انھیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ گارڈ کہاں جا رہا ہے؟"اس کے اصرار سے بچنے کی خاطر اس نے اس کی توجہ بوڑھے گارڈ کی طرف دلائی، جو کسی کام سے ہوٹل کی عمارت کی طرف جا رہا تھا۔ افق نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔"اس کو شاید کسی نے بلایا ہے۔
"

"تم نے کبھی چوری کی ہے؟"افق نے گردن واپس گھما کر آنکھیں سکیڑ کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا
۔"نہیں! "

"میں نے بھی نہیں کی مگر اب دل کر رہا ہے"

"چوری کرنے کا"؟

"نہیں تم سے کروانے کا"اس نے معصومیت سے کہا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا"؟افق نے اسے گھورا۔

"تم جانتے ہو، تم بہت گڈ لوکنگ ہو"

"میں خوشامد سے متاثر نہیں ہوتا۔ سوری! "

"اور تم ایک بہت اچھے انسان بھی ہو"۔

"میں سچ سن کر بھی غلط کم نہیں کرتا"

"اور میں دعا کروگی کے تم راکاپوشی سر کرلو۔ اگر تم مجھ اس درخت پر سے ایک ناشپتی لادو تو! "

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔

"بہت بہتر۔ لاتاہوں" وہ چند قدم فاصلے پر اگے درخت تک گیا اور ہاتھ بڑھا کر ایک شاخ کو اتنی زور سے پکڑا کے اس پے بیٹھی چڑیا سہم کر اڑ گئی۔

"اوہ۔ تم نے اسے ڈرادیا" پری نے تاسف سے آسمان پر اڑتی چڑیا کو دیکھا۔

شاخ ہاتھ میں پکڑے، افق نے رک کر بغور اسے دیکھا۔ پھر مسکرادیا۔

"تم میری زندگی میں انے والی پہلی لڑکی ہو، جو چڑیا کی پرواہ اور موروں سے سوری کرتی ہے"

(زندگی میں؟ کیا وہ اس کی زندگی میں آچکی تھی؟)

"ادھر ترکی میں ہوتی ہیں ناشپاتیاں؟" اس نے بے تکا سوال کیا۔

"ترکی میں سب کچھ ہوتا ہے" اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک موٹی تازی رسیلی سی ناشپتی توڑی۔

"اس کو میں مبالغہ آرائی کہوں؟"

"نہیں، تم اس کو ایک محب وطن ترک کا فخر کہو" وہ مسکراتا ہوا ناشپتی لیے اس کے قریب لے آیا۔

"یور ہائنیس، ایک ترک سیاہ کی طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمایں" اس نے ناشپتی ہتھیلی پر رکھے اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ، ویسے کیا سارے ترک چوری کے تحفے دیتے ہیں"؟ اس نے اسے چڑاتے ہوئے ناشپتی اٹھالی۔

"کوئی پری مانگے تو دے بھی دیتے ہیں" وہ اس کے ساتھ بیٹھ گیا وہ دونوں فوارے کے کنارے بیٹھے تھے اور ٹانگیں نیچے لٹکا رکھی تھیں۔

"یہ۔ایک یادگار ناشپتی ہوگی۔ میں شروع کروگی اور تم ختم۔ ٹھیک؟" پری نے ناشپتی کی ایک بائٹ لی، اس کا ذائقہ منہ میں محسوس کیا اور اگلے ہی پل اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟"

"یہ ناشپتی نہیں ہے افق! ہمارے ساتھ تو دھوکا ہوگیا۔ یہ تو بگوگوشہ ہے" وہ مسلسل ہنسے جارہی تھی۔

"اور کرو چوریاں۔ دیکھ لیا، یہ ہوتا ہے چوری کا انجام۔ تم ناشپتی سے ملتے جلتے پھل کو ناشپتی سمجھ کر دھوکا کھا گئیں۔ بہت اچھا ہوا" وہ مصنوعی انداز میں ڈانٹ رہا تھا وہ ہنستی جارہی تھی۔

"اچھا سنو، مجھے بھی چکھاؤ اور اس کو ختم نہیں کرنا۔ یہ ہم اس فوارے کے پیچھے رکھ دیگے۔

یہ ایک یادگار ہے۔ کبھی ہم دوبارہ ادھر آئے تو اسے ضرور ڈھونڈیں گے "اس نے ایک بائٹ لے کر آدھا کھائے بگو گوشے کو فوارے کے پیچھے کر کے ایک جگہ چھپا دیا اور وہ جو ہنسے جا رہی تھی یک دم رک گئی۔

" کبھی ہم دوبارہ ادھر آئے۔۔۔؟ ہم۔۔۔؟ افق نے "ہم" بولا تھا مگر کیوں؟"

اس نے ایک نگاہ اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی پر ڈالی اور پھر سر جھکا لیا۔ مستقبل کسی آٹھ ہزار میٹر پہاڑ کی چوٹی کی طرح دھند میں لپٹا تھا۔

جمعہ، 29 جولائی 2005ء

"ارسہ تم اپنے ناول میں یہ بھی لکھنا کے جب ہم لوگ۔۔۔ سوری، میرا مطلب ہے جب تمہارے کردار کلام کی مال روڈ اور پہنچے تو وہاں مری مال روڈ کی طرح رش تھا، پورے پاکستان کی لوفرلڑکے وہاں جمع تھے اور یہ بھی لکھنا کے کلام سے روز صبح نو بجے کرائے کی لینڈ کروزر، جیپیں پجاروز دو مختلف "روٹس" پر جاتی ہیں اور سنو تم یہ بھی لکھنا کے تمہارے کردار آنسو جھیل والے روٹ کے بجائے ماہوڈھند جھیل والے روٹ پر جا رہے تھے، ہماری طرح۔۔۔ اور۔۔۔"

وہ چاروں اگے پیچھے مال روڈ کے کنارے پر چلتے ہوئے دائیں طرف بہتے دریا پر بنے پل کی طرف جا رہے تھے، جس کے دوسری طرف سڑک پر لینڈ کروزر اور پراڈوز کی لمبی قطار کھڑی تھی، ان کرائے کی گاڑیوں کے ماہر ڈرائیور اپنے اپنے مسافروں کا انتظار کر رہے تھے۔

"اگے میں بتاتا ہوں ارسہ !اگے تم لکھنا، ان کے پاؤں کے نیچے سڑک تھی اور سر پر آسمان تھا اور دریا کا پانی بہت شور مچاتا تھا۔۔۔"وہ ارسہ کو۔ جس طرح کے مشورے دے رہے تھی، اس انداز میں نقل کرتے ہوئے وہ بولا تو پریشے نے برا سا منہ بنایا۔

"زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ میں صرف اسے مشوارہ دے رہی تھی۔

"ہاں تو میں بھی مشوارہ ہی دے رہا ہوں۔" وہ اسے چڑا رہا تھا، وہ خفگی سے سر سب سے تیز چل کے اگے نکل گئی۔

"سنو ارسہ! ایک خبر سناؤ؟" پیچھے آتے افق نے دانستہ آواز میں محض اسے چڑانے کے غرض سے کہا، پری نے چلتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

"ارسہ، توماز ہومر پاکستان میں ہے"

کانوں پر ہاتھ رکھنے کے باوجود اسے سنائی تو دیا تھا، خبر ہی ایسی تھی کے وہ جھٹکے سے پوری آنکھیں کھول کر اس کو دیکھا۔ "واقعی؟ کدھر؟ کالام میں ہے؟"

"میں تو ارسہ کو بتا رہا تھا" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہاں تو اسے ہی بتاؤ میں کون سا سن رہی ہوں" اس نے شانے جھٹکے اور اگے نکل گئی۔

"ویسے ارسہ، وہ نانگا پربت جا رہا ہے"

"میں نہیں سن رہی"۔ پری نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی بلند آواز میں کہا کے پاس سے گزرتے دو لڑکے رک کر اسے دیکھنے لگے۔

"تم لوگ کیا سڑک کے بیچ میں کھڑے ہو کر ٹین ایجیرز والی حرکتیں کر رہے ہو؟ تینوں کے گھورنے کا اسے احساس ہوا اور پھر پل پار کرنے تک وہ سارا راستہ خاموش رہی۔

وہ اس گرے اور سلوار پیراڈو پر ماہوڈھنڈ کے روٹ پر جا رہے تھے زیادہ تر گاڑیاں ماہونڈ دھند ہی جارہے تھیں ، آنسوں جھیل کی طرف سیاح بہت کم جاتے تھے۔ کرائے کی ان گاڑیوں کے ڈرائیور پر خطر راستوں پر ڈرائیونگ میں مہارت رکھتے تھے۔ لاہور، کراچی میں گاڑی چلانے والا عام ڈرائیور کالام سے اگے کے ان راستوں پر گاڑی نہیں چلا سکتا تھا۔

وہ پراڈو کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ ڈرائیور اسے پہچان گیا تھا۔ کل شام کالام پہنچتے وقت پریشے ہی تو۔ تھی، جس نے ظفر کے ساتھ اس ڈرائیور سے آج کی سواری کا سودا طے کیا تھا۔ ظفر اسے بارہ سو دینا چاہتا تھا جب کے ڈرائیور پندرہ سو مانگ رہا تھا۔ پریشے کو تین سو روپے ک لیے بحث کرنا صیح نہیں لگا، اس لیے اس نے معملا خود ہی طے کر دیا تھا۔

وہ پراڈو کے ساتھ کھڑی پل کی جانب دیکھنے لگی، جہاں وہ تینوں اگے پیچھے کھڑے تھے۔

افق سب سے اگے تھا۔ سیاہ جینز، مہرون شرٹ، سفید ٹورسٹ جیکٹ، گردن میں سرخ مفلر سر پر پی کیپ، پاؤں میں جوگرز اور کندھے پر بیک بیگ اٹھائے چیونگم چباتا وہ اسکی جانب آرہا تھا۔

ملتے رنگوں کے اس امتزاج پر پریشے کو حیرت ہوئی تھی، کیوں کے اس نے خود بھی سیاہ ٹراوزر کے ساتھ مہرون، کشمیری کڑھائی والا کرتا اور بڑا سا ڈوپٹہ لے رکھا تھا۔ بالوں کو اس نے کیچر میں باندھ رکھے تھے اور پاؤں میں گلابی اور سفید جوگرز تھے۔

افق پراڈو کی اگلی جانب کے وہ تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ سے بلکل پیچھے بیٹھی تھی تاکے اسے افق کا چہرہ ٹھیک سے دکھائی دے۔ اسے خود پر بھی حیرت ہوئی کے جب وہ مری میں تھے تو وہ اس سے بات تک نہیں کر رہی تھی۔ اور اب وہ کتنے اچھے دوست بن چکے تھے۔ اس سفر میں اسے پانچ دن بھی نہیں ہوئے تھے اور یوں لگتا تھا کے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔

پراڈو پر خطر راستوں پر دوڑنے لگی تو وہ کھڑکی سے بائیں طرف بہتے نیلے دریا کو دیکھنے کے بجائے افق سے پوچھنے لگی،۔

"تمہیں کیسے پتا کے توماز پاکستان آیا ہوا ہے؟"

"میں اسکا میڈیا ایڈوائزر تو ہوں نہیں، ظاہر ہے اخبار میں ہی پڑھا ہے"

"تم اس سے کبھی ملے ہو؟" اسے جاننے کا بہت اشتیاق تھا۔

"پریشے جہاں زیب، یہ کلائمبنگ ورلڈ بہت چھوٹی اور گول ہوتی ہے، یہاں درجنوں بار آپ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ میں توماز سے پچھلی بار نانگا پربت پر ٹکرایا تھا، وہ آرہا تھا اور میں جا رہا تھا"

"کیسا ہے دیکھنے میں؟ اتنا ہی گڈ لوکنگ جتنا تصویروں میں آتا ہے؟"

"اب میں اس سے جیلیس ہو رہا ہوں اس لیے پلیز اس موضوع کو بند کرو" وہ مسکین سی صورت بنائے ہاتھ جوڑ کر بولا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"ویسے پری" اس نے محض چھیڑنے کی غرض سے اسے پکارا،

"تمہاری گورنمنٹ ان علاقوں میں گیس کیوں نہیں لاتی؟ یہ لوگ دیار کی قیمتی لکڑی کو ایندھن کے طور پر استعمال کرتے ہیں"

"گورنمنٹ وردی اتار دے یہ بہت ہے۔ گیس بھی آتی رہے گی" نشاء گورنمنٹ کے ذکر پر بدمزہ ہوگئی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔ پریشے خاموش رہی کیوں کے غیر ملکیوں کے سامنے وہ اپنے ملک کی کسی۔۔۔

خامی کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں دعا کی کے افق یہ موضوع چھوڑ دے ۔چور نظروں سے اسنے ارسہ کو بھی دیکھا۔ ارسہ نے بات سنی ہی نہیں تھی۔ وہ بیتابی سے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کچھ تلاش کررہی تھی۔

"کیا ہوا ارسہ"؟

"وہ۔۔۔ ابھی آتا ہے تو دکھاتی ہوں۔۔۔ پچھلے سال تو ادھر ہی تھا۔ پتا نہیں کدھر گیا وہ دور تک پھیلے پہاڑی سلسلے کو متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"مگر تھا کیا"؟

"پہاڑ تھا، پتا نہیں کدھر گم ہو گیا ہے" وہ فکرمند سی تھی۔

"لیں۔۔۔ان کی سنیں۔ پہاڑ کبھی گم ہوئے ہیں ارسہ میڈم"؟افق خوب ہنسا تھا۔ ارسہ نے جسے سنا ہی نہیں۔

"مجھے لگتا ہے اس ڈرائیور کی گاڑی کے مالک سے کوئی دشمنی ہے، تب ہی اتنی تیز ڈرائیو کر رہا ہے۔ ابھی پھیہ ادھر ہوا اور ہم گے نیچے "نشانے پریشے سے انگریزی میں کہا پری نے کھٹ سے وہی بات ڈرائیور سے کہہ دی۔

"باجی! یہ مارہ روز کا روٹ ہے، آپ نہیں گرو گی، اللہ خیر کرے گا"وہ جھنپ کر بولا۔

"آپ" ایسے کہہ رہا ہے جیسے ہم اکیلے گریں گے، خود بھی تو ساتھ ہی گرے گا نانشا زیر لب بڑبڑائی۔ اسے اتنے پر خطر راستے سے بہت خوف آرہا تھا۔

افق تصویریں بنا رہا تھا، ارسہ ابھی تک پریشانی سے کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ پریشے نے راستہ دیکھتے ہوئے پوچھا"کتنا فاصلہ رہ گیا ہے"؟

"گھنٹے تک اشوویلی پہنچ جائیں گے"جواب افق نے دیا تھا۔ وہ آج بہت بول رہا تھا۔ خاصے ہشاش بشاش موڈ میں تھا۔ "پہلے اشوویلی رکیں گے پھر گلشئر پھر آبشار پر اور آخر میں وہ جگہ جہاں ہم آج رات گھاس پر گزاریں گے۔ پری! تم اس ملک میں رہتی ہو اور تم نے ابھی ٹک یہ جگہیں۔۔۔۔"

"وہ اگیا۔ وہ دیکھو بلکل سامنے۔"ایک دم ارسہ خوشی سے چلائی تھی۔"وہ سامنے دیکھو۔۔۔شاہگوری"!

"شاہگوری؟ ادھر؟ کالام میں؟" پری نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا، جہاں بلکل سامنے جامنی پہاڑوں کے سلسلے کے درمیان ایک الگ سا برف سے ڈھکا سفید پہاڑ کھڑا تھا۔

"یہ شاہگوری ہے؟ مگر شاہگوری تو سکردو سائیڈ پر ہے۔۔۔ قراقرم کے پہاڑوں میں۔۔۔ ہے نا افق؟" اس نے الجھ کر افق کو مخاطب کیا، مگر وہ اپنی گود میں رکھے کیمرے کو دیکھ رہا تھا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"یہ شاہگوری نہیں ہے، مگر مقامی لوگ اسے شاہگوری کا چھوٹا بھائی کہتے ہیں۔ بلکل وہی اہرام نما شکل ہے اس کی۔ ویسا ہی دیکھتا ہے ناں؟" ارسہ بڑی خوشی خوشی بتا رہی تھی۔

"واقعی۔۔۔ بلکل ویسا ہی ہے" اس کے لہجے میں فخر اتر آیا تھا۔ آخر شاہگوری، دنیا کو دوسری بلند ترین چوٹی اس کے ملک میں تھی، وہ فخر کیوں نہ کرتی؟

"ویسے افق شاہگوری کا نام کے ٹو کس نے رکھا تھا؟" افق اپنے کیمرے میں مصروف تھا، اس نے جواب نہیں دیا۔

"افق! پری نے پھر اسے پکارا۔

"پتا نہیں، مجھے یہ سیٹ کرنے دونا" وہ کیمرے پر جھکے بے زاری سی آواز میں بولا۔ پریشے نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔

"میں بتاتی ہوں پری آپی! جب کپٹیں ٹی جی نے قراقرم کے پہاڑوں کا سروے کیا تھا تو اسنے جس ترتیب سے پہاڑ دیکھے تھے، اسی ترتیب سے ان کا نام رکھ دیا تھا۔ کے ون، کے ٹو، کے تھری، اور کے فور وغیرہ"،

"کے سے کیا مراد ہے"؟نشاء نے پوچھا

"k is for karakoram ۔وہ مزے سے بولی" ہے ناپری آپی؟"اس نے تائید چاہی۔

"ہوں" پریشے نے تواس کی بات ٹھیک سے سنی بھی نہیں تھی۔وہ توافق کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے کیمرے کے بٹنز کو خوامخواہ دبا رہا تھا۔صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا ذہن کہیں اور ہے۔وہ ایک دم اتنا بیزار اور اکتا کیوں گیا تھا،وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

اشو ویلی پہنچنے تک سارا راستہ وہ اور افق خاموش رہے تھے۔وہ اپنے کیمرے پر جھکا رہا۔۔۔

اور پریشے خالی الذہنی کی کفیت میں کھڑکی سے باہر،نیچے بہتے نیلے دریا کو دیکھتی رہی۔

کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ افق اس سے کچھ کہے۔اپنے اور اس کے نامعلوم تعلق کی وضاحت کرے۔اسے بتائے کے وہ اس کے لیے کیا سوچتا ہے۔وہ جاننا چاہتی تھی کے ان دونوں کے درمیان اگر کچھ ہے تو وہ کیا ہے مگر یہ سب وہ اس سے کہنے سے قاصر تھی۔

اشو،فلک بوس پہاڑوں کے درمیان بنی ایک چھوٹی سی وادی تھی،جس کے درمیان نیلا دریا بہتا تھا۔وادی میں سیاہوں کی خاصی گہما گہمی تھی۔ان کی پراڈو کے ساتھ پجارو اور جیپوں کا ایک پورا قافلہ کالام سے نکلا تھا،ان میں سے تقریباً سب ہی گاڑیاں اشو میں رک گئی تھیں۔باقی پیچھے آرہی تھیں۔

"آؤ۔ اس کیبن میں چلتے ہیں" یہ پہلی بات تھی جو ادھر آ کر افق نے کی تھی۔ اس نے موڑ کر اسے دیکھا پھر اس کے پیچھے چل دی۔

سڑک کے دائیں طرف نیچے شور مچاتا نیلا دریا بہہ رہا تھا۔

وہ جس طرف سے کیبن میں داخل ہوئے وہ کھلی تھی باقی تین طرف بند تھے۔ اور وہ کیبن بلکل بلکونی لگ رہا تھا۔

کیبن میں دونوں طرف لکڑی کے بنچ اور درمیان میں لکڑی کی بنی میز رکھی تھی۔ وہ ایک طرف کے آخری سرے پر ٹک گئی، تا کہ بائیں طرف بہتا دریا اچھی طرح دیکھ سکے۔ نشا اور ارسہ وہاں سے نہیں آئی تھیں، وہ کولڈ ڈرنک لینے چلی گئی تھیں۔ افق لکڑی کی ریلنگ کو تھامے جھک کر نیچے بہتے دریا کو دیکھ رہا تھا۔

"سنو"! اس نے افق کو پکارا، مگر دیو قامت سرمئی پتھروں سے ٹکراتے نیلے پانی کے شور اتنا تھا کے وہ سن نہ سکا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"سنو، تمہارا موڈ کیوں خراب ہوا تھا؟" لکڑی کی ریلنگ سے پشت ٹکا کر ایسے کھڑی ہو گئی کہ دریا پشت پر اور افق سامنے تھا۔

وہ چونک کر سیدھا ہوا، "میرا موڈ؟ نہیں تو"

"کبھی کبھی تم اتنے اجنبی بن جاتے ہو کہ۔۔۔" وہ رک گئی اور گردن پھیر کر پیچھے بہتے دریا کو دیکھنے لگی۔

"کہ"؟ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہ مجھے خوف انے لگتا ہے" نیچے بہتے نیلے پانی اور اس کی سفید جھاگ پر نظریں جمائے وہ سرگوشی میں بولی۔

"اچھا"؟ وہ ہولے سے ہنس دیا۔

پریشے نے رخ موڑ کر سنجیدگی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اس روز جلیل کے ریسٹورنٹ میں بھی تم ایسے ہو گئے تھے۔ مجھے دکھانے کو بلی کو پیار کر رہے تھے۔ ہے ناں؟"

"تمہیں وہ بات ابھی تک یاد ہے؟" وہ جواب دیے بنا گردن پھیر کر پانی کو دیکھنے لگی۔

"آئی ایم سوری فار ڈیٹ پری، میں۔۔۔بس۔۔۔پتا نہیں کبھی کبھی مجھے کچھ ہو جاتا ہے" اس نے گردن موڑ کر اسے نہیں دیکھا، وہ یونہی پیچھے بہتے دریا کو دیکھتی رہی۔ چند لمحے خاموشی کے نذر ہو گئے۔

پتھروں سے سر پٹختے پانی کے شور کے باوجود اسے بہت خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔

"جانتی ہو پری! جب میں نے تمہیں مارگلہ کی پہاڑیوں پر پہلی دفعہ دیکھا تھا تو مجھے کیا لگا؟ مجھے لگا میں واقعی کسی پری کو دیکھ رہا ہوں۔ تم نے وائٹ اور پنک رنگ پہن رکھا تھا، تمہیں یاد ہے؟ میں یوں کبھی بھی اجنبیوں سے فرینک نہیں ہوتا، میری طبیعت کچھ اور ہے۔ موڈی کہہ لو، اکھڑ کہہ لو۔۔۔ مگر تم سے بات کرنے کو میرا دل چاہا تھا"۔

کیبن کی دائیں طرف دھوپ اندر آنے لگی تھی، سورج کی شعاعیں براہ راست پریشے کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، وہ اس کے دائیں طرف آکر کھڑا ہو گیا، دھوپ۔ کا راستہ رک گیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے یوں لگا تھا جیسے میں تمہیں جانتا ہوں، ہزاروں برس سے جانتا ہوں، تم میری ذات کا وہ گمشدہ حصہ ہو، جو ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا۔ ہم دونوں صدیوں پہلے کسی اور دنیا میں بچھڑے تھے اور اس روز مارگلہ کی پہاڑیوں پر پھر سے مل گئے تھے۔ تمہیں ایسا لگتا ہے پری؟" بہت یشے نے سر جھکا لیا اپنے جوگرز تلے لکڑی کے تختوں کی درزوں سے اسے جھاگ اڑاتا نیلا آپانی نظر آرہا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا، وہ کچھ نہ بولی۔ تب ہی اسے ارسہ کی آواز سنائی دی، وہ افق کو بلا رہی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چند گز فاصلے پر کھڑی دور ہی سے بہت

بلند آواز میں اسے کسی ٹریک کا بتا رہی تھی۔ وہ سر ہلا کر پریشے کے دائیں طرف سے ہٹ گیا سورج کی تیز شعاعیں اس کے چہرے سے ٹکرائی تھیں، اسے لگا وہ اس کے جانے سے ایک دم تنہا سی ہو گئی۔ بھری دھوپ میں بلکل تنہا۔

ارسہ کی طرف جاتے افق کی پشت کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگتے چلے گے۔

اس دونوں کا ساتھ تھا، دو دن مزید رہ گے تھے، پرسوں انہوں نے واپس لوٹ جانا تھا، پھر راستے اور منزلیں جدا ہو جانی تھیں۔ وہ اپنی شادی کی تیاریوں میں مگن ہو جائے گی اور وہ ترک کوہ پیما دنیا کی سب سے

حسین چوٹی سر کر کے واپس چلا جائے گا اسے تو شاید یاد بھی نہ آئے کے مارگلہ کی پہاڑیوں پر جب بادل نیچے اترے ہوئے تھے، تب اسے بیچ سڑک پر ایک لڑکی ملی تھی وہ بھلا دے گا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس نے سوات کے مرغزاروں میں نو دن بتائے تھے، وہ نو دن جو صدیوں پر بھاری تھے۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی کہ وہ مسافر تھا اور وہ جانے کے لیے آیا تھا اور خود اسکی سیف سے تین ماہ بعد شادی ہونے والی تھی، وہ اس مسافر سے محبت کرنے لگی تھی سختی سے آنکھیں رگڑ کر وہ نیچے شور مچاتے دریا کو دیکھنے لگی۔

گلیشیئر پر گاڑی نہیں روکی گئی، ان کے خیال میں یہ وقت ضیاع تھا۔ آبشار تک کے سارے راستے میں گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔ نشا سو رہی تھی۔ ارسہ سٹیفن کنگ کا ناول پڑھ رہی تھی۔ اور افق کھلی کھڑکی پر کہنی جمائے مسلسل باہر دیکھ رہا تھا۔ اب دریا اس کی طرف تھا جب کے پریشے سامنے پربتوں پر نگاہیں ٹکائے کسی بیتے لمحے کے فسوں میں کھوئی تھی۔

اس کے ذہن میں افق کے الفاظ گردش کر رہے تھے۔

وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟ وہ کیا نہیں کہہ رہا تھا؟ کوئی اظہار، کوئی اعتراف، کوئی اقرار؟ یا پھر وہ محض لفظوں سے کھیل رہا تھا اور وہ یک طرفہ محبت کا شکار تھی۔ جس قطرے جتنی محبت کو اس نے سیپ میں بند کر دیا تھا، وہ قید رہ کر موتی بن گیا تھا۔ اسے یہ ادراک خاصی دیر سے ہوا تھا۔

وہ آبشار بہت بلندی سے گر رہی تھی۔ اس کا منبع پہاڑ کی چوٹی کے قریب تھا، وہاں سے شروع ہو کر وہ کئی سو فٹ نشیب میں سڑک تک آتی تھی اور سڑک کے نیچے سے ہو کر اشو دریا میں

سڑک کے کنارے کولڈ ڈرنک کارنرز بنے تھے۔ وہاں خاصی گہما گہمی تھی۔ ان کے انے سے پہلے بھی وہاں خاصی بڑی تعداد میں بچے، بوڑھے، نوجوان جوڑے اور فیملیز گھوم پھر رہی تھیں۔ چند لڑکے پتھروں پر چڑھتے ہوئے اوپر آبشار کے منبع تک جارہے تھے۔ ایک سبز کیپ والا لڑکا سب سے اگے تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ اتنی بڑی آبشار پاکستان میں ہے" نشاء نے ان تینوں کے ہمراہ پتھروں پر اوپر چڑھتے ہوئے بے اختیار کہا تھا۔ وہ پتھر آبشار کے کنارے پر ہی تھے، اتنے خطرناک کے ذرا پاؤں پھسلے اور بندہ پانی میں جا گرے۔ تیز رفتار بہتے پانی میں تو یوں بھی لاش نہیں ملا کرتی۔

"میں نے ہمیشہ خوبصورتی کے بارے میں ناران کاغان کا نام سنا تھا"

"نشا مائنڈ مت کرنا مگر ناران کاغان اتنے خوبصورت نہیں جتنا ان کو کہا جاتا ہے۔ وہاں پہاڑ قدرے خشک ہیں اور واحد خوبصورتی جھیل سیف الملوک ہے، جس پر پریاں اترتی ہیں۔ ناران کاغان کو اگر کوئی پاکستان کا بہترین تفریحی مقام سمجھتا ہے تو اس نے یقینن کالام اور سوات کا حسن نہیں دیکھا ہو گا میں ان دونوں جگہوں کو کئی بار وزٹ کر چکا ہوں اور میری رائے میں ناران، کاغان، شوگران، یہ سب جگہیں سوات اور کالام سے زیادہ حسین نہیں"

وہ اگے پیچھے سرمئی پتھروں پر چڑھ رہے تھے۔ نشا اور ارسہ کھانے پینے کی جگہ پر رک گئی تھیں، افق کو ایک خالی چارپائی نظر آئی اس نے کسی محنتی مزدور کی طرح وہ چارپائی اپنے کندھے پر اٹھائی اور اوپر چڑھنے لگا۔

"بس یہیں رکھ دو" وہ سڑک سے کافی اوپر پتھروں پر چڑھتے ہوئے آگے تھے، افق نے اس کے کہنے پر پتھروں اور پانی کے درمیان چارپائی رکھ دی۔

"گندے بچوں کی طرح جوتے اتار کر پانی میں پاؤں مارنا مجھے ہمشہ سے بہت اچھا لگتا ہے" اس نے ہنستے ہوئے جوگر، جرابیں اتار کر چارپائی پر رکھیں اور اس پر بیٹھ کر سیاہ ٹراوزر ٹخنوں سے کافی اوپر تہ کر کے اپنے سپید پاؤں ٹھنڈے پانی میں ڈال دیے۔ افق بھی ساتھ بیٹھ گیا مگر اس نے جوگرز نہیں اتارے۔

"تم بھی جوتے اتار دوناں، اتنا مزہ آرہا ہے" وہ بچوں کی طرح پانی میں اپنے پاؤں سے دائرے بنا رہی تھی، افق نے مسکرا کر سر نفی میں ہلا دیا۔

کم آن افق، جوتے اتار دو۔ پانی اتنا ٹھنڈا ہے، لگتا نہیں یہ جولائی کا مہینہ ہے" افق نے پھر بھی جوتے نہیں اتارے۔ اس کے بجائے اس نے قدرے جھک کر ہاتھ پانی میں ڈال دیے تھے۔

"تم جوگرز بھی اتار دو" پری نے تیسری دفعہ اصرار کیا۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں" وہ گردن اونچی کر کے اوپر پہاڑ سے پھوٹتی آبشار کو دیکھنے لگی اسے حیرت ہوئی تھی وہ ایک اس کی بات فورن مان جاتا تھا، تو اب؟

"یہاں پر ایک ہوٹل بنایا جاسکتا ہے مگر اس کے لیے پہلے ان کو اس علاقے کی مٹی کے ٹیسٹس کرانے پڑیں گے اور۔۔۔۔۔"

"میں بھول گئی کہ تم انجنیر ہو یاد کروانے کا شکریہ "وہ اسکی بات پر ہنس پڑا۔

"بہت جلدی بھول جاتی ہو، مجھے بھی اتنی جلدی بھول جاؤ گی؟"

"ویسے تم نے کس چیز میں انجنیرنگ کی ہے"؟ وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے جھکی ہوئی پانی میں ہاتھ مار رہی تھی۔

"میں جیولوجیکل انجینیر ہوں"

"اوہ۔۔۔ پھر ہم پاکستانیوں کے تو کسی کام کے نہیں ہو" گرتے پانی سے چھینٹے اڑ رہے تھے۔

وہ چہرے پر آئے پانی کے چھینٹے صاف کرتے ہوئے سیدھی ہو کر شرارت سے مسکرائی۔

"کیوں کہ پاکستان میں زلزلے نہیں آتے"۔

"اچھا"؟

"ہاں۔۔۔ آخری زلزالہ 80 سال پہلے کوئٹہ میں آیا تھا، اس سے غالباً 35 ہزار لوگ مر گئے تھے۔ پھر اس کے بعد ایسا زلزلہ نہیں آیا۔ اس لیے تم ہمارے تو کسی کم کے نہیں ہو"

"ڈاکٹر صاحبہ، میری معلومات کے مطابق صرف بلوچستان میں ہی 1935ء کے زلزلہ کے بعد تین زلزلہ آئے تھے"

"میں بڑے زلزلوں کی بات کر رہی ہوں" وہ سر اٹھا کر گرتے پانی کو دیکھنے لگی۔

"میں چند سال پہلے جب پہلی دفعہ ایورسٹ سیر کرنے گیا تھا تو ترکی میں زلزلہ آیا تھا میں ایکسپیڈیشن لیڈ کر رہا تھا اور ہم بالکونی پر تھے، جب مجھے زلزلے کی اطلاع ملی" وہ اوپر آبشار کی چوڑی دھار کو دیکھتے ہوئے یاد کر کے بتا رہا تھا۔

"اوہ۔۔۔تو پھر۔۔۔بالکونی سے ایورسٹ کی چوٹی تک کا سفر یقیناً تم نے ڈپریشن میں کیا ہو گا"۔

افق نے گردن پھیر کر سنجیدگی سے پریشے کو دیکھا۔ "میں زلزلے کے متعلق سنتے ہی "بالکونی" سے واپس پلٹ گیا تھا"

"کیا"؟ اس نے تحیر سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ "ڈونٹ ٹیل می، تم بالکونی سے واپس پلٹ گئے تھ، ادھر سے ایورسٹ کی چوٹی کا فاصلہ ہی کتنا تھا بھلا"۔

"میں چوٹی سے ایک قدم دور بھی ہوتا تو زلزلے کا سن کر واپس چلا جاتا۔ میں ایورسٹ کی فتح کس کے لیے کر رہا تھا؟ اپنے ملک کے لیے ناں؟ تو میرے ہاتھ میں میرے ملک کا جو سرخ جھنڈا تھا، وہ جھنڈا مجھے کہہ رہا تھا کہ تمہارے ایورسٹ سر کر لینے سے ترکی کے لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہاں اگر تم واپس پلٹ جاؤ تو شاید بہت سے بے یارو مددگار لوگوں کی کچھ مدد کر سکو اور پھر میں واپس آگیا۔ اس بیحد کامیاب انٹرنیشنل ایکسپیڈیشن کو چھوڑ کر جس میں بیسیوں کوہ پیما شامل تھے۔ ساٹھ تو صرف مقامی (sherpas شرپا) تھے مگر میں

ترکی آگیا۔ وہاں بہت بری حالت تھی۔ ہر طرف ملبہ تھا، لاشیں بکھری تھیں۔ اس کے بعد سے مجھے زلزلوں سے بہت خوف سا آتا ہے"

"وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا کوئی انسان اتنا نرم دل بھی ہو سکتا ہے ک بالکونی سے ایورسٹ summit کیسے بغیر پلٹ جائے؟ کیا کوئی کوہ پیما بالکونی سے بھی واپس آسکتا ہے، بغیر کسی جسمانی یا موسمی تاخیر کے؟

"پھر تم ایورسٹ نہیں سر کر سکے؟"

"کر لیا تھا، 2001ء میں۔ اور پلیز زیادہ ایکسائیٹڈ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے علاوہ تقریباً سترہ سو اور لوگ بھی کر چکے ہیں، یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے"

"تم میں بہت عاجزی ہے"

"ان پہاڑوں پر اتنی مار پڑی ہے۔ کہ سارے کس بل نکل گئے ہیں۔ تمہیں دنیا کا کوئی بہت اچھا کوہ پیما مغرور نہیں ملے گا۔ کیوں کے ہم کلائمبرز سے زیادہ کون جان سکتا ہے ک ہم انسان mother nature کی ایک حقیر سی مخلوق ہیں۔ میں اتنی بلندیاں دیکھ چکا ہوں کے اپنا آپ کچھ بھی نہیں لگتا۔

"سوری مگر آپ کے رومانس میں مخل تو نہیں ہوئی"؟ ارسہ اچانک ہی چارپائی کے سامنے آئی تھی۔ پریشے نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"ہاں، بلکل مخل ہوئی ہو" افق نے بات کاٹے جانے پر اسے برا سا منہ بنا کر دیکھا۔

"نہیں۔ ارسہ !ایسی کوئی بات نہیں ہے" وہ گھبرا کر وضاحت دینے والے انداز میں کہہ رہی تھی مگر ارسہ نے تو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ وہ نیچے سے آتے ایک گلابی رخساروں والے بچے کی طرف متوجہ ہو چکی تھی، جو ہیٹ بیچ رہا تھا۔ پریشے نے سر جھکا کر خشک لبوں پر زبان پھیری۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔۔ اس کے ارد گرد کے لوگ کیا واقعی سب کچھ جان گئے تھے ؟

"میں کسی لگ رہی ہوں ؟" ارسہ بچے سے ایک ہیٹ لے کر سر پر ٹرائی کر رہی تھی۔

" بلکل ٹائی ٹینک والی کیٹ ونسلٹ !" افق نے مسکرا کر کہا۔

"میں اتنی موٹی لگ رہی ہوں ؟ بس رہنے دو، مجھے نہیں چاہیئے ہیٹ" اس نے فورن ہیٹ اتار کر بچے کو واپس کر دی، اس کی گلابی رنگت پر مایوسی چھا گئی، وہ بجھے چہرے کے ساتھ پلٹنے لگا۔

" سنو مجھے تو دکھاؤ ہیٹ !" پری سے رہا نہ گیا تو بچے کو بلا لیا۔ وہ فورا آ پلٹا اور سارے ہیٹ اس کے سامنے رکھ دیے۔

"میں اسے پہن کر کچھ اور تو نہیں لگ رہی ؟" اس نے ایک سکن کلر کا سادہ ہیٹ خرید لیا تھا۔

"نہیں، بہت اچھا ہیٹ ہے" افق نے مسکرا کر کہا۔

اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ "تم اچھی لگ رہی ہو"۔ اس نے یل دفعہ غلطی سے اسکے ہنسی کی تعریف کر دی تھی، وہ بھی شاید مزاق میں کی تھی۔ وہ کبھی اس کی مغلئ آنکھوں، رسیلے ہونٹوں یا سیاہ چمک دار بالوں کی تعریف نہیں کرتا تھا۔ شاید اس کو غور سے دیکھتا بھی نہیں تھا۔ وہ ظاہری چیزوں کی پوجا کرنے والوں سے بہت مختلف تھا۔

"افق ہاتھ پانی میں ڈالے اس ہیٹ والے بچے کی طرف پانی اچھال رہا تھا، بچہ اپنا ہیٹ کا ٹھیلا ایک طرف رکھ آیا تھا اور آبشار کے بلکل کنارے پر اپنی پنڈلیاں ڈالے ایک "گورے" سیاہ کے مزاق کو انجوائے کر رہا تھا، ساتھ ساتھ وہ بھی اس پر پانی اچھال رہا تھا۔

"مت کرو تم دونوں، میرے اوپر پانی آرہا ہے" اپنا کڑھائی والا نیا کرتا خراب ہوتے دیکھ کر وہ غصے سے بولی۔

"ہم کھیل رہے ہیں"۔

"بہتر۔۔ تم شاید بیس سال پہلے، اپنے بچپن میں چلے گئے ہو، مگر میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔۔ میں جا رہی ہوں" وہ کسی صورت پانی اچھالنے سے باز نہیں آرہا تھا، یہ دیکھتے ہوئے وہ اپنے جوگر زہاتھ میں اٹھائے پتھروں سے نیچے اترنے لگی۔

وہ لوگ خاصی دیر آبشار پر بیٹھے رہے، یہاں تک ک سورج ان کے سروں پر اگیا اور آبشار کا پانی سنہری دھوپ میں مزید چمکنے لگا۔ بہت سے ٹورسیٹ آبشار سے جارہے تھے، کچھ اب آرہے تھے، غرض آبشار پر ہر وقت رونق لگی رہتی تھی۔

دوپہر میں جب وہ وہاں سے روانہ ہوئے تو پریشے اتنی تھک چکی تھی کہ گاڑی میں بیٹھتے ہی سو گئی۔ اسے نیند سے نشا نے تب جگایا جب ماہوڈھنڈ آگئی تھی۔

وہ گاڑی سے نکلی تو اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں، مگر سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی نیند تو غائب ہوئی ہی، ساتھ ہی سانس بھی ایک دم رک گیا تھا۔

سامنے تاحد نگاہ سبزہ پھیلا تھا، جیسے ہزاروں ایکڑ پر پھیلا کوئی لان ہو، سبزے کے اختتام پر اشو دریا کا پانی ایک جگہ اکٹھا ہو جاتا تھا اور وہاں اس کی رفتار نہ ہونے کے برابر تھی، اس جھیل کی صورت اکٹھے ہوئے پانی کو ماہو ھنڈ جھیل کہتے تھے۔

جھیل کا پانی سبزی مائل نیلا تھا، اس کی سطح پر ڈوبتے سورج کی آخری سنہری پریاں رقص رہی تھیں۔ جھیل کے پیچھے بلند و بالا سبز پہاڑ تھے جنہوں نے پورے علاقے پر سایہ سا کر رکھا تھا۔

ان پہاڑوں کے ساتھ ماہو ھنڈ کے دائیں طرف دیار کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ وہ اس سبزہ زار میں واحد درخت تھے، بلکل ایسے جیسے کرسمس ٹریز ہوتے ہیں۔

ٹولیوں کی صورت میں ٹورسٹ دور دور تک گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ٹوپی والا پٹھان گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر پریشے کو بے اختیار مری والا واقعہ یاد آیا۔ افق نے کیپ سیدھی کرتے ہوئے گھوڑے والے کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

"اللہ کا، انگلش راجی کا" قریب انے پر اس نے شلوار قمیص میں ملبوص چھوٹی داڑھی والے پٹھان سے پوچھا۔

"نہ۔۔۔انگلش نہ راجیکا۔پختوراجی کا؟"

افق نے مایوسی سے نفی میں گردن ہلادی۔

"تم پشتو بول رہے ہو؟"اس نے حیرت سے افق کو دیکھا۔

"ارے نہیں، یہ تو امبیسی والوں نے دو چار لفظ لکھادیے تھے۔تم اس سے کہو کے صبح کو یہ گھوڑا لے آئے میں اس پر سواری کرو گا"

پریشے نے یہ جاننے کے بعد کے اس گھوڑے بان، جس کا نام امیر حسن تھا، کو اردو آتی ہے اس تک افق کا پیغام پہنچایا۔ورنہ پشاور اور اس سے اگے لوگوں کی اکثریت اردو سے نابلد تھی۔

"آج ہمارے ٹرپ کا آخری دن ہے، کل واپسی ہے، سو آج رات ہم کیمپ لگایں گے"گھاس پر ایک ساتھ بیٹھتے ہوئے اپنے بیک بگس کسی بوجھ کی طرح ایک طرف رکھتے ہوئے پریشے نے کہا۔

"اور میرے پاس مناپلی بھی ہے، وہ بھی کھلیں گے۔بس یہ ٹورسٹ یہاں سے چلے جائے پھر یہ پورا سبزہ زار ہمارا ہو گا اور ہاں افق بھائی، آپ نے پریشے آپی کو .dare بھی دینا تھا"

""اوہ۔۔۔میں ٹو بھول بھی چکا تھا"وہ کہنیوں کے بل گھاس پر نیم دراز تھا، مفلر اس کے چہرے اور کیپ سینے پر رکھی تھی۔اس کی شرٹ سامنے سے ابھی تک گیلی تھی۔

"تو پھر کیا ہے آپ کا دیر؟" پری کے لاکھوں گھورنے پر (ک اگر وہ بھول چکا تھا تو تم بھی جانے دو) ارسہ کہہ اٹھی۔

"ایسا ہے پریشے جہاں زیب، آپ کل صبح ہمیں ماہوڈھنڈ سے مچھلیاں پکڑ کر دیں گی۔ جو میں خود لوگا"

"اور ہم بھی کھائیں گے؟"

"ہاں، بلکل۔۔۔" وہ چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ پری نے شانے اچکا دیئے۔

"پکڑ دوں گی، بنسیاں اور کنڈیاں ہیں"؟

"میرے پاس سب ہے، مادام" !

پھر جب شام کا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا اور سورج کی کرنیں ماہوڈھنڈ کے پانیوں سے روتھ کر روپوش ہونے لگیں اور سیاہوں کی گہما گہمی ماند پڑنے لگی، تو ایسے میں وہ چاروں کھلے آسمان تلے گزارنے والی رات کی تیاری کرنے لگے۔ اپنے بیک پیکس سے کیمپنگ کا سامان ہنستے بولتے باتیں کرتے خیموں کے پولز اور جوائنٹس سیٹ کیے۔ ان پر شیٹ ڈالی، سلیپنگز بچھائے اور خود خیموں کے ایک طرف کھلے آسمان تلے دائرے بنا کر بیٹھ گے۔ درمیان میں امیر حسن کے توسط سے منگوائی لکڑیوں سے آگ جلالی گئی تھی۔

"میں بینکر ہوں گی۔ بینکر کم پلیئر" ارسہ مناپلی کا بورڈ اور کارڈ وغیرہ سیٹ کرتے ہوئے بولی۔ الاؤ کے ایک طرف وہ اور نشا تھیں۔ دوسری طرف پری اور افق نے مناپلی کا بورڈ درمیان میں ہی آگ کے قریب کسی طرح ایڈجسٹ کر لیا تھا۔

مناپلی جیسی گیم میں گھنٹوں منٹوں کی طرح گزرتے ہیں، دو گھنٹے گزر گئے اور انھیں پتا ہی نہیں چلا۔

"یہ پکاڈلی کس کی ہے؟" پریشے کی گوٹ پہلے رنگ کی پکاڈلی پر آئی تھی، اس کے اپنے پاس چار زمینیں تھیں قسمت اتنی خراب کہ ہر باری پر وہ افق یا نشا کی کسی زمین پر چڑھ جاتی یا پھر سیدھی جیل جاتی۔

"میری ہے" نشا نے مطلوبہ کرایہ بتایا۔ اس نے منہ بناتے ہوئے چند پاؤنڈز نکل کر اسے تھمائے۔ افق نے نظر اٹھا کر اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھا پھر دھیرے سے اپنے کارڈز میں سے آکسفورڈ سٹریٹ کا گرین کارڈ نکال کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا، پریشے نے چونک کر اسے دیکھا۔

"رکھ لو، ابھی نشا اس پر آئے گی تو تم اس سے یہ کرایہ لے لینا" اس نے سرگوشی میں کہا۔ پریشے نے چور نظروں سے الاؤ کے اس پار بیٹھی ارسہ اور نشا کو دیکھا۔ وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"شکریہ" اس نے جھٹ کارڈ رکھ لیا۔

نشا کی گوٹ ریجنٹ سٹریٹ پر آئی۔ ارسہ کی مے فیر پر پھر نشا کی کنگ کراس سٹیشن پر اور وہ افق کی زمینیں تھیں مگر وہ بڑے حق کے ساتھ کرایہ وصول کرتی رہی۔

"میرا خیال ہے یہاں کوئی بے ایمانی کر رہا ہے" آدھے گھنٹے بعد ارسہ کو تب احساس ہوا جب وہ واٹر ورکس پر آئی اور پریشے نے کرایہ مانگا۔

یہ واٹر ورکس اور الیکٹرک کمپنی تو افق بھائی آپ کی تھیں، مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

میں بینکر ہوں" پری نے قدرے بوکھلا کر افق کو دیکھا۔

"اوہو ارسہ! میری کہاں تھیں؟ میری تو صرف الیکٹرک کمپنی تھی"

"پری آپی! ذرا کارڈ نکال کر دکھائیں واٹر ورکس کا" اس کا اندازہ قطعی تھا، پریشے پکڑی جاچکی تھی ک کارڈ افق کے پاس تھا۔

"کیا کرتی ہو ارسہ! پری جھوٹ تھوڑی بول رہی ہے۔ میں نے اپنی گناہ گر آنکھوں سے اسے یہ زمین خریدتے دیکھا ہے"

"گناہ گاروں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ پری آپی! مجھے کارڈ دیکھائیں" وہ بضد تھی۔

"ارسہ! تمہاری گردن پر کوئی کیڑا اچل رہا ہے" افق نے فلمی اور تھرڈ کلاس حربہ آزمایا، جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ ارسہ کارڈز چھوڑ کر گردن جھاڑنے لگی۔

"کیڑا؟ کدھر ہے؟"

"ابھی تک تمہاری گردن پر بیٹھا ہے کتنا خون پی چکا ہو گا اب تک تمہارا۔ ویسے گروپ کیا ہے؟" وہ بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہا تھا، صرف پریشے کو بچانے کے لیے اس نے ممنونیت سے افق کو دیکھا۔ الاؤ کی زرد روشنی اس کے چہرے کے نقوش کو مزید تیکھا بنا رہی تھی۔

"اے پازیٹو۔۔۔۔اور نہیں ہے کیڑا"۔

"اے پازیٹو؟ ہوں۔۔۔ میرا او نیگیٹو ہے" وہ یونہی بولا تو مجرموں کی طرح گردن جھکائے بیٹھی پریشے نے چونک کر سر اٹھایا، "سیف کا بھی او نیگیٹو ہے" اس نے بے اختیار زبان دانتوں تلے کرلی، نشا نے ہڑبڑا کے اسے دیکھا۔

"سیف کون"؟ افق نے تجسس سے نہیں محض ارسہ کی توجہ واٹر ورکس والی بات سے ہٹانے کو پوچھا تھا اور اب وہ پری کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی ڈائس ہاتھ میں لیے باری کرنے لگا تھا۔ مگر جواب تو پری کو دینا ہی تھا۔ نشا نے خاموش نگاہوں سے التجا کی تھی ک وہ چپ رہے لیکن اس کو ہر صورت افق کو وہ بتانا تھا جو بتانے کا اسے موقع نہیں مل رہا تھا۔

"سیف میرا کزن ہے، پھوپھو کا بیٹا اور میرا۔۔" وہ لمحے بھر کو رکی، افق کی ڈائس کھیلتی انگلیاں تھمیں، اس نے گردن اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے پریشے کو دیکھا۔

"اور میرا منگیتر بھی۔۔۔ تین ماہ بعد میری اس سے شادی ہے" بہت پر اعتماد انداز میں اس نے کہا تھا۔

وہ جو کچھ کہنے لگا تھا، یک دم رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت در آئی پھر الجھن اور بالا آخر واضح بے یقینی۔

پل بھر کو ماہو ڈھنڈ کے کنارے اس وسیع و عریض سبزہ زار میں سکوت سا چھا گیا۔ اونچے الاؤ سے چنگاریاں نکل کر فضا میں گم ہو رہی تھیں۔

"آپ۔۔۔ انگیجڈ ہیں؟" واٹر ورکس کو بھول کر بے یقینی سے ارسہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، تین سال سے" اس کے دل سے کوئی نادیدہ بوجھ ہٹ گیا تھا، مگر پھر افق کا زرد چہرہ دیکھ کر اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

"اوہ اچھا" وہ سنبھل گیا اور پھر اپنی نگاہیں ہاتھ میں پکڑی ڈبیا پر مرکوز کیے جیسے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ پھیکی رنگت پھیکی مسکراہٹ۔

"مبارک ہو، تم نے۔۔۔ تم نے کبھی بتایا نہیں۔۔۔ تو۔۔ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔۔۔ ہوں گڈ۔۔۔ تو کیا کرتا ہے۔ وہ؟" وہ رکا "وہ۔۔۔ سیف؟" وہ اپنے لہجے میں کچھ ٹوٹنے کا کرب نہ چھپا سکا تھا۔

"بزنس"

"آہاں! ویری نائس" افق نے ڈبیا رکھ دی اسے شاید بھول چکا تھا کہ اس کی باری تھی۔ الاؤ کے اس پار نشا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ اداس تھی، پریشے سمجھ سکتی تھی مگر اس کو ہر صورت میں کسی بھی قسم کی غلط فہمی اگر تھی تو ختم کرنی تھی۔

لکڑیوں میں سے بار بار چیخنے کی آواز آرہی تھی۔

"چلیں، گیم دوبارہ شروع کریں" ارسہ کی لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

"کل کھیل لیں گے، اب سوتے ہیں" نشانے افق کی مشکل آسان کردی۔ وہ غالباً وہاں سے ہٹنا چاہ رہا تھا۔

نشا کے کہنے پر کارڈ رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ واٹر ورکس کا کارڈ سب کے سامنے ہی تھا، مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے گھاس پر رکھی اپنی "ہیل ٹوطیب اردگان" والی کیپ اٹھائی اور ان سے دور جھیل کی طرف چلا گیا۔

"صبح آبشار پر میں نے۔۔۔ آئی ایم سوری پری آپی۔۔۔ وہ میرے منہ سے یونہی، غلطی سے نکل گیا تھا۔ میں نے صرف مزاق کیا تھا، مجھے نہیں علم تھا کے اوانگجڈ ہیں۔ ورنہ۔۔۔ آئی ایم سو سوری پری آپی۔۔

تزبزب اور شرمندگی اس کے لہجے سے ٹپک رہی تھی۔

"اٹس اوکے ارسہ! میں نے برا نہیں مانا۔ تم یہ گیم سمیٹ لو"

"تھنکس" بے دلی سے گیم سمیٹ کر ارسہ اپنے خیمے کی طرف چلی گئی۔ پریشے نے گردن موڑ کر افق کو دیکھا۔ وہ جھیل کے کنارے، سر جھکائے جیبوں میں ہاتھ ڈالے خاموشی سے آہستہ چل رہا تھا۔

صبح وہ کتنا خوش تھا اور اب بھی اس کے ساتھ مل کر بے ایمانی کرتے ہوئے وہ کتنا ہشاش بشاش لگ رہا تھا، پھر ایک لفظ "منگیتر" سن کر یوں اس کے چہرے کی مسکراہٹ کیوں غائب ہو گئی تھی؟ پریشے نے گہری سانس لے کر گردن سیدھی کی۔ نشاء شا کی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ نظریں چراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی اور کشمیر سے آنے والی تیز سرد ہوائیں ان کے خیمے کے کپڑے کو پھڑپھڑا رہی تھیں۔ وہ اپنے سلیپنگ بیگ میں چت لیٹی خیمے کی چھت کو گھور رہی تھی۔

"پری" باہر سے کسی نے اسے پکارا تھا۔ وہ یک لخت اٹھ بیٹھی، پکارنے والا افق تھا۔ اس نے سلیپنگ بیگ کھولا قریب پڑا ہیٹ اٹھا کر سر پر رکھا اور خیمے کی زپ کھول کر باہر نکل آئی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سوچا کچھ دیر اکٹھے واک کرتے ہیں"

وہ کچھ کہے بنا افق کے ساتھ گھاس پر چلنے لگی۔ وہ دونوں ایک ہی انداز میں سر جھکائے گھوم رہے تھے۔ پریشے نے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے جب ک اس کے ہاتھ جیبوں میں تھے۔

"کیسا ہے وہ؟ تمہارا منگیتر"؟ چلتے چلتے بغیر تمہید کے افق نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں عجیب بے بسی اور شکست خوردی تھی۔ "اچھا ہے"؟

"سیف؟" اس نے پل بھر کو سوچا "امیر ہے، ہنڈسم ہے، ویل مینرڈ ہے، مجھ سے بہت محبت کرتا ہے"

وہ چلتے۔ چلتے جھیل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ رات کے اس پھر وہاں چھائی خاموشی کو ان پہاڑوں سے جنگلی جانوروں کے بولنے کی آواز چیر رہی تھی۔

"مگر تم۔ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا، وہ اچھا ہے؟"

"اچھا" بہت عجیب ہوتا ہے۔ افق! ایک ظالم وجابر بادشاہ اپنی راعایا کے لیے جتنا برا ہوتا ہے۔

یہ سب 100 پورے ہونے کی خوشی میں ہنس رہے ہیں۔

اپنی اولاد کے لیے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے پھر ہم اسے کیا کہیں؟ برا یا اچھا؟ یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لیے شاید میں تمہیں یہ نہ بتا سکوں ک وہ اچھا ہے یا نہیں، البتہ پسند ناپسند کی بات اور ہوتی ہے۔"

وہ جھیل کے کنارے گھاس پر بیٹھ گیا تھا۔ پریشے بھی اس کے بائیں طرف، اس سے ذرا پیچھے گھاس پر گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنا کر ان پر تھوڑی ٹکائے بیٹھ گئی۔ بر فیلی، تیز ہوا اس کا ہیٹ اڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم اسے پسند کرتی ہو؟" وہ سامنے چاندنی میں نہائی جھیل کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ میری پھوپھو کا بیٹا ہے، پاپا کو بہت پسند ہے، انہوں نے منگنی سے پہلے میری مرضی نہیں پوچھی تھی۔ پھوپھو نے رشتہ مانگا، انہوں نے فوراً ہاں کر دی۔ تم ہمارے ہاں کی "رشتوں کی بلیک میلنگ" کو نہیں جانتے۔ پاکستان میں رسم و رواج ترکی سے بہت مختلف ہیں۔ یہاں اگر رشتہ مانگنے پر کسی پھوپھی، چچا یا ماموں کو انکار کر دیا جائے تو وہ انا میں آ کر خون کے رشتے تک توڑ ڈالتے ہیں۔ پھوپھو کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ پاپا کی اکلوتی بہن ہیں، پاپا کا واحد خونی رشتہ جو اس دنیا میں ہیں۔ میں اس وقت شاید انکار بھی کر

دیتی مگر جب سیف کا رشتہ آیا تھا تو وہ ملی طور پر

اتنا مستحکم ہو چکا تھا کہ پاپا سے تعلق توڑ لیتا ملی مدد کے لحاظ سے کوئی گھاٹے کا سودا نہ ہوتا، پھر وہ پاپا کو بہت پسند ہے اور میں پاپا کو دکھ نہیں دینا چاتی تھی"۔

وہ گردن اٹھا کر آسمان کو دیکھنے لگی۔ وہاں ہر سو جگمگاتے تارے بکھرے تھے۔ جمادی الثانی کی آخری تاریخوں کا ہر پل گھٹتا چاند پوری جھیل کو چمکا رہا تھا۔

"تمہیں کبھی نہیں لگا کہ تمہاری زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی ایسا آئے گا جو تم سے محبت کرتا ہوگا، جس کو دیکھ کر تمہیں یہ لگے گا کہ یہی ہے جس کا ساتھ تمہیں عمر بھر کے لیے چاہیے؟"

پریشے نے مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی چوڑی پشت اور جھکے سر کو دیکھا۔

"بعض لوگ زندگی میں بہت دیر سے ملتے ہیں، افق ارسلان! اتنی دیر سے ک ہم چاہیں بھی تو انھیں اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنا سکتے"

"تو جو لوگ زندگی میں بہت دیر سے ملتے ہیں، ان کو آپ اپنی ترجیحات میں کس مقام پر رکھتی ہیں، ڈاکٹر پریشے جہاں زیب؟"

پری نے چونک کر اسے دیکھا، گردن اس کی طرف موڑے سختی سے لب بھینچے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ شکوہ کرتی خفا آنکھیں، طنزیہ لہجہ۔۔۔۔۔ وہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"میرے نزدیک ہر فرد کی اہمیت۔۔۔۔۔" تیز ہوا کا جھونکا اس کا ہیٹ اڑا کر لے گیا۔ وہ بات روک کر اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ "میرا ہیٹ" !

چند قدم دور جا کر اس نے گھاس اور پڑا ہیٹ اٹھایا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"چلو خیر۔ جانے دو تم منگنی شدہ ہو تو کیا ہوا، ہمارے درمیان ایک اور تعلق تو ہے ہی۔

وہ چونکی، "وہ کیا؟" اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"ہم اچھے دوست تو ہیں نا" وہ ایک دم پھر سے پرانا افق ارسلان لگنے لگا تھا۔ وہی پرانا ہنس مکھ اور اپنا اپنا سا۔

"ہاں، وہ تو ہیں۔ وہ کھل کر مسکرا دی۔

"تو پھر تم اس اچھے دوست کے ساتھ راکاپوشی آرہی ہونا؟" وہ پھر سے پرانے موڈ میں اگیا تھا۔

وہ دونوں ماہوڈھنڈ جی چمکتے پانیوں کے کنارے ٹہلنے لگے۔

"یہ میرے لیے ناممکن ہے۔ مجھے پاپا کبھی اجازت نہیں دیں گے"۔

"وہ بہت کنزرویٹو ہیں کیا؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اس لحاظ سے تو وہ بہت لبرل ہیں"

"اچھا۔۔۔ پھر؟"

"چار سال پہلے میں "سپانتک" کی ایکسپیڈیشن پر گئی تھی۔ بنیادی طور پر ملٹری ایکسپیڈیشن تھی، پاکستان نیوی کی۔ میں ایکسپیڈیشن ڈاکٹر کے طور پر یوں ہی ساتھ فٹ ہوگئی تھی۔ وہ بتا کر کے ہنسی، "بہت منتیں کی تھیں نذیر صابر کی، انہوں نے ہی ایڈجسٹ کرایا تھا مجھے پاک نیوی کے ساتھ۔ ہم نے بڑے کم وقت میں سپانتک کو سر بھی کرلیا مگر واپسی پر، چوٹی سے چند فٹ دور سے گر گئی۔ میرا بایاں کندھا بری طرح زخمی ہوگیا۔ اس کے بعد پاپا نے میری کوہ پیمائی اور پابندی لگادی۔ وہ۔ میرا اسکردو سے اگے، قراقرم کا پہلا تجربہ تھا۔ میں اور کرنا چاہتی تھی پر پاپا اجازت نہیں دیتے۔ وہ ڈرتے ہیں ک میں گر نہ پڑوں"

"میں تمہارے ساتھ ہوں گا تو تم کیوں گروگی؟" بہت اپنائیت سے افق نے کہا۔

"یہ بات تم میرے پاپا کو نہیں سمجھاسکتے"

"کوشش تو کر سکتا ہوں"

"نن۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے" وہ گھبرا کر تیزی سے بولی۔ پھر فوراً اپنی کفیت کو چھپا کر وضاحت کرنے والے انداز میں کہا، "وہ۔ نہیں مانیں گے، اس قصے کو چھوڑ دو"۔

"اچھا۔ ٹھیک۔ اور اگر زیادہ پرسنل نہیں ہو رہا تو ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھو"

"تم نے کبھی بتایا نہیں۔ تم کہاں رہتی ہو مری میں؟"

"ہم نے شاید اپنے بارے میں ایک دوسرے کو کچھ بھی نہیں بتایا افق!" وہ مسکرا کر بولی۔

"شاید۔۔ مگر تم کہاں رہتی ہو؟"

یہ وہ سوال تھا،، جس کا وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ پرسوں شام وہ اپنی تمام کشتیاں جلا کر واپس جانا چاہتی تھی ک جلی ہوئی کشتیوں پر سواری کر کے افق ارسلان اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

"میں اس ملک اور ان ہی پہاڑوں میں رہتی ہوں۔ قراقرم کے پہاڑ ہی میرا گھر ہیں" وہ سمجھ گیا ک وہ نہیں بتانا چاہ رہی، سو مسکرا کر بولا،

"ہاں، میں نے سن رکھا تھا ک قراقرم کے پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں"

"اور تم نے اس روز یہ بات جینیک یقین سے بھی کہی تھی ناں؟"۔

"میں اس بات سے بے خبر تھا ک تم پیچھے بیٹھی ہو"

"مگر میں پری نہیں ہوں" اس نے اداسی سے ہاتھ میں پکڑے ہیٹ پر کھلے سرخ گلاب کو دیکھا۔

"تم پری ہو"؟

"نہیں" اس نے نفی میں گردن ہلائی، "نام سے کوئی پری نہیں بن جاتا_ میرا صرف نام پری ہے"

"جانتی ہو پری! جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا تو مجھے کیا لگا تھا؟ یوں جیسے قراقرم کے پربتوں سے رستہ بھول کر مرگلہ کی اس پہاڑ پر برستی بارش میں پناہ لینے والی کوئی معصوم سی خوف زدہ سی پری ہو۔۔۔۔۔"۔

"میں نے عرصہ ہوا خوابوں کی دنیا میں رہنا چھوڑ دیا ہے۔ ٹوٹے خواب بہت اذیت دیتے ہیں۔ افق!

وہ خاموش رہا، پھر چند ثانیے بعد آسمان کو دیکھ کر بولا، "رات بہت گہری ہو چکی ہے اب سونا چاہئے"

"تم جاؤ، میں ابھی جھیل کے۔ کنارے بیٹھنا چاہتی ہوں" وہ اس سے دور جھیل ک کنارے پر بیٹھ گئی، جوتے اتار کر ایک طرف رکھے اور ماہو ڈھنڈ کے سیاہ نظر آنے والی جھیل جس پر چاندنی کی تہ چڑھی تھی، پاؤں لٹکا دیے۔

وہ اپنے خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ خیمے کی زپ کھولنے سے پہلے ایک لمحے کو اس نے پیچھے موڑ کر ضرور دیکھا تھا، جہاں وہ پانی میں پاؤں لٹکائے، چاند کی۔ میٹھی چاندنی کے خاموش گیت سن رہی تھی۔

#چھویں_چوٹی

ہفتہ،30جولائی2005ء

گھوڑے کی تیز دوڑتی ٹاپوں کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ دور خیموں کے قریب سے گھوڑا دوڑاتا اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ وہیں بیٹھی تھی جہاں رات کو افق نے اسے آخری بار دیکھا تھا۔ دور افق پر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ جھیل کا پانی سبزی مائل لگ رہا تھا، ابھی تک سورج کی کرنوں نے اس پر اپنا رقص شروع نہیں کیا تھا۔

"تم ادھر کیا کر رہی ہو؟" گھوڑا اس کے قریب لے جا کر افق نے رفتار کم کر دی۔

"زندگی میں پہلی دفعہ ہارنے کی سزا پوری کر رہی ہوں، مگر یا تو ماہوڈھنڈ کی مچھلیاں بہت ہوشیار ہیں، یا پھر میری قسمت بہت خراب ہے"

اس نے ہاتھ میں فشنگ راڈ پکڑ رکھی تھی۔

"اوہ خدایا۔ تم رات بھر یہی کرتی رہی ہو کیا؟" شہد رنگ آنکھوں میں حیرت در آئی۔

"سوئی نہیں ہو کیا"

"کسی دانشور نے کہا تھا، سونا وقت کا ضیاع ہے" وہ کیا کہتی کہ رات بھر نیند ہی نہیں آئی تھی۔

"بہت معذرت، مگر میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ آج کل ماہوڈھنڈ میں مچھلیاں نہیں ہوتی۔ گھوڑے کی لگام تھامے، آنکھوں میں شوخی لیے وہ مسکرا رہا تھا، وہ ابھی تک گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

"کیا" وہ چلا کر کھڑی ہوئی، گود میں رکھا ہیٹ نیچے گھاس پر گر پڑا۔

"تم۔نے مجھے غلط ڈیئر کیوں دیا؟"

"مجھے بھی اسی دانشور نے بتایا تھا کہ وقت ضائع کروانے کے اور بہت طریقے ہوتے ہیں۔ وہ ہنسا۔

"بہتر۔ اب تم نئی راڈ خریدنا" غصہ اتنا شدید تھا کے اس نے افق کی راڈ اٹھا کر جھیل کی طرف اچھال دی، راڈ نے ایک غوطہ کھایا اور پھر پانی میں ڈوب گئی۔

"میں یہ راڈ دریا سے ٹروٹ کا شکار کرنے کے لیے لایا تھا مگر تم نے خود کو ٹراوٹ کھانے سے محروم کر لیا ہے"

"میں ٹراوٹ کھائے بغیر بھی ایک اچھی زندگی گزار رہی ہوں" وہ ہیٹ سر پر رکھ کر چل پڑی۔

"سنو قراقرم کی پری"!۔

پریشے کے قدم زنجیر ہوئے تھے، اس نے پلٹ کر گھوڑے پر بیٹھے افق کو دیکھا۔

"تمہارے ساتھ ایک یادگار تصویر کھینچوانے کو دل چاہ رہا ہے؟"

"نہیں"! وہ دو قدم مزید اگے چل دی۔

"مگر میرا دل چاہ رہا ہے" وہ جست لگا کر گھوڑے سے اترا اور بھاگ کر اس کی طرف آیا۔ تیزی سے ہاتھ بڑا کر اس نے اس کا ہیٹ اتار دیا۔

"کیا ہے"؟ وہ ایڑیوں کے بل گھومی۔ افق نے اپنی کیپ اس کے سر پر رکھی۔

"تم یہ پہنو" اپنی جیکٹ، گھڑی اور مفلر اس نے پریشے کو تھما دیے اور اس سے اسکی گھڑی لے لی۔

"تم کرنا کیا چاہ رہے ہو"؟

"مڈل ایسٹ ٹیکنیکل یونیورسٹی میں ہمارے آخری دن میں نے اور جینیک نے ایک دوسرے کی ٹوپیاں، جیکٹیں، ٹائیاں، گھڑیاں اور سن گلاسز پہن کر تصویر کھنچوائی تھی۔ بہت یادگار ہے" اس نے افق کی چیزیں پہن کر اس کو اپنا ہیٹ پہنے دیکھا اور بے اختیار ہنس دی۔

"ہم مضحکہ لگ رہے ہیں، افق!"۔

"ہم نہیں، صرف تم!" مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا کر، اس نے دور کھڑے امیر حسن کو آواز دی وہ پاس آیا تو اشاروں سے تصویر کھینچنا سکھا کر اپنا پولارائیڈ کیمرہ اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

تصویر کے لیے دونوں گھوڑے کے ساتھ کھڑے ہو گئے، افق نے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

"تصویر بن کر آئے تو لکھ دینا کے گھوڑا میرے دائیں طرف ہے" پچھلی بات کا بدلہ اتار کر وہ خود ہی ہنس دی، اسی لمحے گھوڑے والے نے بٹن دبا دیا۔ فلیش چمکی اور چند ہی لمحوں بعد تصویر بھر نکل کر آ گئی۔

"ایک فوٹو گرافر کی حثیت سے تمہارا مستقبل بہت روشن ہے مسٹر "!اس۔ کے یوں ریڈی نہ کہنے پر وہ تصویر جھاڑتے ہوئے بہت جل کر بولا تھا۔ امیر حسن ٹکر ٹکر اس۔ کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"یہ شکریہ کہہ رہا ہے" اپنی ہنسی روک کر اسنے اسے بتایا۔

"خیر، اس کا قصور نہیں، تم سارے پاکستانی ریڈی کہے بغیر تصویر کھینچتے ہو" تصویر جھاڑتے ہوئے وہ مسکرایا۔

پری کو یاد آیا، مری میں اس نے بھی ریڈی کہے بغیر تصویر کھینچی تھی۔

"ہم بہت سے کام ریڈی کہے بغیر کرتے ہیں۔ خیر تصویر دکھاؤ"۔

اس نے تصویر افق کے ہاتھ سے لی۔ وہ ہنس رہی تھی، ہنستے ہوئے وہ گردن کو قدرے پیچھے پھینک دیتی تھی۔ ہنسی روکنے کو اس۔نے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا، کلائی میں موجود سیاہ گھڑی کے ڈائل کا اہرام چمک رہا تھا۔ افق گھوڑے کی لگام تھامے گردن موڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے سر پر موجود ہیٹ جس کا گلاب اب مرجھا سا گیا تھا، اس کو بلکل کاؤبوائے کی طرح دکھا تھا۔

"اچھی ہے" اس نے تصویر واپس کر دی۔

"تم رکھنا چاہتی ہو؟"

"نہیں" وہ اپنی تمام کشتیاں جلا کر جانا چاہتی تھی۔

"بہت اچھا" افق نے تصویر جیکٹ کی جیب میں ڈال لی، جو پریشے اسے دوسری چیزوں کے ساتھ واپس کر چکی تھی۔

"رائیڈنگ کرو گی"؟

"نہیں، مجھے گھوڑوں سے ڈر لگتا ہے" وہ فورن پیچھے ہٹی۔

"ایک بہادر کوہ پیما کو گھوڑے سے ڈر نہیں لگنا چاہیے"

"بلکل ایسے ہی، ایک بہادر کوہ پیما کو برے خواب سے بھی نہیں ڈرنا چاہیے" وہ سوچ کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ۔ یہ بہت اچھا گھوڑا ہے، خوبصورت عورتوں کا احترام کرتا ہے" وہ اسکی بات کو نظر انداز کر گیا۔

"شکریہ، مگر میں تو لڑکی ہوں"۔

"اچھا اوپر بیٹھو ناں، ایک پاؤں ادھر رکاب پر رکھو۔۔۔ رکھو تو سہی" اسکے اصرار پر قدرے ہچکچاتے ہوئے وہ اگے بڑھی اور پاؤں رکاب میں ڈالا۔

"اوکے، اب دیاں ہاتھ میرے کندھے پر رکھو اور بیان پیٹھ پر"

"کس کی پیٹھ پر"؟ وہ چڑھتے چڑھتے رکی۔

"گھوڑے کی پیٹھ، مادام! وہ تحمل سے مسکراہٹ دبائے بولا۔

"اچھا" وہ شرمندہ سی ہنسی، پھر قدرے ڈرتے ہوئے، اس کے کندھے کا سہارا لے کر گھوڑے پر بیٹھ گئی۔

"ڈرو نہیں، میں نے کہا نا یہ خوبصورت عورتوں کا احترام کرتا ہے" اس کی ڈری ہوئی صورت دیکھ کر وہ بظاہر سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے زمین پر پٹخنا اس کے احترام کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟" وہ اپنی تمام کوشش کے باوجود گھوڑے سے سخت خوف زدہ تھی۔

"یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا، خیر تم یہ باگ پکڑو اور اس طرح کرو گی تو یہ چل پڑیگا۔

پریشے نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا، "کیا مطلب؟ تم نہیں بیٹھو گے؟"

"نہیں۔ فکر مت کرو، یہ تمہیں نہیں گرائے گا"

"نہیں نہیں، مجھے اتارو۔ مجھے نہیں بیٹھنا اس پر۔" وہ گھبرا گئی تھی۔

"کم ان پریشے ڈیئر، یہ زیادہ سے زیادہ تمہیں ماہوڈھنڈ میں پھینک دے گا؟ تو پھینک دے۔۔۔ میں تمہارے پیچھے پانی میں چھلانگ لگا دوں گا"۔

"مگر تم تو کہہ رہے تھے کے تمہیں سوئمنگ نہیں آتی"

"ہاں مگر مجھے ایک پری کے پیچھے جھیل میں ڈوبنا تو آتا ہے ناں" وہ اس کی حالت۔ سے محفوظ ہو رہا تھا۔

"پلیز مجھے نیچے اتارو۔ یہ مجھے گرا دے گا" وہ رو دینے کے قریب تھی۔

"یہ اچھا گھوڑا ہے، خوبصورت عورتوں کا۔۔۔" فقرہ اس کے لبوں میں تھا جب بے حد گھبراہٹ میں پری نے گھوڑے سے اترنا چاہا، گھوڑا ایک دم کسی گولی کی طرح تیز رفتار سے بھاگا تھا۔

"افق" وہ چلائی تھی۔

"اوہ گاڈ۔۔۔ پری، اسے روکو۔۔۔ نیچے مت اترو" وہ جو اتنی دیر سے مزاق کر رہا تھا، گھوڑے کو بھاگتا دیکھ کر بوکھلا گیا۔ مگر وہ اس سے زیادہ بوکھلائی ہوئی تھی، سو لگام چھوڑ کر نیچے چھلانگ لگا دی، اس کا بایاں پاؤں رکاب

میں پھنس گیا اور وہ تیورا کر گھاس پر گری۔ کھینچ کر پاؤں رکاب سے آزاد کر یا مگر اس کا بایاں ہاتھ ایک پتھر سے ٹکرا کر معمولی سا زخمی ہو گیا تھا۔ وہ بمشکل سیدھی ہوئی۔ اس کا ہیٹ اڑتا ہوا دور ماہوڈ ھنڈ میں جا گرا تھا اور اب نیلے سبزی مائل پانی کی سطع پر تیر رہا تھا۔

"پری۔۔۔ تم ٹھیک ہو"؟ وہ بھگتا ہوا اس تک آیا تھا اور پنجوں کے بل اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"میں مزاق کر رہا تھا آئی ایم سوری۔ مگر تمہیں کس نے کہا تھا ک تم لگام کھینچ دو"؟

"تم نے ہی کہا تھا" اس نے شکوہ کرتے ہوئے بڑی بڑی آنکھیں اٹھائیں، جن میں آنسوں بہہ رہے تھے۔

"میں تو بس یو نہی۔۔۔" وہ سخت شرمندہ تھا۔

"ادھر دکھاؤ، ہاتھ کو کیا ہوا ہے"؟ افق نے اس کا ہاتھ تھام لیا، جس میں انگلیوں کے نیچے، ہتھیلی پر رگڑنے سے ایک معمولی سا کٹ اگیا تھا جس سے بمشکل خون کی دو تین بونڈیں ٹپکی تھیں مگر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"کیا بہت درد ہو رہا ہے"؟ وہ جواب دیے بنا سر جھکائے اپنے زخمی ہاتھ کو دیکھتی رہی۔ آنسوں اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

"اچھا دیکھو رو تو مت، میں دوا لے کر آتا ہوں ٹھیک؟"

وہ اسے کیسے بتاتی ک وہ اس معمولی خراش پر نہیں رو رہی، رات بھر سے اندر جمع ہوئے آنسوں کو کسی صورت تو راستہ ملنا ہی تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا، پریشے نے دائیں ہاتھ کی پشت سے آنسوں۔صاف کیے "بس سنی پلاسٹ لے آؤ"

وہ جاتے جاتے پلٹا "کیا؟"

"پلاسٹک والا بینڈ تیج"

"اچھا یو مین سانیتا بانت؟ ابھی لایا" وہ سمجھ کر اپنے خیمے میں چلا گیا۔شاید ترکی میں سنی پلاسٹ کو سانیتا بانت کہتے ہو گے۔

وہ وہیں گھاس پر بیٹھی اپنی قسمت کی لکیروں کے درمیان لگے کٹ کو دیکھتی رہی۔وہ سنی پلاسٹ لے کر واپس بھی آ گیا۔

"اب خبر دار، رونا نہیں ہے" اس کے ہاتھ اور سنی پلاسٹ کی طرز کا بینڈ تیج لگا کر وہ پری کو ڈانٹتے ہوئے بولا،

"اتنی پیاری آنکھوں۔کو رو رو کر سرخ کر ڈالا ہے تم نے"

اس نے چونک کر نم آنکھوں سے اپنے ساتھ گھاس پر بیٹھے افق کو دکھا براہ راست اس ندا سے خوبصورت کہا تھا، اس کے دل میں جیسے کوئی نرم احساس جگا تھا۔

"اب درد ہو رہا ہے"؟ وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔وہ کہنا چاہتی تھی کے ہاں، درد تو بہت ہے اذیت دیتا درد اس کے دل میں ہو رہا ہے، مگر اس نے گردن کو نفی میں جنبش دی۔

"گڈ۔اب اپنی آنکھیں صاف کرو۔اپنی چیخوں سے تم نے نشا اور ارسہ کو اٹھا ہی دیا ہو گا۔ابھی آ کر پوچھیں گی کہ میں نے ایک منگنی شدہ لڑکی کو کیا کہہ ڈالا کہ وہ یوں رو رہی ہے"۔

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، "تم نے تو کہا تا یہ گھوڑا خوبصورت عورتوں کا احترام کرتا ہے"؟

"ہاں مگر تم تو لڑکی ہوناں!" وہ بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پریشے نے تاسف سے ماہوڈ ہند کو دیکھا سبزی مائل نیلے پانی پر اس کا ہیٹ تیر رہا تھا، افق نے اسکی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"جانے دو۔ تم نیا لے سکتی ہو"

"اونہوں"۔ اس نے اداسی سے نفی میں گردن ہلائی۔ "نئے ہیٹ پر ایسا باسی سرخ گلاب لگا ہو گا جس کی پتیاں کنارے سے سیاہ ہو کر مرجھائی ہوں گی"

"صحیح کہہ رہی۔ ہو۔ بعض چیزیں کھو جائیں تو پھر نہیں ملتیں، ان۔ کا نعم البدل بھی نہیں ملتا اور بعض انسان بھی۔ چلو خیموں کی طرف چلتے ہیں"۔

وہ ساتھ ساتھ گھاس پر چلنے لگے، وہ ننگے پاؤں تھی جب ک افق کے پاؤں میں جرابیں تھیں۔

"تمہارا ڈیر ابھی تک نامکمل ہے"

"جانتا ہوں اور میں تمہیں اب کوئی مشکل dare دو گا"

"مگر وہ را کا پوشی کر کرنے سے متعلق نہیں ہو گا" اس نے متنبہ کیا۔

"اوکے، اب سنو۔ نشا کہہ رہی تھی اس کے بھائی کے کسی دوست کا باپ کسی انٹیلی جینس ایجنسی کا چیف ہے"؟

"ہاں ہے پھر؟"

"تم اسے کہو، اپنے صدر سے کہہ کر مجھے گورنمنٹ اف پاکستان کی طرف سے کوئی صدارتی ایوارڈ دلوا دے"۔ وہ بچوں کے انداز میں ضد کر رہا تھا۔

اسے ہنسی آگئی۔ "تمہیں ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ایوارڈ لینے کا شوق کیوں ہے"؟

"میں بیس سال بعد اپنے سفر نامے میں لکھنا چاہتا ہوں ک جب میں اسلامی دنیا کے سب سے طاقت ور ملک میں گیا تو اس۔ کے "پادشاہ" نے میری خوب آؤ بھگت کی وغیرہ وغیرہ۔ سمجھا کرو نا شو آف"۔

"خیر حسیب کے دوست کا باپ ایک سرکاری ملازم ہی ہے، رچرڈ آرمیٹج نہیں جو اس کی بات مان لی جائے گی. "

افق ہنس پڑا۔ "کیا خوب بات کہی۔ عراق امریکا جنگ میں امریکا ہماری منتیں کرتا رہا تھا مگر ترکی نے اور طیب اردگان، نے اپنی سرزمین استعمال کرنے کی۔ اجازت نہیں دی"۔ وہ دونوں گھاس پر چلتے ہوئے اردگان، مشرف اور افغان جنگ کی باتیں کرتے رہے۔ خیموں کے بجائے جھیل کی طرف آئے تھے۔ سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا فجر کا وقت تھا۔

"میں نے نماز نہیں پڑھی، تم ٹھہرو، میں وضو کر لوں"۔

وہ جھیل کے پانی کے قریب چلا گیا اور گھاس پر پنجوں کے بل بیٹھ کر چلتے صاف پانی سے ہاتھ دھونے لگا۔

وہ اسکے ساتھ کھڑی مسکراتے ہوئے اسے وضو کرتے دیکھنے لگی۔ بازو کہنیوں تک دھو کر

اس نے کیپ اتاری اور مسح کیا پھر دونوں پاؤں کی جرابیں اتار کر انھیں پانی میں ڈبو کر دھونے لگا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی انگلیوں کی حرکت کو دیکھ رہی تھی، یک دم اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"افق۔۔۔۔یہ۔۔۔۔" وہ بے یقینی سے اس کے بائیں پاؤں کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ کوہ پیماؤں کی زندگی ہے، مادام جہاں زیب۔۔کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑھتا ہے" وہ بہت اطمینان سے اپنا بایاں پاؤں دھو رہا تھا جس کی آخری دو انگلیاں نہیں تھیں۔

"مگر۔۔۔۔۔کیسے۔۔۔۔۔یہ کیسے ہوا"؟ اس کے الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے۔

افق نے لاپروائی سے شانے اچکا دیئے، "فروسٹ بائٹ" اب وہ جرابیں واپس پہن رہا تھا۔

"نماز قضا ہو گئی ہے شاید مجھے جانے کیوں دھیان ہی نہیں رہا"۔ وہ افسوس کرتا گھاس سے کیپ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"کتنی دیر رکنا پڑے گا ادھر"؟ پریشے نے قدرے جھنجھلا کر پوچھا۔ یہ ماہوڈھنڈ سے انے کے دوران پہلی بات تھی، جو اس نے کہی تھی۔ ورنہ وہ افق کی طرح بلکل خاموش رہی تھی مگر جب لینڈ کروزر سڑک کے درمیان میں رک گئی تھی تو اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"جب تک یہ پتھر راستے سے نہیں ہٹے گا، ہم آگے نہیں جا سکتے"۔

ابھی آدھا گھنٹہ پہلے محض پانچ منٹ کی بوندا بندی ہوئی تھی، جس سے سڑک کے بلکل بائیں طرف پہاڑ سے چپکا ایک دیو قامت پتھر ذرا سا سرک کر دائیں طرف ہو گیا تھا اور اس کے ذرا سے سرکنے پر گاڑیوں کی ایک لمبی قطار جو دوسری جانب سے آرہی تھی، رک گئی تھی، وہ جگہ اتنی تنگ تھی ک اگر پتھر کے سائیڈ سے گاڑی نکلنے کی کوشش کی جاتی تو وہ سیدھا کھائی میں بہتے اشو میں گر جاتی۔ یہ جگہ آبشار اور اشو ویلی کے درمیان میں تھی، ان کی گاڑی کے پیچھے آبشار سے پلٹنے والی گاڑیوں کی لمبی قطار تھی اور دوسری جانب سے آبشار پر انے والی گاڑیوں کا قافلہ تھا۔

لوگ گاڑیوں سے نکل کر اس وزنی پتھر کو دھکا دینے لگے تھے، مگر وہ بل کے ہی نہیں دے رہا تھا۔

"اس۔ کو امریکا سمجھ کر دکا (دھکا) لگاؤ" ایک گاڑی کے پٹھان ڈرائیور نے جوش سے ماحول کشت زعفران بن گیا
۔

"آؤ نیچے دریا پر اترتے ہیں" وہ افق کے کہنے پر خاموشی سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔

اتنی دیر سے کیا سوچ رہی ہو"؟ مسلسل خاموشی سے وہ جلدی ہی اکتا گیا تھا۔

"یہی ک ہم کل یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس حسین وادیوں اور مرغزاروں کو چھوڑتے ہوئے میں بہت اداس محسوس کر رہی ہوں"۔

"تم حسین یادیں ساتھ لے جا رہی ہو"۔

" بچھڑنے کا دکھ حسین یادوں کو دل پر لگا گھاو بنا دیتا ہے۔ جو وقت گزرنے کے ساتھ ناسور بن جاتا ہے اور ناسور کوئی مسیحا نہیں بھر سکتا، وقت بھی۔ نہیں"۔ وہ سر جھکائے احتیات سے پتھروں پر پاؤں رکھ رہی تھی چلتے چلتے اس نے جوتے کی نوک سے ایک پتھر ہٹایا، نیچے بے تحاشا سیاہ موٹے موٹے کیڑے تھے، اس نے فورن پتھر واپس رکھ دیا۔ کیڑے دب گے۔

"ہم بچھڑ نہیں رہے۔ ہم پھر ملیں گے۔ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے"

وہ چونکی "کدھر"؟۔

"رکاپوشی بیس کیمپ میں آٹھ تاریخ کو بیس کیمپ میں میں تمہارا انتظار کروں گا"

"کم آن"!۔ اس نے سر جھٹکا ایک زخمی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر گئی۔

"میں دمانی نہیں آؤں گی"

"تم دمانی ضرور آؤ گی"۔ وہ پر یقین تھا۔

ہنزہ کے باسی رکاپوشی کو پیار سے دمانی کہتے تھے۔

"تمہیں اتنا یقین کیسے ہے"؟۔

"ایسے ک تمہیں معلوم ہے ک میں تمہارا انتظار کرو گا"۔

"تم بے جا انتظار کرو گے۔ میں نہیں آؤں گی۔ چلو اوپر چلتے ہیں۔ شاید امریکا میرا مطلب ہے پتھر اب سرک چکا ہو"۔ وہ واپس اوپر چڑھنے لگی۔ دریا ان سے کئی فٹ نیچے نشیب میں بہہ رہا تھا

"ہم اچھے دوست بھی تو ہیں، پری!"۔

)ہم اچھے دوست "ہی" تو ہیں؟ ہم اور کیا ہیں؟)وہ پوچھنا چاہتی تھی، اس کے جذبات کی شدت ان کہے تعلق کی نوعیت، مگر بولی تو بس یہ ک "میری شادی ہے اور مجھے اس کی تیاری کرنی ہے میں نہیں آسکوں گی تمہیں بیس کیمپ سے سی آف کرنے بھی نہیں"

"مجھے بلاؤ گی اپنی شادی میں"؟

وہ ایک لمحے کو چپ سی ہو گئی۔ وہ ہنس پڑا۔

"میں مزاق کر رہا تھا، جانتا ہوں تم مجھے اپنی خوشیوں میں کبھی شریک نہیں کرو گی"۔

"خوشیوں میں؟" اس نے یاسیت سے سوچا۔ کتنا بڑا مزاق کیا تھا افق نے بچھڑتے وقت۔ مگر اس نے کہا تھا وہ بچھڑ نہیں رہے اور اگلی شام، 31 جولائی کو پشاور ائیر پورٹ پر اسے سی آف کرتے ہوئے بھی اس نے یہی کہا تھا۔

"میں تم سے دوبارہ ملنے کا منتظر ہوں"۔

"میرا خیال ہے، میں تمہیں زندگی میں آخری دفعہ دیکھ رہی ہوں"۔

افق نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا، "میں نے کہا ناں۔ ہم بچھڑ نہیں رہے میں رکاپوشی بیس کیمپ میں ایک بہت اچھی کوہ پیما کا منتظر رہوں گا"۔

اپنے بیگز کی ٹرالی دھکیل کر ڈیپارچر لاؤنج کی طرف بڑھتے وقت پریشے نے ایک اداس نظر اس پر ڈالی۔

"میں نہیں آؤں گی، افق! کوہ پیما کو اب پری کو بھلا دینا چاہیے"۔

"کوہ پیما اور پری کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میں قراقرم کے تاج محل پر قراقرم کی پری کا انتظار کروں گا"۔

وہ مسکرایا، شہد رنگ آنکھیں چھوٹی ہو گئیں، پھر اس کی مسکراہٹ دھندلا گئی۔ اس کے ہر نقش پریشے کی آنکھوں میں چھائی دھند میں دھندلا ہوتا چلا گیا۔ وہ تیزی سے مڑی اور بھاگ کر وہاں سے چلی گئی، اس سے پہلے ک قدم یونانی دیومالا کے اس کردار کا کوئی لفظ روایات میں اس کے قدموں کو زنجیر کر دیتا۔

۔ منگل، 2 اگست 2005ء

"میں کھانے کو دیکھ لوں" کہہ کر وہ لاؤنج سے جانے ہی لگی تھی ک پاپا نے روک کر آہستگی سے کہا، "وحید سے کہو، بازار سے چپلی کباب بنوا لائے"۔

"جلیل کے"؟ وہ بے خیالی سے بولی۔

"کیا" وہ سمجھ نہ پائے تھے۔

"نہیں نہیں۔ کچھ نہیں۔ میں وحید سے کہتی ہوں"۔

وہ گڑبڑا کر سنبھلی۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہو پری بیٹا۔ خامکھا اتنی دور چلی گئیں۔ بھلا کیا رکھا ہے ادھر؟"۔ پھپھو پاپا کے سامنے پیار جتاتی اسے بہت مصنوعی لگ رہی تھیں۔ (ادھر کیا رکھا تھا؟ ادھر ہی تو سب کچھ رکھا تھا)۔

"بس یونہی"۔ وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی اور کچن میں آ گئی۔ پھوپھو ٹھیک کہہ رہی تھیں، اس نے کچن کے کیبنٹ کے شیشے میں اپنا عکس دیکھ کر سوچا، وہ واقعی بہت کمزور اور الجھی الجھی لگ رہی تھی۔ یہ اسے کیا ہو گیا تھا؟

"میں قراقرم کے تاج محل پر قراقرم کی پری کا انتظار کروں گا" وہ آواز کو کسی نغمہ ساز کی دھن سے زیادہ خوبصورت تھی، پچھلے تین دن سے اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھی۔

وہ اس کا انتظار کرے گا اور اسے نہ پا کر واپس چلا جائے گا۔ قراقرم کی پری اور کوہ پیما کی کہانی کا یہی منتقی انجام تھا پھر وہ کس کر لیے اداس تھی؟ اس کے لیے جس نے ایک دفعہ بھی نہیں کہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، جس نے یہ تک نہیں بتایا تھا کہ اس کا گھر ترکی کے کس شہر میں ہے؟ پھر وہ کیوں اتنی جذباتی ہو رہی تھی؟۔

ان دو تین دنوں میں خوش گمانی کے سارے رنگ اس کی آنکھوں سے اتر چکے تھے۔ وہ بے شک اس سے محبت کرنے لگی تھی، مگر وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے، یہ اس نے کیسے اخذ کر لیا تھا۔

اب غیر جانبداری سے اس معاملے کو دیکھتی تو اسے لگتا کہ وہ یک طرفہ محبت کا شکار تھی۔

"پری کسی ہو"؟ وہ سلاد کاٹ رہی تھی جب سیف بغیر کسی دستک کے اندر داخل ہوا اور عین اس کے پیچھے آ کر بولا۔ وہ چونک کر پلٹی۔ سیف کو اتنے قریب دیکھ کر ناگواری سے اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"آپ اندر جا کر بیٹھیں میں کھانا لگانے ہی لگی ہوں" وہ واپس پلٹ کر جھک گئی۔

"میں ادھر ٹھیک ہوں۔ تم نے فون نہیں کیا وہاں سے؟"۔

"پاپا کو کرتی تھی روزانہ یہ بہت تھا"۔ اس کا انداز اتنا روکھا تھا کہ سیف چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"پھر بھی۔۔۔۔ خیر گنوار قسم کے پہاڑی لوگوں میں جا کر رہنا کیسا تجربہ تھا؟"۔

اس نے زور سے چھری رکھی۔ "پہاڑی لوگ گنوار نہیں، مخلص اور بہادر ہوتے ہیں"۔

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ حیات آباد کے دکان داروں سے زیادہ چرب زبان اور بے ایمان کوئی نہیں ہوتا"۔

"دکاندار تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں، چاہے حیات آباد کے ہوں یا اسلام آباد کے" اب وہ سلاد میں لیموں نچوڑنے لگی۔

"پری" پاپا نے اسے آواز دی۔ وہ "جی" کہہ کر سیف کو مکمل طور نظر انداز کر کے باہر آ گئی۔

"اپنے ماموں، ممانی کو بلالاؤ"۔ وہاں اس کی شادی تاریخ رکھی جا رہی تھی اور ماموں، ممانی کی موجودگی لازمی تھی۔

"ہاں ہاں، ان کو بھی ہونا چاہیے۔ آخر کو اکلوتی بھانجی ہے" پھپھو نے فوراً خوش ہو کر کہا۔ وہ انھیں دیکھ کر رہ گئی۔

"جاتی ہوں پاپا" وہ دانستہ لاؤنج کے دروازے سے باہر گئی، نہ کہ کچن سے، کیوں کے وہاں سیف تھا۔

اسے سیف اور پھوپھو جتنے برے اور منافق آج لگ رہے تھے، اتنے پہلے کبھی نہیں لگے تھے۔ پہلے وہ ان کو پسند نہیں کرتی تھی مگر اب ناپسند کرنے لگی تھی۔ اس کا رویہ اتنا روکھا پھیکا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، جتنا آج وہ بے اختیار

کیے ہوئے تھی۔ پچھلے آٹھ دنوں نے اسکی زندگی بدل ڈالی تھی۔ اگر ایک دفعہ انسان پہاڑوں پڑ چلا جائے، تو پھر زندگی کبھی پہلے جیسی نہیں رہتی۔

نشاء کے لان میں آج پھر وہ لڑکا۔۔۔۔ حسیب کے ساتھ بیٹھا کاغذ پر کوئی لسٹ بنا رہا تھا اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم پری آپا"۔

"ڈونٹ کال می آپا"۔ وہ ناک سکوڑ کر کہتی اندر چلی آئی۔ وہ اسے بہت برا لگتا تھا۔

ماموں اور ممانی لونگ روم میں ہی تھے۔ اس نے چہرے کے زاویے درست کرتے ہوئے انھیں سلام کیا۔

"وہ آپ کو پاپا بلا رہے ہیں، دراصل پھپھو آئی ہوئی ہیں تو پاپا نے کہا کے آپ لوگ بھی آ جائیں"۔

"اچھا ڈیٹ فکس کرنے آئی ہوں گی۔ تم جاؤ پری! ہم آرہے ہیں"۔ ماموں نے کہا۔

"اور کھانا وغیرہ سب ٹھیک ہے نا، کوئی مدد چاہیے تو بتاؤ، بنوا دوں تمہارے ساتھ کچھ" ممانی بلکل ماؤں والے انداز میں فکرمند ہو رہی تھیں، وہ مسکرا دی۔

"مامی سب کچھ تیار ہے۔ بس آپ لوگ آجائیں"۔ وہ وہاں سے جا رہی تھی، جب ماموں نے دھیرے سے ممانی سے کہا۔

"میرا بیٹا بڑا ہوتا تو میں کبھی پریشے کو ان ناقدروں میں نہ جانے دیتی"۔

"کبھی میں سوچتا ہوں ک جہاں زیب سے ایک دفعہ تو پوچھو ک سیف میں اچھی شکل اور پیسے کے علاوہ اسے کیا نظر آیا جو اس نے۔۔۔۔"اس سے اگے وہ سن نہ سکی ک باہر آگئی تھی۔

وہ دونوں لان میں بیٹھے تھے، اس کو دیکھ کر بولتے بولتے رک گئے۔

"ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"وہ ان کے قریب سے گزر کر جانے ہی لگی تھی، مگر کسی خیال کے تحت رک کر پوچھ لیا۔ وہ اس کا نام ہمیشہ بھول جایا کرتی تھی۔

"مصعب۔۔۔۔ مصعب عمر۔۔۔۔"وہ کھڑا ہو گیا۔

"تم وہی ہو نا، تمہارے ابا شاید کور کمانڈر تھے اور پچھلے سال شاید ان کو ایجنسی کا اعلی عھدہ دے دیا گیا ہے، ہے ناں؟"

"بلکل! پنڈی کو ان جیسا ہنڈسم کور کمانڈر آج تک نہیں ملا"وہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"میں نے سنا ہے ان کو اگے بھی "بہت زیادہ"ترقی ملنے کے چانسز ہیں اور یہ ک وہ صدر کے خاص دوستوں میں شمار ہوتے ہیں"وہ بڑے اکھڑے اکھڑے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"میں نے کبھی ان سے پوچھا نہیں"۔

"کم آن۔ اتنا تو مجھے بہت پتا ہے ک پنڈی کا کور کمانڈر آرمی چیف کا فیورٹ ہو تا ہے"۔

"فیورٹ کی بات نہیں ہے بعض لوگوں میں اتنی خوبیاں ہوتی ہیں ک آپ کے لیے انھیں نظر انداز کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور مجھے زیادہ نہیں پتا ہوتا۔ یو سی، میں ادھر نہیں گھوڑا گلی میں ہوتا ہوں"۔ اس نے لاپروئی سے شانے اچکائے۔

پریشے نے کھڑے کھڑے اسے گھور کر دکھا۔ "ویسے باجیوں کی عمر کی لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی بجانا بھی لارنس کالج میں سکھایا جاتا ہے"؟

"وہ پریشے آپی، میں۔۔۔۔۔"

"جسٹ ڈونٹ کال می آپی" وہ کھٹ کھٹ کرتی وہاں سے چلی گئی۔

بدھ 3 اگست 2005ء

"میں گھنٹے تک تمھیں پک کرلوں گ، ڈنر ساتھ کریگے" سیف کا اس کے موبائل پر فون آیا تھا

"کدھر"؟

"کسی ریسٹورنٹ میں یار! "

"نمبر ایک میں کوئی "یار" نہیں ہوں۔ دوسری بات، میں ابھی بہت بزی ہوں،" اس کا انداز کھردرا سا تھا۔

"تم اپنی مصروفیت ملتوی کر دو اور۔۔۔۔"

"سیف، میری کال آرہی ہے، میں بعد میں بات کرتی ہوں" اس نے موبائل اف کر دی تھی۔ اسے یاد آیا افق نے گہری رات میں اسے جھیل کے کنارے واک کرنے کو کہا تھا، تو وہ ساتھ چل پڑی تھی، مگر سیف پر اسے ذرا برابر اعتبار نہ تھا۔

"کیا وہ شخص اس کی قسمت میں نہیں ہو سکتا تھا؟ اگر ایسا تھا تو وہ دونوں برستی بارش میں مرگلہ کی پہاڑیوں پر ایک دوسرے سے کیوں ٹکرائے تھے؟" وہ ہمیشہ یہ بات سوچتی تھی۔

چائے کا مگ اس نے ٹرے میں رکھا اور پاپا کے کمرے کے قریب آکر در پر دستک دی۔

"آؤ پریشے" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بزنس میگزین دیکھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر میگزین رکھ دیا۔

"کیا پڑھ رہے تھے آپ؟" ان کو چائے کا مگ تھما کر وہ بیڈ کی پائینتی پر ٹک گئی۔

"شوکت عزیز کی بتائی گئی گروتھ ریٹ میں اضافے کی فگرز کا رٹیل فگرز سے موزانہ، آدمی اسٹاک مارکیٹ سکینڈل کا حصہ رہا ہے، یہ تو اس ملک کا اکانومی تباہ کر دے گا۔ اور باقی جھوٹ۔۔۔" وہ۔ کہتے کہتے اس کے چہرے کا تاثرات کو دیکھ کر رک گئے۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

"پاپا۔۔۔۔وہ۔۔۔اگر آپ اجازت دیں تو وہ البر تو ہے۔نا۔۔۔میں نے آپکو بتایا تھا ک البر کی گیارہ افراد کی ایکسپیڈیشن ٹیم رکاپوشی summit کرنے جارہی ہے ایک ترکی کا ایکسپیڈیشن اور بھی ہے، بائیس دن کی کوہ پیمائی ہو گی اور۔۔۔۔۔"

"تم ان کے ساتھ آٹھ ہزار میٹر بلند پہاڑ پر۔جانا چاہتی ہو"؟ان کے لہجے میں سنجید گی تھی۔

"آٹھ ہزار کہاں، رکاپوشی تو بس سات ہزار اور چند میٹر بلند ہے"۔(اس خیال نہیں آیا ک چند میٹر 788 میٹر تھا)۔

"اور اس کی کلائمب تو خاصی مختصر ہے"۔

دنیا کا طویل ترین رج ہے)۔ Ridge اس نے دعا کی ک ان کو۔علم نہ ہو ک رکاپوشی کا شمال مغربی)

"اور موسم تو ادھر بلکل بھی خراب نہیں ہوتا"(اس نے یہ بھی نہیں بتایا ک البر تو اپنی ٹیم کے ساتھ کئی دن سے رکاپوشی بیس کیمپ میں موسم ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہا ہے)۔"میں چلی جاؤں پاپا؟"۔

"تم جانتی ہو، میں تمہیں اجازت نہیں دوں گا"۔ان کا لہجہ قطعی تھا۔

"جی"وہ مایوس ہو کر وہاں سے چلی آئی۔

باہر برآمدے میں آکر وہ ستون سے ٹیک لگا کر سیاہ آسمان کو دیکھنے لگی۔ تاریکی کے پردے کی اوٹ سے کمان سا باریک چاند جھانک رہا تھا۔ پریشے نے اداسی سے چاند کو دکھا، یہ چاند ہنزہ کے آسمان پر بھی روشن ہو گا، نگر کے دریا کے پانی پر چاندنی کی پریوں نے رقص کیا ہو گا، ہو سکتا ہے اس وقت افق ارسلان بھی اسے ہی دیکھ رہا ہو، اس کے روشن وجود میں کسی اور کو تلاش کر رہا ہو۔

"میں قراقرم کے تاج محل پر قراقرم کی پری۔ کا انتظار کروں گا"۔ یونانی دیومالا وہ کردار قراقرم کے تاج محل پر اس کا انتظار کر رہا تھا، مگر وہ وہاں نہیں جا سکتی تھی۔ پری کے پر کاٹ دیے گئے تھے۔

پھر پتا نہیں اس کے دل میں کیا سمائی، وہ اپنے کمرے میں آئی اور دیوار پر لگے پوسٹر زا تارنے لگی۔ اتار کر کچن میں آگئی اور۔ چولہا جلایا۔

مایہ ناز کوہ پیما اور دنیا کے بلند پہاڑ اس نے آگ میں ڈالنے شروع کر دیے، ایورسٹ، کے تو، براڈ پیک، گیشر برم تو، nuptse، Annapurna کی دیوار، سب اس کے چولہے میں جل رہے تھے۔ زندگی میں ایک مقام ایسا آجاتا ہے جہاں انسان کو اپنے تمام خوابوں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ پریشے کی زندگی میں وہ مقام آگیا تھا۔

"پری" اس نے چونک کر بھیگے چہرے کے ساتھ پیچھے دکھا۔ پاپا دروازے میں حیران سے کھڑے تھے۔ اس نے جلدی آنسوں صاف کیے۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" انہوں نے اگے بڑھ کر چولہا بند کیا اور اس کے ہاتھ میں موجود آخری پوسٹر تھاما۔ توماز ہومر نانگا پربت کے سامنے کھڑا تھا۔

"انھیں کیوں جلا رہی ہو؟ یہ تو تم۔ نے بہت شوق سے خریدے تھے"۔

"بس پاپا، اس شوق کا کیا فائدہ جو صرف خوابوں تک محدود رہے"۔ زبردستی مسکرانے کی کوشش کی آنکھیں مزید بھیگتی چلی گئیں۔ کتنی ہی دیر وہ اس کو مزید دیکھتے رہے، ان کی پیاری اور فرماں بردار بیٹی یوں رو رہی تھی، وہ بھی ایک چھوٹی سی خوائش کے پیچھے؟۔

"تم جاسکتی ہو، پری" !

"جی، میں سونے جا ہی رہی تھی" وہ سر جھکا کر ان کے سامنے سے ہٹنے ہی لگی تھی ک انہوں نے کہا۔

"تم رکاپوشی جاسکتی ہو"۔

وہ جاتے جاتے تیزی۔سے ایڑیوں کے بل گھومی، اسے لگا اس نے کچھ غلط سنا ہے۔

"آپ نے کیا کہا، پاپا"؟

"تم رکاپوشی کلائمب (کوہ پیمائی) کے لیے جاسکتی ہو مگر صرف 22 دن کے لیے" وہ ہلکے سے مسکرائے۔

وہ ہکابکا سی انھیں دیکھ رہی تھی۔

"میں۔۔۔میں جاسکتی ہوں"؟

"ہاں۔مجھے آج اندازہ ہوا ہے ک اگر میں نے اپنی بیٹی کو اس کا سب سے بڑا خواب پورا کرنے نہیں دیا تو یہ اس کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہو گا" انہوں نے ہولے سے اس کا سر تھپکا، "مگر تم جاؤ گی کیسے؟ میں سیف کو کہوں، تمہارے ساتھ چلا جائے"؟

"نہیں، سیف نہیں، پاپا!" اس سے تو بہتر تھا وہ نہ ہی جاتی۔ "نشا اور حسیب ساتھ ہے ناں، حسیب کے فرینڈز کا گروپ ویسے پرسوں ہنزہ جا رہا ہے، رکاپوشی بیس کیمپ سر کرنے۔ میں ان ک ساتھ چلی جاؤں گی" اسے یقین نہیں آ رہا تھا ک پاپا اتنی جلدی اجازت دے دیں گے۔

"تم نے تو پوری پلاننگ کر رکھی ہے" انہوں نے مشکوک انداز میں اسے گھورا تو وہ مسکرا دی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے باہر لاؤنج میں آ گے۔

"اچھا، مجھے بتاؤ۔ کتنے پیسے چاہیے ہوں گے، تمہاری ٹور کمپنی نے تو گیارہ ہزار لیے تھے۔ انہوں نے والیٹ جیب سے نکلا۔

"رکاپوشی کے لیے پاپا، سات آٹھ۔۔۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"بس آٹھ ہزار؟" وہ ہزار ہزار کے نوٹ گننے لگے۔

"آٹھ لکھ پاپا" اس نے تھوک نگل کر کہا۔ پہلے ہمیشہ وہ سپانسرڈ اور فنڈز ایکسپیڈیشن کے ساتھ جاتی تھی۔ اب دو دن میں وہ فنڈز ریز کرنے سے یا سپانسر شپ حاصل کرنے سے تو بہتر تھا۔

"پری، آر یو سیریس؟" وہ حیران ہوئے تھے۔ ان کا دل تنگ تھا، نہ ہاتھ مگر انھیں حیرانی ہوئی تھی۔

"بس پاپا تھوڑا مہنگا شوق ہے ناں" وہ جھینپ کر ہنس دی۔ اسے اندازہ نہیں تھا ک یہ سب اتنا آسان ہو گا، اگر ہوتا تو وہ کافی عرصہ پہلے ہی پوسٹرز جلانا شروع ہو جاتی۔ اسے تو ماز ہومر کا وہ پوسٹر پہلے کبھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا، جتنا آج لگ رہا تھا۔

#ساتویں_چوٹی

پیر،8 آگسٹ 2005ء

"کدھر پھنسا دیا ہے اپنے پریشے آپا؟ میں تو پتا نہیں کتنا رومانٹک سفر سوچ کر آیا تھا کہ ہنزہ پہنچ کر چار پانچ پورٹرز لیں گے، سامان گدھوں پر اور پھر آ ئے گا جگلت کے دریا کے کنارے سفر کرنے کے بعد تغافری کا بیس کیمپ، خوبصورت دریا، جنگل سبزہ ہی سبزہ، وہ جیسے عمار نے بتایا تھا۔ اللہ بھلا کرے آپ کا، آپ ہمیں رومانٹک قسم کے راکاپوشی کے ویسٹ فیس ک بجائے، کدھر برف زاروں میں لے آئی ہیں، اتنی برف اور اتنے کریوس ہیں ادھر۔ یہاں تو گدھے بھی نہیں آتے، ہم تو پھر انسان ہیں"۔

"خیر تمہارے انسان ہونے پر مجھے شک ہے، حسیب!"شاہراہ قراقرم سے راکاپوشی کہ شمالی مغربی رخ کا فاصلہ دو دن کی پیدل مسافت پر تھا اور پچھلے دو دن میں حسیب یہ بات کوئی چھے سو بار دفعہ کہہ چکا تھا۔ سو بے حد تنگ آکر نشاء نے جواب دیا۔

"یہ اتنا خطرناک علاقہ ہے، اس ایکسپیڈیشن ٹیم کی مت ماری گئی ہے جو راکاپوشی نارتھ ویسٹ پر سے سر کرنا چاہتی ہے؟ اس راستے سے کوئی بھی چوٹی تک نہیں پہنچ سکا"۔

"وہ سب ایک گلیشیئل وادی میں آگے پیچھے ایک قطار میں رہے تھے۔ پریشے نشاء اور حسیب سے پیچھے اس کا دوست اور ان سے پیچھے اٹھائیس پورٹر تھے، جو انہوں نے ہہنزہ سے ہی لیے تھے۔

"حسیب! تمہیں تکلیف کیا ہے؟ تمہارا "بوجھ" تو پورٹرز نے اٹھایا ہوا ہے"۔ حسیب کی مسلسل چلتی زبان پر پریشے غصے سے بولی۔ دو دن پورٹرز کے ساتھ رہ کر وہ بھی سامان اور کندھے پر اٹھائے رک سیک کو "بوجھ" بولنے لگی تھی

پورٹرز پاکستان میں وہی کام کرتے ہیں، جو نیپال میں شرپا کرتے کیں۔ سیزن میں جب سیاحوں کی آمدورفت عروج پر ہوتی ہے، یہ پورٹر ان کا سامان اٹھاتے ہیں اور انہیں ان کی منزل تک پہنچادیتے ہیں۔ نشاء نے اتنے سارے پورترز لینے پر دو دن پہلے پریشے کو حیرت سے کہا تھا۔

"ان پر اتنے پیسے خرچ کرنے کہ بجائے ہم ان کے بغیر چلے جاتے ہیں۔۔۔ کیا فرق پڑے گا؟"۔

"فرق تو کوئی نہیں پڑے گا، بس ہم دو دن تو کیا دو مہینوں میں بھی راکاپوشی نہیں پہنچ سکیں گے"۔

پچھلے دو دن سے وہ پیدل ان برفیلی وادیوں میں سفر کر رہے تھے۔ یہ وہ علاقہ تھے، جہاں آپ فاصلے کو کلو میٹر ، میٹر، یا میل سے نہیں، دنوں ہفتوں اور مہینوں سے ناپتے ہیں۔

پریشے نے دو دن پہلے جب پیدل سفر شروع کیا تھا تو اسے اسلا آباد، کراچی، لیک ڈسٹرکٹ، سب بھول گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سینکڑوں سال پہلے وقت میں پیچھے صلے گئے ہوں، جب انسان پیدل پتھروں اور برف پر سفر کیا کرتے تھا۔

"ویسے مجھے لگتا ہے، ہم سا پاگل کوئی نہیں ہو گا، جو گھروں کا سکون چھوڑ کر پہاڑوں میں ٹریکنگ پر نکل جاتے ہیں اور آپا جیسا پاگل بھی کوئی نہیں ہو گا، جو پہاڑوں کو سر کرنا چاہتی ہیں"۔

"اب کتنا فاصلہ رہ گیا ہے؟" وہ حسیب کے مزاق کو نظر انداز کر کے عقب میں اس تنگ راستے پر چلتے پورٹرز کے سردار سے پوچھنے لگی۔

"بس میڈم، آدھہ گھنٹہ اور!" پورٹرز کے سردار نے پورٹرز کے دستور کے مطابق بولا۔

"پچھلے 12 گھنٹوں سے یہ بلڈی چیپ "آدھہ گھنٹہ اور" کہہ رہا ہے" عقب میں کوئی انگریزی میں بڑبڑایا۔

پریشے نے گردن پھیر کر دیکھا۔ حسیب کا وہی دوست ایک برفانی نالے ک کنارے کھڑا ہوا بڑبڑا رہا تھا۔ وہ کوئی سخت بات کہنا چاہتی تھی، مگر سامنے سے آتے افراد دیکھ کر ان کی طرف ہو گئی

وہاں گلشئیر پر ان کے سامنے سے ایک ٹیم آرہی تھی۔ پریشے اپنی ٹریکنگ اسٹک کی مدد سے چلتی، تیز قدمی سے ان تک جا پہنچی۔ یوں لگتا تھا جیسے سالوں بعد ان تنہا، سنسان وادیوں میں کسی انسان کو دیکھا ہو۔

"السلام علیکم۔ پاکستانی؟" ان کے چہروں سے ظاہر تھا، پھر بھی قریب پہنچنے پر اس نے پوچھا، وہ پانچ تھے، ان کے پاس کوئی سامان نہیں تھا، ان سے کئی گز پیچھے ان کے پورٹرز کی جوج آرہی تھی۔

"جی میڈم۔ پاکستانی الحمد اللہ!" وہ خاصا تھکا ہوا الگ رہا تھا، پھر بھی بہت رووب مگر تحمل سے بولا۔ وہ اس کی کٹنگ سے ہی پہچان گئی تھی کہ فوجی تھا۔ باقی بھی آرمی کے تھے، وہ گلاسز اور مفلر کی وجہ سے اس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی تھی۔

"بیس کیمپ سے آرہے ہیں آپ؟ وہاں موسم کیسا تھا؟"

"موسم؟" تازہ دم پانچویں ساتھی نے ہنس کر سر جھٹکا اور آگے بڑھ گیا۔ لیڈر، جس کا نام میجر اطہر تھا، کہنے لگا۔

"موسم کی مت پوچھیں، مس! ہم پاکستانی آرمی کی ملٹری ایکسپیڈیشن کر رہے تھے، راکاپوشی کے اوپر پانچ ہزار میٹر کی بلندی پر خیموں میں قید ہو کر موسم کے ٹھیک ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ آٹھویں دن ہار مان کر نیچے اتر آئے۔ جس دن بیس کیمپ پہنچے، موسم بلکل ٹھیک ہو گیا۔ اس کی بات پر پریشے ہنس پڑی۔

"اب کون کون ہے بیس کیمپ میں؟" اس نے میجر اطہر سے پوچھا۔

"البرتو کی ٹیم ہے مگر وہ بھی ہمت ہار کر جانے لگے ہیں، اس کے علاوہ دو پاگل موجود ہیں"۔

"افق ارسلان کی ٹیم؟" اس کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے ایک نظر میجر اطہر کی پشت پر دیکھا سیاہ قراقرم کے پہاڑوں کی اوٹ سے جھانکتے "بگ وائٹ ماونٹین" راکاپوشی پر ڈالی۔ وہ قریب ہی تھا۔

"جی وہی، یہ میجر عاصم، جو ابھی آگے گیا ہے، افق ارسلان کا دوست بھی ہے اور لیزان آفیسر بھی۔ ارسلان کو کچھ چاہیے تھا، اس کے لیے ہی ہنزہ جا رہا ہے"۔ پریشے نے پلٹ کر دیکھا، میجر عاصم خاصا دور جا چکا تھا۔

وہ پاک آرمی کی ملٹری ایکسپیڈیشن ٹیم کو خدا حافظ کہہ کر اپنی ٹیم کے ساتھ چلنے لگی۔ نگر اور ہنزہ کے دریاوں کو وہ کافی پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ہنزہ کے دریا کے پانی سے اس نے سونے کے ذرات ڈھونڈنے کی کوشش کی، مگر اسے ہکامی ہوئی۔ اس نے سن رکھا تھا کہ سکندر اعظم کی فوج کی نسل جس وادی میں آباد ہے، (ہنزہ کی وادی) وہاں کے دریائے ہنزہ سے سونا نکلتا ہے۔

"اف کتنا لمبا راستہ ہے نا! حکومت کو چاہیے، راکاپوشی تک سڑک بنا دے، بندہ آرام سے پہنچ تو جائے"۔ حسیب کا دوست، جس کا نام وہ پھر بھول چکی تھی، کہہ رہا تھا۔

"ہاں تاکہ مری کی طرح ہر بندہ منہ اٹھائے چلا آئے؟ نہیں بیٹا، راکاپوشی کا حسن خراج مانگتا ہے، اس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے پیدل میلوں کی مسافتیں طے کرنی پڑتی ہیں"۔

"ثابت ہوا کہ بندہ "پربتوں کی دیوی" راکاپوشی کو دیکھ کر عقلمند ہو جاتا ہے، مثلاً حسیب جس نے زندگی بھر کبھی عقلمندی کی بات نہیں کی، مگر بیس کیمپ پہنچتے ہی۔۔"

وہ آگے سن نہ سکی، کیوں کہ بیس کیمپ کے قریب پہنچ کر اس نے اپنا رک سیک برف پر پھینکا وہ اپنی ٹیم سے آگے بھاگ پڑی۔ اس کے سامنے پربتوں کی دیوی اپنے تمام تر حسن کے ساتھ کھڑی تھی، مگر اسے اس کی تلاش تھی جس کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔

برف سے ڈھکے راکاپوشی کے قدموں میں پتھروں کے moraine پر بالکونی کی صورت ایک بیس کیمپ تھا۔ ہر طرف نیلے، پیلے اور سرخ خیمے لگے تھے۔ بیس کیمپ سے 100 میٹر نیچے ایک دیو قامت بے ترتیب

گلشئیر تھا۔ یہ تمام "برو" کا گلشئیر تھا اور برو کا گلشئیر پر افق ارسلان اور البرتو کی ٹیم بیس کیمپ ٹھیک اس جگہ لگیا تھا، جہاں 1979ء میں ایک پولش (polish) پاکستانی ٹیم نے نصب کیا تھا۔ اس پر اگلے دن ہی راکاپو آی سے برف کی ایک دیوار گر گئی تھی۔ برفشار (avalanche) سے پیدا ہونے والی ہواؤں سے ہی تمام خیموں کی میخیں اکھڑ گئی تھیں۔ پریشے برو کے خطرناک گلشئیر پر اپنے ہلکے، واٹر پروف، ٹریکنگ بوٹس کی مدد سے بھاگتی خیموں کی طرف ائی۔ وہاں درجنوں خیمے نصب تھے۔

"افق ارسلان کہاں ہے؟" دھڑکتے دل سے اس نے سامنے سے آتے اطالوی سے پوچھا۔

"ان دی میس ٹینٹ۔ دی لاسٹ ون!" وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بتا کر عجلت میں اگے بڑھ گیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آخری نیلے خیمے کے قریب آئی؛ باہر رک کر اس نے اپنا تنفس درست کیا سر سے اونی ٹوپی اتار کر پونی ٹھیک سے باندھی؛ پھر ٹوپی پہنی، سن گلاسز اتار کر اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھے اور خود کو نارمل کرتے اور اندرونی خوشی چھپاتے ہوئے خیمے کی زپ سے اندر جھانکا۔

وہ میس ٹینٹ کے اندر کرسی پر بیٹھا تھا، اس کی پشت پریشے کی جانب تھی۔ دمانی سے آتی سرد ہوا کے تھپیڑوں کے باعث خیمے کا کپڑا پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ اندر آ گئی۔

"کیسے ہو افق؟" اس ک عقب میں بازو باندھے، اس ن افق سے پوچھا۔ اس نے چونک کر گردن گھمائی اور اسے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایم فائن"۔ اس کی توقع کے برعکس وہ حیران نہیں ہوا تھا، اس کے چہرے کے تاثر ایسے تھے، جیسے وہ کسی گہری سوچ سے چونکا تھا اور پھر دوبارہ اس میں کھو گیا تھا۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیسا ہے، اس نے اتنے دن کیسے گزارے۔ اس کا انتظار کیا یا نہیں اور اس کا سرپرائز کیسا لگا! مگر کچھ بھی پوچھنے سے پہلے اس کی نظر افق ک ہاتھ میں پکڑی ایک چھوٹی سی پاسپورٹ سائز تصویر پر پڑی۔

"یہ کیا ہے؟" پچھلے دو دن سے اس نے اپنی اور افق کی۔ جو گفتگو تصور کی تھی، وہ بلکل بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ جو بہت سی باتیں بتانا اور پوچھنا چاہتی تھی، اب اچھنبے سے اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ؟" افق ن گردن جھکا کر تصویر کو دیکھا، زخمی انداز میں مسکرایا اور تصویر اس کی جانب بڑھا دی۔

"یہ حنادے ہے"۔

"کون حنادے؟" اس نے تصویر کے لیے ہاتھ بڑھایا، جس میں ایک سنہری بالوں اور خوبصورت آنکھوں والی لڑکی مسکرا رہی تھی۔

"حنادے۔۔۔۔۔میری بیوی"۔

تصویر تھامنے کو بڑھا پریشے کا ہاتھ نیچے گر گیا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"بیوی؟"

قراقرم کے سارے پہاڑ اس ک سر پر گرے تھے۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنی حیرت، صدمہ کچھ بھی چھپانے کی سعی نہیں کی تھی۔ کسی نے جیسے اس کے قدموں تلے زمین کھینچ لی تھی۔ اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے تکے جا رہی تھی۔

ہاں، یہ اس کی پکچر یونہی نکال لی تھی۔ خیر، تم کب آئیں؟" تصویر واپس والٹ میں رکھ کر جیب میں ڈالتے ہوئے افق کا انداز بہت نارمل تھا۔

"ابھی" اس کا لہجہ ایک دم روکھا سا ہو گیا تھا۔ اس نے گردن دوسری جانب پھیر لی۔

"مجھے علم تھا، تم ضرور آؤ گی۔ میں نے تمہارا انتظار کیا اور دیکھ لو، بے جا انتظار نہیں کیا"۔ وہ مسکرایا۔

کوئی دھوکا کھا جائے تو دھوکا دینے والا ایسے ہی مسکراتا ہے۔ پریشے کا نسوانی وقار بری طرح مجروح ہوا تھا۔

"ٹھہرو میں اپنی باقی ٹیم کو دیکھ آؤں" افق نے اس کا خشک اور رکھائی بھرا انداز نوٹ نہیں کیا۔ وہ اسے چھوڑ کر قدرے بے دلی سے باہر آ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے آ گیا۔

"یہ تمہاری سپورٹ ٹیم ہے، ٹریکرز ہیں یا یہ بھی کلائمب کریں گے؟"

"ٹریکرز ہیں" وہ اس سے دور ہٹ کر پتھروں پر چلتے ہوئے نیچے کی سمت سے آنے والی اپنی ٹیم کے افراد تک آئی۔ وہ سب پر جوش سے ہو کر اپنے رک سیک اتار کر نیچے برف پر پھینک رہے تھے اور رکاپوشی کی حسین چوٹی کو گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے۔ صرف وہ تھی جس کی دلچسپی وہاں موجود ہر شے سے ختم ہو گئی تھی۔

دور ایک پتھر پر ارسہ بیٹھی ہوئی۔ تھی۔ اس نے گھٹنوں پر کاگزر کھے تھے اور ان پر کچھ لکھ رہی تھی۔ شور ہلچل اور ٹریکرز کی آوازیں سن کر اس نے سر اٹھایا۔ پریشے کو سامنے دیکھ کر وہ سارے کاگز وہاں چھوڑ کر بھاگتے ہوئے اس کی جانب آئی۔

"پریشے آپی! آپ ادھر؟ اوہ گاڈ، مجھے یقین نہیں آرہا" وہ خوشی کے مارے اس سے لپٹ گئی۔ پھر الگ ہو کر اسے کندھوں سے تھام۔ کر خوشی سے مخمور لہجے میں بولی، "یقین کریں آج صبح ہی میں آپ کے متعلق سوچ رہی تھی۔ بہت اچھا کیا جو آپ آگئیں۔ ویسے اتنی۔ جلدی کلائمنگ پرمٹ کیسے بنا آپ کا؟"

"کم آن، میں پاکستانی ہوں، مجھے کلائمنگ پرمٹ کی ضرورت نہیں ہے" اپنی آواز میں بشاشت پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ بیس کیمپ کے ہنگامے ٹریکرز کی آمد کے بائث جاگ اٹھے تھے۔ چند پورٹرز خیمے لگا رہے تھے، لڑکے ان کی مدد کرنے لگے۔ پریشے نے اپنے ساتھ ایک کک "شفالی" بھی لائی تھی، جو چولہہ لگا کر چپاتیاں پکانے لگا تھا۔

paulo Alberto(پالو البرتو) کی اطلوی ٹیم بھی ان کے قریب آگئی تھی۔ البرتو انگریزی سے نابلد تھا، باقی اطالویوں میں سے ایک کو تھوڑی بہت انگریزی آتی تھی۔ وہ سب کو بتا رہا تھا ک کل صبح اس کی ٹیم واپس جا رہی ہے۔ اور وہ رکاپوشی کو چھوڑ کر بلتورو کی کسی چوٹی کو سر کرنے جا رہے ہیں۔

پریشے نے پورٹرز کی مزدوری کی تمام رقم "سردار" پورٹر کے ہاتھ میں رکھ دی اور اپنے خیمے میں چلی آئی۔ پورٹرز کا دستور تھا کہ ہمیشہ رقم سردار کو ملتی تھی، پھر وہ اگے اس کو۔ تمام پورٹرز میں تقسیم کرتا تھا۔

اپنے خیمے میں آکر اس نے میٹ بچھا کر سلیپنگ بیگ رکھا اور اس میں لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی سماعتوں سے باہر ہونے والا شوروغل اور قہقہوں کی آوازیں ٹکرا رہی تھیں مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔

حنادے۔۔۔افق کی بیوی۔۔۔وہ شادی شدہ تھا۔ کسی اور کا پابند تھا تو پھر اسے کیوں قراقرم کے تاج محل پر بلایا تھا؟ وہ غلط سمجھی تھی اسے؟ اس نے دھوکا کھایا تھا؟ جانے کب اسے نیند نے آگھیرا۔ افق اسے رات کے کھانے پر بلانے آیا تھا۔ مگر سوتا خیال۔ کر۔ کے واپس چلا گیا۔

منگل،9اگست 2005ء

ہر سو گہری دھند چھائی تھی۔ وہ کسی بادل کے وسط میں پھانسی تھی دھند میں اسے اس۔ کے ساتھ کوئی دکھائی دیا۔ سبز آنکھوں اور سنہری بالوں والی۔ لڑکی۔ وہ پریشے کو دیکھ کر تمسخر سے مسکرائی۔ پھر زور سے چلانے لگی۔ "افق میرا ہے صرف میرا ہے" اسے لگا اس کی آواز سے اس کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے۔ نہایت طیش میں آکر وہ اگے بڑھی اور دونوں ہاتھوں سے زور سے حنادے کو دھکا دیا۔ وہ چیخی، زور زور سے چلاتے ہوئے اس برفیلی چوٹی سے نیچے لڑھک گئی۔ اگلے ہی پل کسی چوٹی سی گڑیا کی منند اس کا جسم نیچے کھائی میں گر رہا تھا، وہ بلند آواز میں چیخ رہی تھی، اتنی بلند گڑگڑاہٹ نما آواز کہ اس کو لگا وہ بھری ہو جائے گی۔ ہوا کو اری کی طرح چیرتی بھاری گڑگڑاہٹ۔۔۔۔۔۔،

ہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور چہرہ پسینے سے بھیگا ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنے چہرے کو چھوا اور گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اپنے خیمے میں تھی۔ یہ سب ایک بھایانک خواب تھا مگر وہ آواز ابھی تک سنائی دے رہی۔ تھی۔ ہوا کے زور سے اس کے خیمے کا گورنیکس پھڑ پھڑا رہا تھا۔ وہ تیزی سے زپ کھول کر باہر آئی۔

ہنزہ کے دریا کے ساتھ واقع کریم آباد گاؤں پر صبح طلوع ہو رہی تھی۔ نیلا۔ ہٹ سنہری روشنی سے رکا پوشی کا دودھ کی طرح سفید اور اطراف کے سیاہ دیو ہیکل پہاڑ چمک اٹھے تھے۔

پریشے نے ارد گرد دیکھا۔ سامنے ہی خالی قطعے پر پاکستان آرمی کا سبز ہیلی کاپٹر لینڈ کر رہا تھا۔ اس۔ کے گھومتے پروں کی تیز ہوا سے اطراف کے تمام خیموں کے گور ٹیکس پھڑ پھڑا رہے تھے۔

دور نصب نیلے خیمے کے سامنے کھڑے افق ارسلان نے شناسا انداز میں ہیلی کاپٹر کی جانب ہاتھ ہلایا۔ وہ سیاہ فلیس جیکٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس، گرے اونی ٹوپی سے سر ڈھکے مسکراتے ہوئے پائلٹ کو۔ دیکھ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے پر سست ہے چکے تھے۔ کھلے دروازے سے پستہ قد پھیکے نقوش کے حمل سیاہ اتر رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کا چہرہ اسے دور سے ٹھیک طرح دکھائی نہیں دیا تھا، نہ اسے دیکھنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے کھلے بال انگلیوں سے سنوارتی، آنکھیں ملتی ان سے دور ہٹتی گئی۔ اس کا ذہن حنادے اور اپنے خواب کے درمیان پھنسا تھا۔ یہاں نرم گدلی برف کے درمیان ایک برفانی نالہ بہ رہا تھا۔ سورج کے چمکنے کے باعث نالے کا آدھا پانی

پگھل چکا تھا اور اس میں برف کے بڑے بڑے ٹکرے تیر رہے تھے۔ نالے کے اس طرف حسیب کا دوست بیٹھا تھا۔

"یہ ہیلی کاپٹر پر کون آیا ہے، پری آپا؟"

وہ اپنے خیالات سے چونکی، پھر ناگوار شکنیں ماتھے پر ابھریں۔ "جسٹ ڈونٹ کال می آپا، پہلے آپا اور بہن جیسے رشتوں کا احترام سیکھو اور پھر یہ لفظ کہو" اپنے نئے ٹراؤزر اور جیکٹ کی پرواہ نا کرتے ہوئے وہ وہیں گدلی برف پر بیٹھ گئی۔

"آپ مجھ سے ہر وقت خفا کیوں رہتی ہیں؟"

"مجھے زہر لگتے ہیں تمہارے جیسے لاابالی قسم کے نوجوان، جو لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی بجاتے ہوں۔" وہ رخ پھیر کر پہاڑوں پر بنی قدرتی چراہ گاہوں کو دیکھنے لگی۔ البرتو کے ٹیم ممبرز اور اس کے پورٹرز سامان کندھوں پر اٹھائے، چیونٹیوں کی طرح ایک ہی قطار میں چلتے ہوئے بیس کیمپ سے واپس نیچے جا رہے تھے۔

"یہ عمر ایسی ہوتی ہے۔ سب اس عمر میں ایسے ہی ہوتے ہیں"

"سب نہیں ہوتے۔ محمد بن قاسم نے اس عمر میں سندھ فتح کیا تھا"

"وہ تو۔ میں نے بھی کر لینا تھا اگر یہ تلواروں کا دور ہوتا!" وہ لاپروائی سے ہنسا۔

"شٹ اپ!" اس۔نے اسے جھاڑ دیا، "آیندہ مجھے آپا مت کہنا"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ناشتہ کرنا تھا، بال بندہ کر کان بھی ڈھکنے تھے کیوں کہ ہلکی ہلکی برفیلی ہوا اس کے کانوں میں گھس رہی تھی۔ وہ جانے کے لیے مڑی، تب اسے خیال آیا۔

"سنو، تمہارا نام کیا ہے؟" وہ پھر بھول گئی تھی۔

نالے ک اس پار برف پر بیٹھا لڑکا مسکرایا، "مصعب عمر"

"فائن" وہ سر جھٹک کر بیس کیمپ کی جانب بڑھ گئی۔

بیس کیمپ جاگ رہا تھا۔ ناشتے کی خوشبو، چھل پھل، پورٹرز کی واپسی، پستہ قد سیاہ کی آمد۔ وہ۔ کچن ٹینٹ کی طرف جاتے جاتے رک کر افق کو دیکھنے لگی جو ہیلی کاپٹر کے دروازے کے قریب کھڑا ہنس ہنس کر اندر بیٹھے پائلٹ سے بات کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ ان ک قریب چلی آئی۔

"ایکسکیوز می افسر! یہ کون لوگ ہیں؟" افق کو یکسر نظر انداز کر کے اس نے پائلٹ سے سوال کیا۔

"یہ۔ کچھ امیر و کبیر جاپانی سیاہ ہیں، جو رکاپوشی کے (N W supr شمالی مغربی رج) پر فوٹو گرافی کرنے کے لیے دو دن پیدل چل کر بیس کیمپ انے کے بجائے پاکستانی آرمی کا ہیلی کاپٹر افورڈ کر سکتے ہیں" مسکراتے ہوئے افق نے جواب دیا۔

"کیا واقعی توماز ہومر کو نانگا پربت سے اپ لوگ نکال لیں گے ؟" دوبارہ پائلٹ کو مخاطب کیا۔ اس نے۔ یوں ظاہر کیا جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

ان دونوں توماز ہومر نانگا پربت پر پھنسا ہوا تھا۔

"میم! اس میں بے یقینی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پاکستان آرمی کے پہاڑوں پر سرچ اینڈ ریسکیو آپریشنز دنیا بھر میں مہشور ہیں۔ توماز ہومر کو ہم انشاء اللہ جلدی ہی نکال لیں گے" پروفیشنل مگر آہستہ لب و لہجے میں افسر نے جواب دیا۔ اس کا چہرہ سیاہ گلاسز اور کیپ کے باعث واضح نہ تھا۔

"پری! یہ میرا دوست ہے۔ میجر عاصم اور عاصم، یہ میری ساتھی کلائمبر ہیں، ڈاکٹر پریشے جہاں زیب"

نائس ٹو میٹ یو ڈاکٹر! آپکو کل بیس کیمپ کے راستے میں دیکھا تھا"۔

"جی، مگر بیس کیمپ ٹو ہنزہ سے دو دن دور ہے۔ اپ اتنی جلدی واپس جاکر ادھر کیسے پہنچ لئے؟ اور میجر اطہر کہہ رہے تھے آپ ترک ٹیم کے لیزان افسر ہیں۔ حالاں کہ لیزان افسر کا قانون تو پچھلے سال نومبر میں ختم ہو گیا تھا، بلتورو کے"

"میں ہیلی سے پہنچ گیا تھا اور ارسلان کا لیزان افسر دو سال پہلے بلتورو میں تھا اب ان جاپانیوں کو لانا تھا، ساتھ ارسلان کی۔ کچھ چیزیں بھی بغیر فیس لیے لے آیا ہوں" وہ ہنسا۔

"اچھا" وہ افق کو بغیر لفٹ کرائے وہاں سے ہٹ گئی۔

ناشتے کے بعد وہ اس کے پاس آیا۔ وہ اپنے خیمے کے باہر پتھروں پر بیٹھی تھی۔

"تم نے آج اور کل ٹھیک سے ریسٹ کیا؟" وہ اپنائیت اور فکر مندی سے کہتا اس کے ساتھ پتھروں پر بیٹھ گیا یوں ک دونوں کے سامنے رکاپوشی کا پہاڑی سلسلہ تھا۔

"ہوں" اس نے نظر بھی اس کی جانب نہ اٹھائی۔

"آج ہم 4800 میٹر تک جائیں گے۔ رکا کا موسم بہتر ہو رہا ہے۔ ہمیں آج Accelimatization شروع کر دینی چاہیے"۔

"بہتر"

"تم اتنی فکر مند تھیں ک تمہیں اجازت نہیں ملے گی اور دیکھو، ذرا لگن سے تم نے ریکویسٹ کی اور تمہارے پاپا۔ نے فورن تمہیں۔۔۔۔۔۔"

"میں چینج کرلوں" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بولتے بولتے رک گیا، پھر سر ہلا کر کہا، "ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں"۔

)ہونہہ۔ انتظار تو میں نے کیا تھا) وہ اسے نظر انداز کیے اپنے نارنجی خیمے میں۔ چلی آئی۔

گھنٹے بعد وہ فرید اور افق کے ہمراہ ہاتھ میں آئس ایکس لیے رکاپوشی کے قدموں پر چڑھنے لگی۔ اسے Accelimatization کی شدید ضرورت تھی۔ اسے اپنے جسم اور پھیپھڑوں کو کم اکسیجن اور سطح سمندر سے زیادہ بلندی کا عادی بنانا تھا، مگر ابھی اس کا ذہن نئی حقیقتوں کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ سارا راستہ خاموش رہی۔ افق بولتا اور اس کو ڈھلان کا راستہ سمجھاتا رہا۔

رکاپوشی سر کرنے کے تین روٹ تھے، جنوب مشرقی فیس، جو، "جوگلت گوہ" کے گلشئیر سر کرکے جاتا تھا، طویل مگر آسان ترین تھا۔ دوسرا مغربی فیس (پسان گلشئیر) اور پھر تھا، نارتھ، ویسٹ رج (N W ridge) دنیا کا طویل ترین رج جو آج تک کوئی سر نہیں کر سکا تھا۔ افق کی ٹیم یہی کرنے ادھر آئی تھی۔

دوپہر تک کیمپ ون میں پہنچ کر افق اور فرید نے تمام سامان خیموں میں بھرنا شروع کیا۔ اس نے اس پر ڈالی جو پوری مستعدی سے سامان نکال رہا تھا۔ اس کے سر پر گرے اونی ٹوپی پر سفید بنائی سے "rakaposhi 2005ء" لکھا تھا۔ وہ رخ پھیر کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔

وسیع برفیلا میدان، تین شوخ رنگوں کے خیمے اردگرد کہیں کہیں سے گدلی برف، جو فلموں کے برعکس صاف ستھری نہیں تھی۔ بیس کیمپ سے کیمپ ون تک برف کم تھی، کیمپ ون سے اوپر رکاپوشی کی بلندیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔

پریشے نے گلشئیر گلاسز آنکھوں پر چڑھائے اور گردن پوری طرح اٹھا کر چوٹی کو دیکھا۔ پہاڑ کی "گردن" سے اوپر برف سے ڈھکی چوٹی کے گرد بادلوں کا ہالہ تھا، ایسے کے دھند اور بالوں میں گم تھی۔ اوپر آسمان نیلا اور صاف تھا، مگر چوٹی دھند میں لپٹی تھی اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبصورتی تھی۔ اسی باعث اسے دنیا بھر کے پہاڑوں میں خوبصورت پہاڑ کہا جاتا تھا۔ چوٹی سے نیچے پہاڑ کئی ہزار میٹر تک ایک خاص زاوے سے نیچے اتا

تھا۔ جیسے کسی نے سانچے میں ڈھال کر مہارت سے بنایا ہو۔ دنیا کا۔ کوئی پہاڑ ایسی انوکھی اور منفرد ساخت نہیں رکھتا۔ یہ خصوصیت صرف دمانی کو حاصل ہے۔

رکاپوشی کا مطلب ہنزوکشر زبان میں "چمکتی دیوار" ہے

اور دمانی، " دھند کی۔ماں " کو کہتے ہیں۔

وہ واقعی دھند کی۔ماں تھی۔

واپسی کا۔ سفر، کمر پر خالی رک سیک کے باعث آسان تھا۔ وہ افق کے اگے اگے اتر رہی تھی۔ اس کا جوتا کاٹ رہا تھا، جس کے باعث اسے چلنے میں وقت کا سامنا تھا۔

"جس طرح پیپر کبھی نئے پین سے حل نہیں کرتے، اسے طرح کوہ پیمائی یا کوہ نوردی (ٹریکنگ) کا آغاز نئے جوتے سے کبھی نہیں کرتے" اس کی ذہنی رو سے بے خبر وہ اس کے عقب میں کہہ رہا تھا، "تم نے غالباً نئے ٹریکنگ بوٹس لیے ہیں اور۔۔۔"

"مجھے پتا ہے"۔اس نے اتنے درشتی سے اس کی۔ بات کٹی کہ وہ خاموش ہو گیا۔ پریشے نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ افق نے اس کے رویے کو ماحول کی تبدیلی پر مہمول کیا۔

سورج ڈوب چکا تھا۔ بیس کیمپ کے رنگ برنگے خیموں میں واضح کمی آچکی تھی۔ اطلوی جاتے جاتے اپنا کچرہ بھی سمیٹ کر نہیں گئے تھے۔ خالی بوتلیں، کین، بے کار سامان ان کی خیموں کی جگہ بکھرا پڑا تھا۔ سرمئی اندھیرا پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ خیموں کے اندر روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے کچن ٹینٹ میں آئی۔

شفالی چپاتیاں پکا رہا تھا۔ نشاء اور ارسہ قریب ہی پلاسٹک چیئرز پر بیٹھی تھیں۔

"ارسہ باجی! آپ اپنی کتاب میں یہ ضرور لکھنا کہ یہ گورا لوگ دال چاول اور چپاتی کو مکس کر کے کیسے مزے سے کھاتا ہے۔ پھر کہہ رہا ہوتا ہے "نو کارب، نو فیٹ، چپاتی از دی بیسٹ!" شفالی ارسہ کو مشورہ دیتے ہوئے البرتو کی کسی اطلوی ٹیم ممبر کی نقل اتار رہا تھا۔ پریشے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی اور سپورٹس ڈرنک اٹھا کر منہ سے لگالی۔

"ارسہ! تم اتنا رومنٹک ناول اس پہاڑ کے بارے میں کیسے لکھ سکتی ہو؟ اس بلندی پر تمہاری کرداروں کی کلفی جمی ہو گی،، نا کہ وہ رومانس جھاڑ رہے ہوں گے"۔

نشاء ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی، دفعتاً پریشے کو خاموش دیکھ کر سنجیدہ ہوئی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں" وہ ڈرنک کا۔ گھونٹ لیتی رہی۔

"میں جا رہی ہوں ادھر سے۔ ایک تو لوگ بھی ناں، جدھر رائیٹر دیکھتے ہیں، مشورہ دینا شروع کر دیتے ہیں" ارسہ کافی دیر سے تانگ آئی بیٹھی تھی، بلا آخر اٹھ کر چلی گئی۔ شفالی۔ کسی کام سے باہر گیا تو نشاء نے کہا،

"تم نے خمکھا اتنا ہوا بنار کھا تھا کہ انکل اجازت نہیں دیگے، بلکل نہیں دیگے، مگر انہوں نے اتنی جلدی اجازت دے دی، مجھے۔ تو یقین نہیں آیا تھا،"۔

"یقین؟ یقین تو مجھ بھی نہیں آیا تھا" اس کی نگاہوں کے سامنے حنا دے کی تصویر گھوم رہی تھی۔

"پری اگر ممی اور پاپا، انکل سے بات کریں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ممی کو جا کر سب؟ آخر ماؤں سے کیا پردہ ہوتا ہے"

پری چونکی، "کیا بتادوں؟"

"جو۔ تمہارے اور افق کے درمیان ہے"

"ہمارے درمیان کیا" ہے؟ اس نے الٹا سوال کیا۔

نشا نے۔ بغور اسے دیکھا، "پری کیا ہوا ہے؟"

"نہیں۔ تم بتاؤ۔ ہمارے درمیان کیا ہے؟" اس نے خالی بوتل میز پر رکھ دی۔

"تمہارے درمیان۔۔۔ تم دونوں۔۔۔" نشاء الجھی۔ وہ۔ زور۔ سے۔ ہنس دی۔

"ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں ہے۔ تم پاگل ہو نشی" وہ اٹھی اور خیمے سے باہر نکل آئی۔ نشاء اس کی بہت اچھی دوست تھی۔ مگر ہر۔ بات بتانے کی۔ نہیں ہوتی۔ وہ۔ نشا کو نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ شادی شدہ تھا۔ اگر بتا دیتی تو

نشا اس کا چہرہ پڑھ کر جان جاتی کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس کی نسوانی غرور اور انا مجروح ہوتی، سو اس نے نشا کو کچھ نہیں بتایا۔

وہ۔ سر جھکائے اپنے خیمے کی طرف بڑھنے لگی۔ راستے میں اسے وہ برفانی نالہ نظر آیا، جس کے کنارے وہ صبح مصعب کے ساتھ بیٹھی تھی۔ صبح اس میں پانی تیر رہا تھا، مگر رات کو درجہ حرارت گرنے کے باعث اب وہ مکمل برف ہو چکا تھا۔ وہ ہر چند گھنٹوں بعد روپ بدل لیتا تھا۔

" بلکل افق کی طرح۔ ہونہہ " اس نے سر جھٹکا اور اپنے قدم خیمے کی طرف تیز کر دیے۔

بدھ، 10 اگست 2005ء

بیس کیمپ میں آج پورٹرز نے بہت اچھا ناشتا دیا تھا۔ دلیہ، انڈے، چپاتی، جوس اور پنیر، جس کے باعث اگلی صبح وہ کیمپ ون تک فرید اور افق کے ساتھ چڑھ رہی تھی، تو اس کی طبعیت بوجھل سی تھی۔ افق اس سے اگے تھا اور مسلسل اس سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کابھ اس کے جوتوں کے متعلق پوچھتا تو کبھی کھانسی کے بارے میں، کیوں کہ وہ مسلسل کھانس رہی تھی۔

" تم احمت کو دیکھا لیتیں تو اچھا تھا " اس نے بیس کیمپ مینجر اور ڈاکٹر احمت دوران کا نام لیا۔ وہ جواب دیے بنا سر جھکائے اپنے " سکی پولز " کی مدد سے برف پر چلتی رہی

افق کی Acclimatization مکمل تھی، مگر محض پریشے کے۔ لیے کہ وہ گر نہ جائے، اس کی۔ طبیعت نہ خراب ہو جائے، اسے کوئی مسئلہ نا ہو، وہ روز اتنا بوجھ لے کر اس کے ساتھ چڑھتا تھا۔ اس کا ارادہ آج تمام سامان کیمپ ون پہنچا کر، پوری شام ریسٹ کرنے کے بعد اگلی صبح بلکل تازہ دم ہو کر بیس کیمپ کو الوداع کہہ کر چڑھائی شروع کرنے کا تھا۔

سورج ابھی چمک ہی رہا تھا جب انہوں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ وہ اگے پیچھے ڈھلان سے نیچے اتر رہے تھے۔ گرمی اتنی شدید تھی ک پری نے دستانے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیے تھے۔ تقریبن سات ہزار میٹر تک سورج جب چمکتا تھا تو گرمی۔ شدید ہو جاتی تھی اور رات کو درجہ حرارت ایسا گرتا کہ بوتلوں میں موجود پانی بھی برف ہو جاتا۔

اونچائی کم ہو رہی تھی، مگر اس کی کھانسی شدید ہوتی جا رہی تھی۔ چکر آرہے تھے، سر میں درد تھا، Nausea بھی ہو رہا تھا، ایک جگہ کھڑے ہونے کی کوشش میں وہ پھسلنے لگی تو افق نے پیچھے سے اس کا بازو تھام کر اسے سہارا دیتے ہوئے قریب پتھر پر بیٹھایا۔

"تمہیں Altitude sickness ہو رہی ہے"

"نہیں میں ٹھیک ہوں" گھومتے سر کو اس نے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ کیا؟" اس کو اپنی کنپٹی سہلاتے۔ دیکھ کر وہ فکرمندی سے کہتا اس کے بلکل سامنے آ گیا۔ سورج اب افق کی پشت پر تھا، اس کی نارنجی شعاعیں اس کے اطراف سے نکل کر پریشے تک پہنچ رہی تھیں۔

"میں Diamox لے۔لوں گی"۔ وہ اس کے فکر کر رہا تھا، وہ چڑ سی۔گئی۔ اسے اس کے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتا؟

"۔ diamoc سے کام نہیں چلے گا۔ اگر یہ الٹی تیوڈ سک نیس ہے تو یہ سیر برل ایڈیما یا پلمزی ایڈیما میں تبدیل ہو سکتی ہے اور۔۔۔۔"

افوہ افق۔۔۔۔! کیا مسئلہ ہے؟ میں ڈاکٹر ہوں، مجھے پتا ہے۔ تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے" وہ اتنے غصے سے بولی کہ افق نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"پری! کیا ہوا ہے؟ میں کل سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تم کچھ اپ سیٹ ہو"۔

"مجھے جو بھی ہو، یہ تمہارا درد سر نہیں ہے۔ تم میری فکر مت کرو سمجھے تم" وہ کھڑی ہو گئی اس کا درد سر بڑھتا جا رہا تھا۔

"کیوں نا کروں تمہاری فکر؟ تم میری۔۔۔۔"

"میں کچھ نہیں ہوں تمہاری" وہ ایک دم ہلک پھاڑ کر چلائی، "تمہاری صرف حنادے ہے، تم اس کی فکر کرو"۔

افق کے ماتھے پر ناگوار شکن در آئی۔ "حنادے کا یہاں کیا ذکر؟ تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے؟" اس کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

"ہونہہ! مجھے تمہاری بیوی کے ساتھ کیا مسئلہ ہو گا؟"

"شٹ اپ۔۔۔ اس کا نام مت لو بیچ میں"۔

پریشے نے پہلی دافع اسے غصے میں دیکھا تھا اور اسے غصہ آیا بھی تو کس بات پر تھا کہ وہ اس کی بیوی کا نام تحقیر سے نہ لے۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ صرف نام لینے پر۔۔۔؟ پریشے کے حلک میں آنسوؤں کا گولہ پھنسنے لگا۔ وہ جھٹکے سے مڑی اور تیزی سے ڈھالان سے نیچے اترنے لگی۔

"پری! رکو" وہ اس کے پیچھے لپکا۔ وہ جتنا تیز دوڑ سکتی تھی دوڑی۔ بیس کیمپ اب نظر آرہا تھا۔ برفانی نالہ پگھل چکا تھا۔ اس میں پانی تیر رہا تھا اور برف کے بڑے بڑے ٹکرے۔۔۔ وہ بہت تیزی سے خیموں کی طرف آئی تھی۔ اس کا دماغ ایک نہج پر پہنچ چکا تھا۔ اسے اب کسی صورت وہاں نہیں رہنا تھا۔ اسے واپس گھر جانا تھا۔ بس اب بہت ہو چکا تھا۔ وہ رکاپوشی تسخیر کرنے نہیں آئی تھی، وہ تو خود تسخیر ہو کر آئی تھی مگر اب اور نہیں۔ اپنے خیمے میں آکر اس نے اپنا مختصر سامان اٹھایا اور رک سیک میں بھرنے لگی۔ اس نے سوچا وہ کریم آباد سے کوئی پورٹر اور شفالی کو ساتھ لے لے گی۔ حسیب لوگ ابھی صبح ہی نکلے تھے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ وہ ان کو جا لے گی۔

"پری! تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ بھاگتا، ہانپتا اس کے خیمے میں داخل ہوا۔ پریشے نے جواب نہیں دیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی چیزیں اکھٹی کر رہی تھی۔ وہ اس کو بیگ تیار کرتے دیکھ کر ٹھٹکا، "تم کہاں جا رہی ہو؟"

"گھر" وہ اپنی شیل جیکٹ، ڈاؤن جیکٹ اور دوسری واٹر پروف بیگ میں بھر رہی تھی۔

"مگر کیوں؟"

"مجھے تمہارے ساتھ کلائمب نہیں کرنی" اس نے دوسرے بیگ میں جرابیں، دستانے اور اسکارف ڈالے۔

"یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم ادھر کلائمب کرنے آئی تھیں اور بہت خوشی سے آئی تھیں"

"وہ۔ میری غلطی تھی، حماقت تھی" اس نے لوشن اور آخر میں کریم ڈال کر زپ چڑھائی۔

"مگر ہوا کیا ہے؟" وہ حیران تھا۔

بیگ ایک طرف رکھ کر وہ ایک جھٹکے سے اس کی جانب مڑی۔ "ہوا کیا ہے؟ مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا ہوا ہے؟ تم۔۔۔ تم دھوکے باز ہو۔۔۔ تم نے دھوکا دیا ہے۔ مجھے۔ بہت ہرٹ کیا ہے تم نے مجھے افق! بہت زیادہ"

اس نے اسے پرے دھکیلا۔ وہ حیران سا دو قدم پیچھے ہٹا، "کیا دھوکا دیا ہے میں نے؟"

"تم شادی شدہ ہو اور تم نے۔۔۔ تم نے مجھے کبھی یہ نہیں بتایا۔ تمہاری ایک بیوی بھی ہے۔ اور تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا" وہ چلائی تھی۔

"تم نے بھی تو مجھے نہیں بتایا تھا کہ تم انگجڈ ہو" وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی۔

"ہاں نہیں بتایا تھا، کیوں کہ منگنی اور شادی میں فرق ہوتا ہے۔"

"کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ساری بات کمینٹمنٹ کی ہوتی ہے"

"کوئی فرق نہیں ہوتا افق؟ کوئی فرق نہیں ہوتا؟ تم۔۔۔ تم اس فضول عورت کے ساتھ۔۔۔۔"

"اس کا نام مت لو" وہ پھر غصے میں آ گیا۔

پریشے نے بہت بے بسی سے اسے دیکھا۔ سامنے کھڑا وہ شان دار سا مرد اس کا تھا، نا کبھی ہو سکتا تھا اور جس کا ساتھ، اس کا نام بھی احترام سے لینے کو کہتا تھا۔

"اتنی محبت ہے تمہیں اس سے افق؟" اس کا گلا رندھ گیا، "اتنی محبت ہے اس سے تو پھر مجھے کیوں بلایا تھا ادھر؟ ہاں۔۔۔ بولو۔۔۔ جواب دو" اس کی آواز بھیگی آواز بلند ہونے لگی۔ "تم اس کے ہو اور صرف اس کے ہی ہو، باوجود اس کے تم نے مجھے بلایا اتنی دور، صرف اپنی انا کی تسکین کے لیے کیا چاہتے تھے تم؟ ایک لڑکی دو دن پیدل چل کر تم سے ملنے، محض تمہارے ایک فقرے کا مان رکھنے آئے اور تم اس کا استقبال یہ کہہ کر کرو کہ "اسے دیکھو، یہ میری بیوی ہے" تمہیں ایک لمحے کو بھی لگا کہ تم کسی کا دل توڑ رہے ہو۔ کسی کی روح چھلنی کر رہے ہو؟ پھر کہتے ہو، میں اسے کچھ بھی نا کہوں؟ کیوں نا کہوں، وہ گھٹیا ہے اور تم بھی گھٹیا ہو" وہ رونے لگی تھی۔ وہ بری طرح ہاری تھی۔ پیار کی پہلی بساط پر ہی اسے شہ مات دے دی گئی تھی۔ "چلے جاؤ تم ادھر سے۔ مجھے تمہاری شکل سے بھی نفرت ہے۔ چلے جاؤ خدا کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دو" وہ پھر چلائی تھی۔

وہ بلکل خاموشی سے کھڑا اس کی ہر بات، نفرت کا ہر اظہار سن رہا تھا، وہ خاموش ہوئی تو وہ اس کے قریب آیا، اتنا قریب کہ اس کے عقب میں پریشے کو کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس سے بلکل سامنے آکر افق نے اس کے دونوں شانوں کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"تمہیں مجھ سے نفرت ہے؟ میری صورت سے بھی نفرت ہے؟ یہ نفرت اس وقت سے ہے جب سے تمہیں حنادے کا علم ہوا ہے، ہاں؟ تو پھر میری بات غور سے سنو۔ مزید کچھ کہنے سے پہلے یہ بات سنو۔ تم حنادے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتیں۔ دو سال پہلے کے ٹو پر برفشار آیا تھا، حنادے اس میں دب کر مر گئی تھی۔ اس کا نام اس طرح مت لو۔ وہ میری بیوی تھی "۔

اس نے پریشے کے کندھوں کو ایک جھٹکا دے کر چھوڑ دیا۔ پھر آخری نظر اس پر ڈال کر، تیزی سے پلٹا اور خیمے کا گور ٹیکس اٹھایا۔ باہر سے رکاپوشی کے سرمئی قدموں کی جھلک نظر آرہی تھی، ساتھ میں سرد ہوا کے تھپیڑے بھی اندر آئے۔ وہ باہر نکلا، خیمے کا پردہ گرا دیا۔ رکاپوشی چھپ گئی ہوا کا راستہ رک گیا اور وہ۔۔۔وہ۔۔۔ جہاں تھی، ابھی تک وہیں منجمد سی کھڑی تھی۔۔

بیس کیمپ پر رات اتر آئی تھی۔ اندھیرے میں دمانی کی سفید چوٹی کسی ہیرے کی طرح جگر جگر چمک رہی تھی۔ پہاڑ کے قدموں میں، خیموں سے ایک طرف ہٹ کر، خالی جگہ پر آگ کا الاؤ جلا تھا۔ اس الاؤ کے گرد افق کی

سپورٹ ٹیم کے افراد، مقامی پورٹرز اور کریم آباد کے باسی جھنڈ لگائے بیٹھے تھے۔ بیس کیمپ کی پر رونق فضا میں لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز کے ساتھ بلند و بانگ اور نعرے بھی گونج رہے تھے۔ کریم آباد کے لوگوں نے افق سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ رکاپوشی سر کر لے گا تو اس کے عزاز میں پورا گاؤں دعوت دے گا۔

کبھی اس محفل سے ہنزہ کے روایتی نغموں کی صدا گونجنے لگتی تو کبھی ترک اپنے گیت سنانے لگتے۔ ان عروج پر پہنچی رونقوں میں دو افراد کی کمی تھی۔ ایک ارسہ جو اپنے خیمے میں بیٹھی اپنا ناول لکھنے میں محو تھی اور دوسری پریشے، جو ان سب سے دور اس برفانی نالے کے اس پار سوگوار سی بیٹھی تھی۔ وہ کہنی گھٹنے پر رکھے اور مٹھی تھوڑی تلے جمائے سامنے خیموں کو دیکھ رہی تھی خیموں کے اس پار بون فائر کا منظر آدھا نظر آرہا تھا، آدھا خیموں کے باعث چھپ گیا تھا۔

تم دفتعاً اس نے افق کو محفل میں سے اٹھتے دیکھا۔ وہ خیموں کے درمیان میں سے جگہ بناتا، اپنی گرے فلیس جیکٹ کی زپ بند کرتا اسکی جانب آرہا تھا۔ پریشے نے سر جھکا دیا۔

"تم کیا ادھر بور۔ لوگوں کی طرح بیٹھی ہو؟ آؤ وہاں چلو سب اتنا انجوائے کر رہے۔ ہیں۔ میں صرف تمہارے لیے اتنا شغل چھوڑ کر آیا ہوں" وہ اتنے فریش انداز میں مخاطب تھا جیسے صبح کچھ ہوا ہی نا ہو۔

پریشے نے اپنی لانبی پلکیں اٹھا کر ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اس کے سامنے ایک پتھر پر کہنی جمائے آرام سے بیٹھ چکا تھا اور اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ہم ترکوں کے گیت مس کر دیے۔ ابھی میں انھیں اتنا اچھا گانا سنا رہا تھا، وہ پورٹرز تو کہنے لگے، صاحب اپ نے غلط پروفیشن چوز کیا ہے۔ اپ کو تو۔۔۔۔"

"افق!" اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ وہ اسے ڈانٹنے، یا اس پر خفا ہونے کے بجائے یوں اتنا لاپرواہ اور ہشاش بشاش کیوں لگ رہا تھا؟

"میں۔۔۔ میں بہت بری ہوں ناں افق؟"

"تمہیں واقعی آج پتا چلا ہے؟"

"افق پلیز! میں سیریس ہوں"۔

"میں بھی ڈیڈ سیریس ہوں، پیاری پری"۔ وہ مصنوعی سنجیدگی سے بولا۔ دور الاؤ کے قریب سے اٹھتا شور یہاں tتک سنائی دے رہا تھا۔

"افق پلیز! مجھے بات تو کرنے دو" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کم آن۔ مجھے پتا ہے تم نے کیا کہنا ہے۔ یہی کے "افق مجھے معاف کر دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے نہیں پتا تھا کے وہ مر چکی ہے ورنہ میں وہ سب نہ کہتی"۔ یہی کہنا ہے ناں تمہیں؟ تو بس فرق صرف یہ ہے میں نے کہہ دیا تمہاری جگہ۔ اب اس قصے کو ختم کرو"۔

"افق! مجھے واقعی نہیں پتا تھا۔ میں اتنا کچھ کہتی رہی اور۔۔۔" وہ رو دینے کے قریب تھی جب وہ جھنجھلا گیا۔

"ایک تو تم پاکستانیوں میں یہ بڑی خرابی ہے۔ بات کو چباتے رہتے ہو۔ پلیز، باتوں کو ہضم کر لیا کرو۔ جو ہوا بھول جاؤ پلیز!"۔

وہ اسی طرح بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"ویسے مجھے علم ہوتا کے تم حنادے سے اتنی جیلس ہو گی تو اس کا ذکر بہت پہلے کر دیتا، ویسے۔۔۔"وہ شرارت سے تھوڑا سا جھکا۔"میں تمہیں اتنا اچھا لگتا ہوں کیا؟"مسکراہٹ دبائے وہ بمشکل خود پر سنجیدگی طاری کیے وہ مصنوعی معصومیت سے پوچھتا اتنا اچھا لگ رہا تھا۔

"ہاں، لگتے ہو نا!"خفگی بھرے انداز میں کہہ کر وہ خیموں کو دیکھنے لگی۔ افق کی طرح اس کی ناک بھی سرخ ہو رہی تھی اور منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا، جیسے کوئی بڑا کسی بچے کی معصومانہ شرارت پر اسے پیار سے دیکھتا ہے، مگر کہتا کچھ نہیں ہے۔

"پری آج تک یہ ہوتا آیا ہے کہ کوہ پیما خوب جسمانی مشقیں جھیل کر خود کو ان خوبصورت پہاڑوں کے لیے تیار کرتے ہیں۔ آج رات یہ پہلی دفعہ کہ میرے عقب میں موجود یہ پہاڑ خد کو ایک بہت خوبصورت کوہ پیما کے لیے تیار کرے گا"۔

پریشے نے نگاہوں کا زاویہ اس کی جانب واپس موڑا۔ قدرے اتراہٹ، قدرے معصومیت سے وہ بولی، "کون، میں ؟"

"نہیں یار، میں اپنی بات کر رہا ہوں"۔ وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ پریشے نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اچھا اٹھو، تمہارا چیک اپ کراتے ہیں احمت s سے۔ سارا دن روتی رہی ہو۔ اب تک تو تمہارا ایلٹی ٹیوڈسک نیس عروج پر ہو گی"۔ کھڑے کھڑے افق نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ وہ نالہ کے دوسرے طرف تھا۔ اس نے پہلے خفگی سے اسے دیکھا، مگر وہ اس سے زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے افق کا ہاتھ تھام لیا۔ اور کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کا ہاتھ تھامے، نالہ کراس کیا۔ دوسری جانب پہنچ کر افق نے اسکا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے خیموں تک آئے۔ کریم آباد کے دیہاتی اب اٹھ کر جا رہے تھے۔ احمت ابھی تک۔ بیٹھا کوئی گانا سنا رہا تھا۔ پریشے کو آتے دیکھ کر جھینپ کر خاموش ہو گیا۔

افق نے اس سے ترک زبان میں کچھ کہا۔ وہ سر ہلا کر اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اپنے ساتھ لیے ایک خیمے میں آ گیا۔

"تمہارا تارف نہیں کرایا۔ یہ میرا دوست ہے ڈاکٹر احمت دوران۔ جینیک اور کینیک جیسا بہترین دوست، اس سے میری دوستی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو گا کہ میں ہر ممکن طریقے سے اس کے مریض پکڑ کر لاتا ہوں"۔

احمت کے خیمے میں کرسی سمبھالتے ہوئے افق نے ہنس کر کہا۔ وہاں بڑی سی میز رکھی تھی۔

پریشے کے مقابل کرسی احمت کی تھی۔ افق اس کی دائیں جانب بیٹھ گیا۔

پریشے کے چیک اپ کے دوران احمت مسلسل ترک میں افق کو کچھ بتاتا رہا۔

"یہ کہہ رہا ہے تم صبح تک بلکل ٹھیک ہو گی اور تمہاری کھانسی تو اب پہلے سے بہتر ہے"۔

پریشے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے احمت کو دیکھتی رہی۔ وہ افق کا ہم عمر تھا، مگر بے حد دبلا پتلا اور چہرہ نو عمر لڑکوں جیسا تھا۔ بال سنہری مائل بھورے تھے۔ پریشے کے دیکھنے پر اس نے شرما کر ہونٹ ایسے بند کر لیے کہ جیسے کوئی بچہ غلط کام کرتا پکڑا جائے تو گھبرانے کے بجائے جھینپ کر مسکرا دے۔ وہ اتنا معصوم تھا کہ پریشے کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"تمہارا دوست بہت کیوٹ ہے"۔

فق نے ایک نظر پریشے کو دیکھا، دوسری نگاہ احمت پر ڈالی جو جھینپ کر ہنس دیا تھا اور پھر دوبارہ پریشے کو دیکھا، "میرے کیوٹ دوست کو بہت اچھی انگریزی بھی آتی ہے"

"اوہ۔۔۔" اب بوکھلانے کی باری پری کی تھی، "میں سمجھی اسے انگریزی نہیں آتی اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم دونوں ترک میں کیوں بات کر رہے تھے؟"

"اب ترک ہو کر ہم فرنچ میں بات کرنے سے رہے، ویسے یہ اندر اچھا خاصا ہے، مادام۔ کسی زمانے میں احمت اومت (رائیٹر) بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا"۔

"اور تم نصوع محرو کی بننے کے" کھٹ سے احمت کی جانب سے جواب آیا۔

"یہ صاحب کیا شاعر ہیں؟"

"اتنا بڑا ترک کلائمبر ہے، تمہیں علم نہیں؟ خیر جتنا بھی بڑا ہو جائے، افق ارسلان جیسا نہیں ہو سکتا" وہ مصنوعی تفاخر سے بولا مگر پریشے نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

)صحیح کہتے ہو۔ کوئی بندہ افق ارسلان نہیں ہو سکتا(

"اس کے علاوہ احمت انتہائی ذلیل قسم کا کمپیوٹر جینئیس اور ہیکر بھی ہے" اس نے اسے ذلیل کہا پھر بھی وہ اسی طرح شرما کر مسکرا دیا۔

"کمپیوٹر سے یاد آیا احمت، میں تمہارا کمیونیکشین ٹینٹ استمال کر لوں؟ مجھے پاپا کو ای میل کرنی تھی" پری کو۔ اچانک یاد آیا۔

"کر لو اس سے کیا پوچھ رہی ہو جیسے اس کا پیسہ لگا ہو، مادام! یہ میرے باپ حسن حسین ارسلان کی خون پسینے کی کمائی ہے، جسے ہم یوں ہمالیہ میں جھونک رہے ہیں۔ جینیک اکثر کہتا ہے کے اگر "اور رہن یقین" اور حسن حسین کے آباواجداد نے اتنی جائید اد نہ چھوڑی ہوتی تو کتنے ملک افق اور جینیک کی مہمان نوازی سے محروم رہ جاتے۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ پورٹرز ادھر ادھر پھرتے، اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ الاؤ کے چند گز فاصلے پر البرتو کے کیمپ کی جگہ کل والا کچرہ ابھی تک پڑا تھا۔

"تم اسے نیلے ٹینٹ میں چلی جاؤ۔ وہ کمیونیکشن ٹینٹ ہے۔ میں ذرا یہ صاف کر دوں" وہ زمین اور بیٹھ کر بکھرا کچرا چننے لگا۔

"خود کیوں ہلکان ہوتے ہو؟ پورٹرز سے کہہ دو"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ بیچارے تھکے ہوئے ہوں گے۔ میں خود کرلوں گا یہ سب" وہ خالی کین، بوتلیں، اور یورپین، پروسیسڈ فوڈ کے خالی ڈبے سمیٹنے لگا۔

وہ کمیونیکشن ٹینٹ میں چلی آئی۔ احمت۔ نے اسے زبردست انداز میں ترتیب دے رکھا تھا، سیٹلائٹ فون، لیپ ٹاپ، کمپیوٹرز، جنریٹرز، بجلی کے سولر پینل، دوسرے کچھ آلات۔۔۔ وہ ایک ستائشی نگاہ اس سب پر ڈال کر اس کی کرسی کے قریب آئی، جس پر ارسہ بیٹھی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟"

"فین میل چیک کر رہی ہوں۔ اب تو ایک ہی قسم کی ای میلز سے بور بلکہ زچ ہونے لگی ہوں، پتا نہیں لوگ ہر بات میں، "اتنی سی عمر میں ناول کیسے لکھا؟" کیوں کہتے ہیں؟ خود کیا اس عمر میں فیڈر پیتے اور روٹی کو چوچی کہتے تھے؟ میری۔ عمر کے بارے میں ایسے رشک کرتے ہیں ک نظر لگا دیں گے اور شاید لکھنا ہی بند کر دوں" وہ سخت بھری بیٹھی تھی، "اور ہر میل میں مجھے کہتے ہیں، کیا آپ مجھسے دوستی کریں گی؟ خدایا میں نے قلمی دوستی کا اشتہار تو نہیں دیا تھا جو مجھے ہر بندہ یہی کہتا ہے اور میرے پاکستانی مداحوں کی تو مت پوچھیں۔ چوں کے میں عمر

میں میں ان سے چھوٹی ہوں سو "تم اور "یار" کہہ کر خود ہی فری ہونے لگتے ہیں، پتا نہیں لوگوں کو اپنے ارد گرد فرینڈز نہیں ملتے جو۔۔۔"

"اچھا ہٹو نا۔ مجھے کمپیوٹر چاہیے "اس نے پیار سے ارسہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"بیٹھ جائیں اور کبھی لطیفے پڑھنے کا شوق ہو تو میری فین میل کھول کر پڑھنا" وہ کہہ کر باہر چلی گئی۔

پری نے میل کھولی۔ سیف کی تین ای میلز تھیں، جو اس نے پڑھے بغیر مٹا دیں۔ پاپا کی ایک تھی۔ وہ کچھ دنوں kکے لیے کام سے برسلز جا رہے تھے۔ کام کچھ لمبا تھا۔ شکر تھا کہ وہ مصروف تھے۔

"بیٹھ جاؤں مادام؟ اگر کچھ پرسنل نہیں ہے تو؟" افق اندر داخل ہوا۔

"ہوں، تم سے کیا پرسنل؟ اور ہو گئی جمعداری؟" وہ ای میل لکھ کر بھیج رہی تھی۔ افق نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ وہ بہت خاموشی سے اس کے دائیں جانب کرسی پر بیٹھا سوچتی نگاہوں سے لیپ ٹاپ کی چمکتی سکرین کو دیکھتا رہا۔

"سنو پری، تمہیں سائیکک لوگوں پر یقین ہے؟"

"تھوڑا بہت۔ کیوں؟"۔

"براؤزر کلوز مت کرو۔ تمہیں کچھ دکھاتا ہوں۔ اڈریس بار میں لکھو، "www.peteranswers.com"

پری نے ٹائپ کیا۔ فوراً ایک صفحہ کھل گیا۔ افق نے لیپ ٹاپ اپنی جانب کھسکا لیا۔

"یہ ایک سائیکک ہے پیٹر! تمہیں تمہارے ہر سوال، ہر پریشانی کا حل بتائے گا۔ کوئی سوال پوچھنا ہے تو پوچھو۔ ہاں، ٹائپ میں کرتا ہوں، کیوں کہ میری اس سے تھوڑی جان پہچان ہے"

"افوہ! مجھے ان چیزوں کا کوئی یقین نہیں ہے۔ خیر تم پوچھو۔ میرا نام کیا ہے؟"۔

افق کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کی پیڈ پر متحرک تھیں۔ وہ بہت تیز ٹائپ کرتا تھا۔ وہاں دو خانے تھے۔ پہلے میں اس نے لکھا۔ "پیٹر پلیز انسر"

اور دوسرے میں لکھا، "میرے ساتھ بیٹھی لڑکی کا نام کیا ہے؟"

"پریشے جہاں زیب" سکرین پر سفید رنگ کے دو الفاظ ابھرے۔ افق نے فخر سے پری کو دیکھا، جو کچھ حیران، کچھ بے یقین سی تھی۔

"اچھا پوچھو، میری عمر کیا ہے؟"

افق نے ٹائپ کیا۔ "پیٹر پلیز انسر۔ پری کی عمر کیا ہے؟"

"پچیس سال" سکرین پر لکھا آیا۔

"اسے کیسے پتا؟" وہ بے یقینی سے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ سائیکک ہے اور دماغ پڑھ سکتا ہے"

پھر پریشے نے اپنے متلق کئی سوالات کیے۔ تمام جوابات درست نکلے۔ اسے تھوڑا سا خوف محسوس ہونے لگا۔ پیٹر واقعی کوئی عامل تھا۔

"اچھا پوچھو ک۔۔ک کیا میں کسی کو پسند کرتی ہوں؟"

"اس کا جواب مجھ سے پوچھ لو۔ تم رکاپوشی کو پسند کرتی ہو" وہ ہنستے ہوئے، لیپ ٹاپ پر لکھنے لگا۔

"پیٹر پلیز انسر۔ کیا پریشے کسی کو پسند کرتی ہے؟"

"تم بار بار پیٹر پلیز انسر کیوں لکھتے ہو؟" وہ بار بار کی تکرار سے جھنجھلائی۔

"اس دنیا میں کام نکلوانے کے لیے منت کرنا شرط ہے"۔

پیٹر کا جواب سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

"ہاں، اور اس کا نام "k" پر ختم ہوتا ہے"

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس نے گھبرا کر افق کو دیکھا۔

"k پر؟ لیکن رکاپوشی تو "k" پر ختم نہیں ہوتا" وہ شاید سمجھا نہیں تھا، یا پھر بن رہا تھا، پری نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "کیا وہ مجھے ملے گا؟"

"ہاں، اگر وہ کوشش کرے تو!" جواب آیا۔

وہ بیحد خوف زدہ نگاہوں سے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔

"اچھا اب۔۔ اب پوچھو، کیا وہ مجھے سے محبت کرتا ہے؟۔" افق نے فورن پوچھ دیا۔ جواب بھی فورن آیا۔

"محبت؟ وہ تو عشق کرتا ہے"۔

وہ سانس روکے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔ یہ آدمی کون تھا اور کیسے اتنا کچھ جانتا تھا؟۔

"افق۔۔۔ افق۔۔۔ سوز۔۔۔" احمت خیمے کا دروازہ کھول کے تیزی سے اندر داخل ہوا اور افق سے ترک میں کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ پریشے کو دیکھنے پر فورن پیچھے ہٹا۔ اس کے چہرے پر معذرت کے تاثرات آئے تھے۔

وہ پیٹر کے سہر میں ایسے بری طرح جاکڑی ہوئی تھی کہ یہ مداخلت اسے بری طرح کھلی۔ افق نے بھی قدرے اکتا کر اسے دیکھا۔ پھر دونوں کچھ دیر ترک میں بات کرتے رہے۔ تب وہ اٹھا اور جیکٹ کی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے خیمے سے باہر چلا گیا۔ "ذرا ان پورٹرز کا جھگڑا نمٹا لوں۔۔۔ پتا نہیں کیا مسئلہ ہے ان کو؟"

اس کے جانے کے بعد احمت نے پریشے سے معذرت کی۔

"معاف کرنا ڈاکٹر، وہ پورٹرز میں جھگڑا ہو گیا تھا، افق اسے ہی نمٹانے گیا ہے۔ دراصل۔۔۔۔" دفعتاً اسکی۔ نگاہ سکرین پر پڑی۔ وہ قدرے قریب آیا اور جس کرسی پر افق بیٹھا تھا، اسکی پشت کو پکڑ کر قدرے جھک کر بغور سکرین کو دیکھا۔

"اچھا۔ تم peter answer کھیل رہی ہو"

"کھیل رہی ہوں؟" وہ بری طرح چونکی۔

"ہاں۔ اٹ از اے گریٹ گیم. "!

"گیم؟" پریشے کے ذہن میں الارم سا بجا، "احمت ادھر میرے پاس آکر بیٹھو اور مجھے شروع سے بتاؤ ک یہ کیسے کھیلتے ہیں"۔

"یہ تو بہت آسان ہے" وہ کھڑے کھڑے بتانے لگا۔

"یہ دیکھو سکرین پر دو خانے بنے ہیں پہلے خانے میں۔۔۔"

"مجھے پتا ہے، اس میں "پیٹر انسر" لکھنا ہے"۔

"نہیں، یہ ہی تو نہیں لکھنا۔ اس میں تم نے فل اسٹاپ دبا کر اصل "جواب" لکھنا ہے۔ فل اسٹاپ دبا کر تم جو بھی لکھو گی، اس جگہ سکرین پر پیٹر پلیز انسر ہی لکھا آئے گا۔ پھر دوسرے خانے میں تم سوال لکھو اور انٹر کرو۔ اب جو تم نے اوپر والے باکس میں چھپا کر لکھا تھا، وہ پیٹر کے جواب کے طور پر لکھا آئے گا۔

"تو۔۔ تو پھر پیٹر کون ہے؟"

"وہی جو بیٹھا ٹائپ کر رہا ہے "

"تمہارا مطلب ہے ک جواب، ٹائپ کرنے والا خود لکھتا ہے اور پیٹر کوئی نہیں ہے؟" وہ آہستہ سے بولی اب اسے سمجھ آ رہا تھا۔

"ہاں اس سے بڑے بڑے لوگ بے وقوف بن جاتے ہیں" احمت کا انداز معصومیت بھری بے وقوفی سے لبریز تھا۔

"ویسے تم کسے بنا رہی تھیں؟"

"میں بن رہی تھی "

"اچھا" اس نے شانے جھٹکے۔ "افق اور جینیک کا یہ مشغلہ ہے۔ جب بھی میرے پاس آتے ہیں، ڈاکٹرز اور نرسوں کو گھیر گھار کر بے وقوف بناتے رہتے ہیں۔ انھیں ٹائپ نہیں کرنے دیتے اور کہتے ہیں۔ "ہماری پیٹر سے تھوڑی۔۔۔"

"تھوڑی جان پہچان ہے" پری نے فقرہ مکمل کیا۔

"ہاں۔ بڑے عرصے تک ڈاکٹرز بے وقوف بنتے رہے"

"پھر انھیں کیسے پتا چلا؟"

"میں نے بتا دیا۔ اب مجھ کیا پتا تھا ک افق انھیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ وہ تو میں نے ڈاکٹر کو یہ ویب سائٹ کھولتے دیکھا تو سمجھا دیا کہ پیٹر انسر کو کیسے کھیلتے ہیں۔ میری آنے کہتی تھی، کوئی کام کی بات ہو تو سب کو بتا دیا

کرتے ہیں۔ میں نے اس ڈاکٹر کو بتایا، اس نے باقی سب کو بتا دیا اور پھر۔۔" وہ جھینپ سا گیا، " پھر افق اور جینیک نے سخت سردی میں مجھے پول میں پھینک دیا اور مارا بھی بہت۔۔۔"

پریشے ہنس دی۔ " چلو آج تمہارا بدلہ لیتے ہیں۔ تم بس افق کو مت بتانا کہ تم نے مجھ سب بتا دیا ہے۔"۔

" نو پروبلم " وہ شانے جھٹکتے ہوئے چلا گیا۔

افق تھوڑی دیر بعد آیا۔ اس کی ٹوپی اور جیکٹ پر برف کے ذرات پڑے تھے۔ وہ جھاڑتے ہوئے کرسی سمبھال کر بیٹھ گیا۔ " یہ پورٹرز بھی نا، خیر ہم کہاں تھے ؟" اس نے سکرین کو دیکھا،

" ہوں، تو وہ تم سے عشق کرتا ہے، کون ہے وہ ؟" وہ بڑے لاپرواہ سے انداز میں بولا۔

" ابھی پتا چل جاتا ہے۔ تم اس سے اس کی ہائیٹ اور آنکھوں کا رنگ پوچھو " اب وہ افق کے ہاتھوں کی حرکت کو دیکھ رہی تھی۔

" سکس ون ہائیٹ اور ہنی کلرڈ آئز " پیٹر کا جواب آیا۔

" بس میں سمجھ گئی یہ کس کی بات کر رہا ہے۔ سکس ون ہائیٹ ہنی کلرڈ آئز، اور "k" پر نام ختم ہوتا ہے، بلکل ٹھیک " وہ خوشی سے بولی۔

" اچھا " وہ ہولے سے مسکرایا، " پھر کون ہے ؟"

" سیف الملوک اور کون "۔

افق کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے قدرے الجھ کر سکرین اور پھر پری کو دیکھا۔

"نہیں، سیف نہیں۔۔۔ یہ تو۔۔۔"

"سیف ہی ہے۔ مجھے پتا تھا وہ مجھ سے محبت کرتا ہے مگر اتنی زیادہ کرتا ہے، یہ علم نہیں تھا۔ اوہ گاڈ کتنی لکی ہوں نا "افق!

"نہیں ناں" وہ جھنجھلایا، "ضروری تو نہیں یہ سیف کی بات کر رہا ہو۔ کسی اور کا نام بھی تو "k" پر ختم ہو سکتا ہے"۔

"اور کسی کا نہیں ہوتا"۔

"ہوتا ہے" اس نے جھلا کر کی بورڈ پر ہاتھ مارا۔

"کس کا؟"۔

"میرا! اور یہ سب میں لکھ رہا تھا، سمجھیں تم!" وہ غصے سے بولا۔

"اچھا، مجھے تو نہیں پتا تھا" پری نے تھوڑی تلے مٹھی جما کر معصومیت سے اسے دیکھا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم سیف کے نام سے اتنے جیلس ہو گے تو بہت پہلے اس کا نام لے دیتی، ویسے میں تمہیں اتنی اچھی لگتی ہوں کیا؟"۔

اس کا انداز افق کو بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ تمام ڈرامہ جان گئی تھی، سو وہ ناراضی سے کھڑا ہوا اور کرسی کے پیچھے سے نکل کے خیمے کے دروازے کی جانب بڑھا، پھر پلٹ کر ایک خفگی بھری نگاہ۔ اس پر ڈالی۔

"ہاں، لگتی ہو ناں!" کچھ نروٹھے پن، کچھ محبت سے اس نے جیسے بہت ناراضی سے اعتراف کیا۔ وہ ہنس دی۔

"تم اس وقت اتنے کیوٹ لگ رہے ہو، مگر میں تعریف کر کے تمہارا دماغ نہیں خراب کرنا چاہتی"۔

وہ اسی طرح برا سا منہ بنا کر جھٹکتے ہوئے جانے لگا، پھر رک کر پوچھا۔

"تمہیں پیٹر کے سیکرٹ کا پہلے سے پتا تھا؟"

"نہیں، یہ تو ابھی احمت نے۔۔۔" بے اختیار اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

"واٹ؟ احمت نے بتایا ہے؟ میں آج اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس گدھے نے پہلے بھی مجھے ڈاکٹر اور نرسوں سے پٹوایا تھا۔ کدھر گیا یہ۔۔۔۔"

وہ غصے سو بولتا خیمے سے باہر نکل گیا۔ اور وہ، جسے احمت پر بے انتہا ترس بھی آ رہا تھا اور ہنسی بھی جا رہی تھی۔

#آٹھویں_چوٹی

جمعرات، 11 آگست 2005ء

اس نے میس ٹینٹ کی میز پر رکھے کئی پاور بارز اور انرجی بارز اٹھا کر اپنے رک سیک میں بھر لیے اور جوتوں کے نیچے crampons چڑھا کر باہر نکل آئی۔ وہاں ارسہ، فرید اور افق اپنے بیک ٹیکس کمر پر چڑھائے، بوٹس، کریمپنز، ٹوپیاں اور گلاسز پہنے تیار کھڑے تھے۔

شیڈیول کے مطابق کیمپ فور تک پورٹرز ساتھ لے کے جانا تھا، مگر شیر خان نے صبح سویرے سورج نکلنے کے وقت بغیر گلاسز لگائے راکاپوشی کا نظارہ کیا تھا اور اب وہ سنو بلائنڈ ہو کر اپنے گھر پڑا تھا۔

ان کے پاس اتنا گیئر اور فیول نہیں تھا کہ وہ ایک دن بھی تاخیر کر سکیں۔ فرید خان جانے کے لیے تیار تھا۔ وہ بنیادی طور پر ہنزہ کا باشندہ تھا اور ہنزہ و پورٹرز بلتی پورٹرز سے جسمانی اور ذہنی دونوں لحاظ سے مختلف ہوتے تھے۔ بلتورو کے بلتی پورٹرز کو غیر ملکیوں خصوصن یورپین پر وہ زیادہ تجربہ ہوتا تھا۔ افق انھیں "شرپاز کا قراقرم ورژن" کہتا تھا۔ پورٹرز کو گلہریوں کی چڑھائی کے لیے بہت کچھ محفوظ کرنا پڑتا ہے، جس کے باعث یہ نہ چاہتے ہوئے بھی کوہ پیماؤں کو ساتھ ان بلندیوں پر جاتے ہیں۔ کوہ پیمائی بعض لوگ پیسہ کمانے کے لیے کرتے ہیں اور بعض سیر کرنے کے لیے۔۔

جب ان چاروں نے بیس کیمپ کو آلودہ کہا t تو افق، احمت سے گلے ملا پھر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے، اسے سنجیدگی سے اپنی زبان میں کچھ سمجھاتا رہا۔ احمت پہاڑ پر تقریبن تین دفعہ ان کے ہمراہ آیا تھا۔ اس دوران افق مسلسل اسے کسی لیڈر کی طرح ہدایت دیتا رہا۔ اور وہ ازلی معصوم انداز میں تابعداری سے سر ہلاتا رہا۔

پھر احمت چلا گیا تو افق اسے نیچے اترتے دیکھتا رہا۔ یہاں۔ تک کے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پری اس کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ احمت غائب ہو گیا تو افق نے ایک آخری نظر دور چھوٹے سے دکھائی دینے والے بیس کیمپ پر ڈالی۔

"میری خواہش ہے کہ ہم سب ان خیموں کو دیکھنے کے لیے زندہ رہیں"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی۔ اس نے بے حد خوف سے اوپر "برو" کے گلشیئر کو دیکھا اور دل میں دعا کی کہ خدا کرے برو کو علم نا ہو ک۔ کوئی دبے قدموں اس کی راجدھانی میں داخل ہو رہا ہے۔ کاش برو سوتا رہے۔ وہ کبھی نا جاگے وہ اس کے تخت پر قدم رکھ کر زندہ سلامت واپس آجائیں۔

اس کی ہراساں صورت دیکھ کر وہ مسکرایا، فکر نہیں کرو۔ ہم راکاپوشی۔ کو سر کر لیں گے تو گاؤں کے لوگ ہمیں گرینڈ دعوت دیں گے"۔

پریشے نے ایک نظر برف میں پیوست نوکدار بیضوی سے کریمپنز کو دیکھا جو کے نیچے لگے تھے اور جس سے وہ برف پر پھسل نہیں سکتی تھی اور سر جھٹک کر مسکرائی۔ اس کا خوف قدرے کم ہوا۔

"ہاں میں نے دیکھا تھا، دعوت کا سن کر تم نے بڑے حریصانہ انداز میں پوری آنکھیں کھول کر انھیں دیکھا تھا"

"میری آنکھوں کو کچھ مت کہو۔ ترک لڑکیاں ان آنکھوں پر مارتی ہیں"۔

"ترک لڑکیوں کا ٹیسٹ اتنا خراب ہے؟ چچ چچ، مجھے ان سے ہمدردی ہے"۔

"اچھا ابھی لڑو نہیں۔ ابھی لمبا سفر ساتھ کرنا ہے" افق نے اپنا بھاری دستانے والا ہاتھ بڑھایا، پری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اب اس نے خد کو قدرے محفوظ تصور کیا۔ وہ گرنے لگے گی تو کوئی اسے تھام لے گا اور گرنے نہیں دے گا۔

وہاں برف گدلی اور بے حد نرم تھی۔ سورج ذرا تیز چمکتا تو برف پگھلنے اور ٹپکنے لگتی۔ راکاپوشی سر کرنے کا بہترین وقت جولائی ہوتا ہے اور وہ ایک مہینہ لیٹ ہو چکے تھے۔ آگست میں برف بہت خراب حالت میں تھی۔ ایسی ہی برف کھد کر ایک برفیلے میدان میں کیمپ ون نصب تھا جس میں تین ٹینٹ لگائے گئے تھے۔ یہ کوہ پیمائی کا نظم و ضبط ہوتا ہے۔ کیمپ ون تک وہ دوپہر تک پہنچ گے تھے۔ پہلی رات انہوں نے وہیں گزاری۔

دوسری صبح افق، فرید اور ارسہ کیمپ ٹو تک کے راستے پر رسیاں لگانے چلے گئے۔ افق کا ارادہ اوپر بارہ سو میٹر تک راستہ متعین کرنے کا تھا اور آگے کیمپ ٹو کے لیے کہیں مناسب جگہ ڈھونڈ کر وہاں خیمے بھی لگانے تھے۔ وہ سیمی الپائن سٹائل سے چڑھ رہے تھے یعنی بعض جگہ رسیاں لگائی تھیں اور بعض جگہ نہیں۔ پریشے اس روز خیمے میں ہی رک گئی۔ اس کی ایلٹی ٹیوڈ سک نیس کم ہو رہی تھی اور بہت جلدی اوپر جانے سے وہ بڑھ سکتی تھی۔ سو

اپنی Accelimatization کو بلکل پرفیکٹ کرنے کے لیے اس نے وہیں رک کر ان کے لیے کھانا بنانے کی زمیداری لے لی۔

کچھ دور تک وہ ان کے ساتھ گئی۔ ارسہ کے کندھے پر رسیوں کا گچھا تھا اور ہاتھ میں چند آئس سکریوز اور پی ٹونز (pitons) تھے۔ افق نے زمین پر بیٹھ کر ایک پی ٹون ٹھونکا، پھر رسی کو اس سے اینکر کیا۔۔۔ یہ تمام کروائی دیکھنا خاصا غیر دلچسپ تھا، سو وہ واپس خیمے میں آکر کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

پری کو اپنی کوکنگ پر ناز تھا۔ اس کے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت تھا، سو ان تمام چیزوں سے جو وہ خاص بریانی بنانے کے لیے لائی تھی، اس نے بڑے پیار اور محبت سے سندھی بریانی بنائی۔ شام تک وہ اس کام سے فارغ ہوئی اگے تمام دن۔۔۔Add. Some. Hot..water ٹائپ کی یورپی چیزیں ہی کہانی تھیں، سو آج بریانی کھا کر افق کو اچھا لگے گا، یہی سوچ کر اس نے یہ بنائی تھی۔

کھانا ڈھک کر وہ باہر چلی آئی۔ وہاں ہر طرف سخت برف کے اوپر پاؤڈر سنو کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ دو تین دن سے۔ نئی برف نہیں گری تھی، اس لیے یہ برف پیلی سی تھی۔ وہاں خیموں سے دور ایک بڑے گرنائٹ کے پتھر پر بیٹھ کر وہ بے حد خوش گوار موسم کو انجوائے کرنے لگی۔ اس وقت راکاپوشی پر شام اتر رہی تھی۔ ہر سو ٹھنڈی میٹھی سی چھایا تھی۔ وہ پہاڑ کی جانب پیٹھ کر کے کہنیاں گھٹنوں پر جمائے ہاتھلی تھوڑی تلے رکھے خاموشی سے ان خوبصورت مناظر کو اپنے اندر میں جذب کرتے ہوئے ڈھلتی شام کے سحر میں ڈوبنے لگی۔

خیموں کے باہر اس بے حد تنہا اور خاموش برفیلے میدان میں اس حد تک خاموشی تھی کہ سوئی گرنے سے بھی گونج پیدا ہوتی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ ارد گرد موجود تمام دیو ہیکل سیاہ بلکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ شام کے اس پہر وہ۔ دنیا کا حسین ترین پہاڑ راجدھانی۔ تھا۔ سارے کا سارا دمانی اس کا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پاپا، پھپھو، سیف، نشاء، سب دوسری دنیا میں رہتے تھے، جہاں بلند و بانگ عمارتیں تھیں، جہاں ٹرافک کا شور اور موسیقی کی بے حد آواز گونجتی تھی۔ یہ کوئی اور دنیا تھی۔ جب اس دوسری دنیا کی رات شروع نہیں ہوتی تھی، اور اس کی صبح ہو جاتی تھی۔ منہ اندھیرے کوہ پیما برف پر اپنے کلہاڑے مارتے ہوئے آٹھ کلو میٹر چلنا

شروع کر دیتے تھے، جس کی بلندیوں تک جانے کو ان کی روحیں مچلا کرتی تھیں۔ وہ آٹھ کلو میٹر دوسری دنیا میں گاڑی پر آٹھ منٹ میں طے ہو جاتے تھے۔ پہاڑوں پر مہینوں میں ہوتے تھے۔ انسان کی فطرت ہے اور یہی جستجو انسان کو ان آٹھ کلو میٹر کا سفر کرنے پر اکساتی ہے۔

وہ اسی طرح پتھر پر بیٹھی کتنی دیر سوچتی رہی۔ کیا وہ سیف جیسے شخص کے ساتھ رہ سکتی تھی یا وہ ایک انسان نہیں ایک اسٹاک ایکسچینج تھا؟ جس کے سینے میں دل کی جگہ کیلکیولیٹر نصب تھا۔ بغاوت اس کی سرشت میں نہیں تھی مگر صرف ایک دفعہ وہ سیف سے متعلق اپنے تمام تحفظات پاپا کے سامنے رکھے گی ضرور، وہ ان کو افق سے ملوائے گی، ان کی آنکھوں سے رشتے داروں کی اندھی محبت کی پٹی اتارنے کی کوشش ضرور کرے گی۔

وہ بدل رہی تھی۔ پہاڑ اسے تبدیل کر رہے تھے۔ وہ خودکشی نہیں کرنا چاہتی تھی، سو سیف سے منگنی ختم کرنے کا فیصلہ اس نے کر لیا تھا۔ وہ الجھنوں کے سرے تلاش کر کے ان کو سلجھانے لگی تھی۔

اور افق، جس کی طرح سے اسے پہلے بے یقینی سی تھی، اب مکمل نہیں تو کسی حد تک یقین تھا، پیٹر انسر کھیلتے کھیلتے اس نے اعتراف کیا تھا، "محبت؟ وہ تو عشق کرتا ہے" اور پھر ناراضگی بھرا اظہار "ہاں، لگتی ہو نا!" وہ ایک فقرہ اس کے اوپر نرم پھوار برسانے لگا۔ کتنا مان، اپنائیت اور محبت تھی اس ایک فقرے میں۔ ہاں ایک بے کلی بھی تھی کہ وہ براہِ راست اظہار کیوں نہیں کرتا تھا۔ وہ تین لفظ کیوں نہیں کہہ سکتا تھا؟ شاید کبھی اس نے حنا دے کو یہ بات کہی ہو۔ پتا نہیں ان کی محبت کی شادی تھی بھی یا۔۔۔ یہ بات وہ افق سے نہیں پوچھ سکتی تھی، پھر۔

اسے ایک دم خیال آیا۔ اس نے جھٹ اپنی پاکٹ سے ٹرانسیور نکالا۔

اس کا میکنزم بس دو بٹن کا تھا۔ اس نے ٹرانسمٹ بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد احمت لائن پر تھا۔

"گڈ آفٹر نون بیس کیمپ ڈاکٹر! کیسی ہو؟" احمت اس کی آواز سن کر خوش ہوا تھا۔

"کیمپ ون کے باہر برف پر بیٹھی ہوں۔ باقی سب روٹ فکس کرنے گے ہیں۔ میں نے چاول بنائے ہیں۔ تم سناؤ بیس کیمپ کیسا ہے؟"

"تمہیں یاد کر رہا ہے اور خاصا اداس ہے سب ٹریکرز اور پورٹرز سوائے شفالی کے، جا چکے ہیں۔ میں بور ہو رہا تھا۔ اچھا کیا کال کر لیا۔ تمہاری ای میلز آئی ہوئی ہیں۔ تم نے اپنا ای میل اور پاس ورڈ میرے پورٹیبل پر محفوظ کر دیا تھا۔ مگر قسم لے لو، میں نے کوئی میل نہیں کھولی"۔

"افوہ۔ کر لو چیک اور میری طرف سے جواب لکھ لو"۔ وہ اسے ای میلز کے جواب لکھوانے لگی۔ پھر قدرے سوچ سوچ کر بولی، "احمت! ایک بات پوچھو؟"

"ہاں پوچھو ڈاکٹر تمہاری بیماری۔۔۔"

"اوہو۔ ضروری تو نہیں تم سے میڈیکل کے متلعق کچھ پوچھوں۔ میں کچھ اور پوچھنا چاہ رہی تھی"۔ پھر قدرے توقف سے بولی، "تمہیں حنادے یاد ہے؟"

"کون حنادے؟"

پری کو حیرت ہوئی۔ افق نے حنادے کو اپنی بیوی بنایا تھا اور اس کا اتنا اچھا دوست اس بات سے لاعلم تھا۔

"افق کی بیوی، حنادے"۔

"اچھا میں سمجھا تم "حوا" کی بات کر رہی ہو۔ حضرت حوا کی، جن کو انگلش میں Eve اور ترک میں حنادے کہتے ہیں"۔

پری کا دل سر پیٹ لینے کو۔ چاہا۔ اپنا نہیں، احمت کا۔

"ہاں وہی، تمہیں یاد ہے؟ کیسی تھی وہ؟"۔

"خوبصورت تھی"

"اور۔۔۔؟"

"تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

پری سٹپٹا گئی۔ وہ اتنا سیدھا نہیں تھا، جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

"وہ یونہی، افق اس کو یاد کر کے اداس ہو جاتا ہے ناں"۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟" احمت کے لہجے میں حیرت تھی۔

"افق نے"

"وہ مذاق کر رہا ہو گا۔ وہ تو اس سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا"۔

"مگر کیوں؟" اسے کرید ہوئی۔

"اسے کسی اور سے محبت تھی"

پری کا دل ڈوب کر ابھرا "کس سے؟"

"کیا واقعی قراقرم اور ہمالیہ کے پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں؟ افق کو جانے کتنے برسوں سے ان پریوں کی تلاش تھی۔ وہ کے ٹو کے روپل فیس کے بیس کیمپ کا ٹریک بہت بہت باد کیا کرتا تھا"۔

"کے ٹو کا نہیں، نانگا پربت کا روپل فیس ہو گا۔۔" اس نے بے مشکل "سٹوپڈ" کہنا سے خود کو روکا۔

"ہاں وہی، وہاں بیاں کیمپ سے فری میڈوز کے درمیان، اس نے سن رکھا تھا کہ پریاں اترتی ہیں اور رات کو سیاہوں کے پاس آکر انھیں گیت سناتی ہیں۔ وہ ہر مرتبہ پاکستان آکر روپل فیس کا ٹریک ضرور کرتا تھا۔ حالاں کہ میں نے کہا بھی تھا کہ سٹوپڈ آدمی، یہ پریاں واریاں کچھ نہیں ہوتیں، ایویں سیاہوں کو بے وقوف بناتے ہیں مگر افق اور جینیک تو پاگل ہیں، صرف پریوں۔ کو ڈھونڈنے ہر گرما میں پہاڑوں میں نکل جاتا تھا۔ اور افق جینیک کے بغیر کہیں جائے یہ ہو نہیں سکتا۔"۔

"پھر اب جینیک کیوں نہیں آیا؟"

"اس کے تومازکے باس نے کام میں پھنسا رکھا ہے، جینیک بڑا خبیث آدمی ہے، کہہ رہا تھا کے احمت دعا کرو کہیں زلزلہ، طوفان یا سیلاب آجائے میں ریلیف ایکٹیویٹی کے بہانے ہی یہاں سے نکلوں"۔ احمت زور سے ہنسا۔

"اور وہ حنا دے۔۔ اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو اب اس کے بارے میں اتنا حساس کیوں ہے؟" اس کے ذہن کی۔ سوئی وہیں تھی۔

"اس کی بیوی تھی ناں۔ جیسی بھی تھی، مرے ہوئے کو کچھ نہیں کہا کرتے۔ ویسے بڑی عجیب سائکو کیس تھی۔ بہت میک اپ کرتی تھی۔ سلمیٰ کہتی تھی، افق نے لگتا ہے کسی پیسٹری سے شادی کی ہے۔"

"اچھا" کچھ سوچتے ہوئے اس نے ریڈیو کو دیکھا۔ پھر الوداعی کلمات کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور احمت کی باتوں پر از سر نو غور کرنے لگی۔

اس کے سامنے آسمان پر سرخ و سرمئی بادلوں کے درمیان خالی جگہوں سے، ڈھلتے سورج کی آخری نارنجی شعاعیں جھانک رہی تھیں۔ دور نانگا پربت کو بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا اور وہ بادل اب یقیناً قراقرم کی جانب بڑھنے لگے تھے۔

"خدا کرے یہ ہمیں بائی پاس کر کے گزر جائیں اور موسم نہ خراب ہو"۔ وہ دعا کرتے ہوئے اور اوپر پہاڑ پر بار بار نگاہیں دوڑاتی ان تینوں کا انتظار کر رہی تھی۔

شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ درجہ ٔ حرارت گر رہا تھا۔ سردی بڑھتی جارہی تھی۔ پھر رات کا اندھیرا پوری طرح پھیل گیا تو اسے تھکے تھکے قدموں کی آہٹ اور باتوں کی آوازیں سنائی دی۔ وہ تینوں اگے پیچھے برف چلتے اس کی جانب آرہے تھے۔ افق کے کندھے پر رسیوں کا آخری گچھا اور ہاتھ میں سنوسٹک تھی۔

"کدھر رہ گے تھے؟ اتنی دیر سے انتظار کر رہی تھی"۔

اس کے غصے کے جواب میں اس کے چہرے پر تھکن زدہ مسکراہٹ ابھری۔

"اچھی لگ رہی ہو اتنی فکر کرتے ہوئے اور بھی اچھی لگو گی اگر جلدی کھانا کھلا دو تو"۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر خیمے میں چلا گیا۔ ارسہ نے بھی اس کی تقلید کی۔ دونوں خاصے تھک چکے تھے۔

"میں نے بریانی پکائی ہے" اس کے پاس اندر آکر اس نے دبے دبے جوش سے بتایا۔

"لائیں اپ کی ہیلپ کراؤں" ارسہ اس کے ساتھ کھانا نکالنے لگی۔ پری نے بریانی والا برتن کھولا افق نے جھک کر چاولوں کی شکل دیکھی اور ایک سیکنڈ کو چپ سا ہو گیا۔

"چلو ذائقہ اچھا ہو گا" افق کا مطلب تھا کے شکل اچھی نہیں ہے۔

"میری کوکنگ پوری فیملی میں مشہور ہے۔ بے شک نشاء سے پوچھ لو"۔ اس نے جاتایا۔

"ہمارے ہاں یہ اعزاز احمت کی۔ بیوی سلمٰی کو حاصل ہے" افق نے بریانی اپنے برتن میں نکالی اور پہلا چمچہ منہ میں ڈالا، پھر اسے چبا کر نگلا۔ اس کے بعد مرغی کی بوٹی توڑنے کی۔ کوشش کی جو ٹھیک سے گلی نہیں تھی اور کچھ

سردی کا اثر بھی تھا۔ اس نے ایک ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھا اور چیونگم کی طرح چبایا۔ ارسہ سے بھی بوٹی نہیں چبائی جا رہی تھی۔ پریشے بغور دونوں کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے۔ پری، ترکی یورپ میں ہے"۔

اور میں بھی یورپ سے آئی ہوں" ارسہ نے پلیٹ رکھ دی۔

"مطلب؟" پری نے سنجیدگی سے دونوں کو دیکھا۔

"مطلب یہ کہ یورپ سے آئے ہیں، افریقہ سے نہیں۔ کچا گوشت تو صرف افریقہ والے ہی کھا سکتے ہیں"۔

"افق بھائی کا مطلب ہے کہ۔۔۔ مچھلی پڑی ہے؟" ارسہ نے اس کے چہرے کو دیکھ کر وضاحت کی۔

"ہاں پڑی ہے، تمہارے پیچھے سیرینہ ہوٹل کے شیف دے کر گئے تھے ناں"۔ وہ اپنے حصے کی بریانی لے کر وہاں سے چلی آئی تھی۔ مطلب تھا کہ "خود پکا لو مچھلی"۔۔

"اگر 4800 میٹر بلندی پر کوکب خواجہ بھی بنائیں گی تو اس سے اچھی نہیں بنا سکتیں۔ سارا دن لگ کر میں ان کے لیے کھانا بناتی رہی، کیا تھا اگر جھوٹے منہ ہی تعریف کر دیتا افق؟ اتنی بری نہیں تھی کہ اسے کچا گوشت کہا جاتا"۔ اسے سچ مچ رونا آیا تھا۔ "ٹھیک ہے، مصالاح تیز، بلکے خاصے تیز تیز اور گوشت ٹھیک سے گلا نہ تھا، مگر

چپ کر کے کھاتے رہتے میرا دل رکھنے کو۔ اتنی سٹر کٹ فارورڈنیس کی کیا ضرورت تھی؟ میں کوئی پورٹر تو نہیں ہوں جو کھانا پکاؤں۔ ٹھیک ہے دوبارہ نہیں پکاؤں گی"۔

رات وہ اپنے خیمے سے باہر اسی پتھر پر بیٹھی اپنے جوگرز کے نیچے کریمپنز سے برف پر لکیر سی بنا رہی تھی۔ گردن اس نے اٹھا رکھی تھی اور نگاہیں اوپر ساتویں کے چاند پر تھیں، جس کی چاندنی سے بروکا گلشیئر چمک اٹھا تھا۔ راکاپوشی پر چاند خاصا بڑا اور واضح دکھائی دیتا تھا۔ شاید اسے اس دھند سے ڈھکی اس حسین چوٹی سے عشق ہو گیا تھا اور وہ اس کو دیکھنے بہت قریب اتر آیا تھا۔

دفعتاً اس نے افق کو اپنے خیمے سے نکلتے دیکھا تو چہرے کا رخ جھٹکے سے موڑ لیا۔ چند منٹ بعد اسے کسی کے اپنے ساتھ پتھر پر بیٹھنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔

"اہم۔۔۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ بریانی پڑی۔ ہو گی؟" گلا کھنکھارتے ہوئے بہت معصومیت سے پوچھا گیا۔

پری نے رخ قدرے مزید پھیر لیا۔

"یقین کرو بریانی بہت مزیدار بنی تھی۔ اتنی لذیز بریانی تو میں نے زندگی بھر نہیں کھائی۔ یہ ممبئی کے شیف تو جھک مار رہے ہیں۔ ان کو تو تم سے سیکھنا چاہیے"۔

وہ جواباً کچھ بولے بنا چہرے کا رخ اس کی جانب سے موڑ دائیں طرف سیدھی پتھروں کی دیوار کو دیکھتی رہی جس پر چاندی کا چھڑکاؤ ہوا تھا۔

"اچھا پلیز! دیکھو ناراض مت ہو۔ میں نے تعریف کی ہے"

پری نے گردن گھما کر قہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "نہیں، تم تو افریقہ سے نہیں آئے اور تم تو کچا گوشت نہیں کھاتے"۔

"اب کچھ گوشت کو میں پکا گوشت کہنے سے تو رہا "

"ہاں خود تو اوپر چلے گے تھے۔ میں نے سارا دن اتنی محنت سے بریانی تیار کی اور پھر اتنی دیر تمہارا اتنی پریشانی سے انتظار کیا اور تم؟"

"کاش قراقرم کی پری! تم نے اتنی دیر گوشت گلانے پر لگائی ہوتی تو۔۔۔۔"

"افق" اس کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے۔

"اچھا پلیز رونا مت۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ دیکھو تمہارے لیے اتنا گرم سلیپنگ بیگ چھوڑ کر آیا ہوں"۔

"تو نہ آتے"۔

"کیوں نہ آتا؟ مجھے پتا ہے تم نے کھانا نہیں کھایا۔ میں تمہارے لیے خود پکا کر مچھلی لیا ہوں" افق نے پیکٹ اسے تھمایا۔ پری نے حیران نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیسے پتا میں نے بریانی نہیں کھائی؟"

"لو وہ کوئی کھانے والی چیز تھی؟" وہ ہنسا

پری نے روہانسی ہو کر وہ پیکٹ زور سے اس کے کندھے پر مارا۔۔

"ویسے پری! نشاء کہہ رہی تھی، تم سیف سے منگنی سے انکار نہیں کر سکتیں۔ تم واپس جا کر ایک۔ کام کرنا۔ سیف کو اپنی بنائی گئی بریانی کھلا دینا، وہ خود ہی رشتہ توڑ جائے گا، لکھ کر رکھ لو"۔ وہ ہنستے کہہ رہا تھا۔

"میری بریانی کے بارے میں تم نے ایک لفظ اور کہا، تو میں تمہیں یہاں سے دھکا دے دوں گی۔ اور رہاں منگنی کا سوال، تو وہ میں ویسے ہی ختم کر دوں گی"۔

وہ۔ ہنستے ہنستے رک گیا اور خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا، "کیوں؟"

"مجھے ٹام کروز نے پرپوز کیا ہے، اس لیے" وہ جل۔ کر بولی۔

وہ پھر سے ہنس دیا، "ہاں، اچھا آدمی ہے، کر لو شادی"۔

"ہاں، تمہیں قتل کر کے اس سے ہی شادی کروں گی"۔ وہ غصے سے کہہ کر تیزی سے اپنے خیمے میں چلی گئی۔

ہفتہ، 13 اگست 2005ء

خیمے کی گور ٹیکس کی دیوار سے ٹیک لگائے، گھٹنوں پر کتاب رکھے وہ مطالعے میں منجمد تھی۔ قدرے فاصلے پر ارسہ اسی انداز میں بیٹھی کاغزوں کا پلندہ گود میں رکھے تیز تیز قلم چلارہی تھی۔ خیمے کی کپڑے کی دیوار میں شفاف چوکور چھوٹی سی کھڑکی تھی، جس پر برف کے ذرارت جگمگا رہے تھے۔ دوپہر ہونے کے باوجود باہر اندھیرا سا تھا۔ بادل راکاپوشی پر چھا چکے تھے۔ موسم سخت خراب تھا۔ برف کا طوفان خاصی دیر تک چل رہا تھا۔ اور اب برف باری ہورہی تھی۔ احمت نے بتایا تھا کہ بیس کیمپ میں آج بارش ہورہی تھی۔ پوری رات برفانی جھکڑ چلنے کے باعث بیس کیمپ کا کچن ٹینٹ اڑ کر قریبی گلشیئر پر جا گرا تھا۔

افق اپنے خیمے سے نکل کر دھند میں چلتے ہوئے ان کے خیمے میں داخل ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس کے آنے سے خیمے کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا ہوا۔ پری نے کتاب پر سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا، جو نیچے میٹرس بچھا کر رک سیک کا تکیہ بنا کر نیم دراز ہو چکا تھا۔ اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"لائبریری میں بولنا منع ہے" صفحے پر نگاہیں جمائے پری نے اطلاح دی۔

"میں اتنے خراب موسم میں پورے چھے قدم چل کر تمہارے خیمے میں آیا ہوں اور تم کہہ رہی ہو بے مروت ہو؟"

ارسہ نے قدرے اکتا کر سر اٹھایا اور پھر بڑبڑاتی۔ ہوئی کاغز پر جھک گئی۔

"میں سوچ رہا ہوں اگلے سال بطور گائیڈ کسی ایکسپیڈیشن کے ساتھ ایورسٹ جاؤں۔ بندے کو اس فیلڈ میں کچھ کمانا بھی چاہیے۔ انجینیرنگ میں میرا دل نہیں لگتا۔ وہ تو ماز کا باس مجھے برداشت بھی اسی لیے کرتا ہے ک میرے باپ کا دوست ہے"۔

افوہ افق بھائی! کتنا بولتے ہیں اپ کوئی کام نہیں کرنے دیتے"۔ ارسہ جھنجھلا کر اپنے کاغز سمیٹے اور بڑبڑاتی ہوئی خیمے سے باہر نکل گئی۔ پری نے کتاب پر سے نگاہیں ہٹا کر حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔ افق مسکرا دیا۔

سکاٹ فشر سے معذرت کے ساتھ۔

"its not attitude.its altitude"۔

اس ایلٹی ٹیوڈ پر بندہ تھوڑا بہت چڑچڑا تو ہو ہی جاتا ہے۔ میں مائنڈ نہیں کرتا۔ ہاں تو میں بات کر رہا تھا اگلے مارچ کی، جب میں ایورسٹ ایکسپیڈیشن لیڈ کروں گا۔ تم سن رہی ہو؟"

"نہیں" وہ کتاب پڑھتی رہی۔

"تو پھر سنو، وہ بریانی پھر سے کھلاؤناں"۔

"زہر نہ کھلاؤں؟" اس نے پڑھتے پڑھتے ایک طنزیہ نگاہ سامنے بیٹھے افق پر ڈالی۔

"تمہارے ہاتھ سے زہر بھی کھالوں گا۔ تم کھلاؤ تو"۔

"کیا پاکستانی فلمیں بہت دیکھنے لگے ہو؟"۔

"پشاور میں ایک پشتو فلم دیکھی تھی۔ سمجھ میں تو نہیں آئی مگر اس کی ہیروئن کنگ فو بہت اچھی کرتی تھی"۔

"کنگ فو؟ جیسے تمہیں پتا ہی نہیں کہ وہ ڈانس تھا۔ بنومت" وہ پھر سے مطالعے میں منہمک ہو گئی۔ وہ جھنجھلا گیا۔ "یہ کتاب مجھ سے زیادہ اچھی ہے کیا؟"۔

"ہاں بلکل"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا پھر افق کے خفا تاثرات دیکھ کر ہنس دی۔ "خفا ہو گئے کیا؟" پری نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

"پری!" وہ ایک دم سچ مچ اداس نظر آنے لگا۔ "مجھے آنے بہت یاد آ رہی ہے"۔

ترک اپنی ماں کو "آنے" بولتے ہیں۔

"ہوں۔ مجھے بھی پاپا اور نشاء لوگ بہت یاد آ رہے ہیں۔ پتا نہیں پہاڑوں پر پیچھے والے لوگ کیوں اتنے یاد آتے ہیں"

افق اٹھ کر بیٹھ گیا اور پری کے مقابل خیمے کی دیوار سے ٹیک لگا لی۔ کھڑکی سے باہر سرمئی آسمان نظر آ رہا تھا۔

"کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے میں کوہ پیمائی ترک کر دوں۔ آنے کو یہ سب اچھا نہیں لگتا"، کھڑکی پر گرتی، جمتی برف کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا، "میرے تین بھائی پہاڑوں میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کے بعد میری ماں بہت اکیلی اور دکھی ہو گئی ہے۔ وہ اکثر مجھے کہتی ہے افق! پہاڑوں پر نہ جایا کرو میرے بیٹے پہاڑوں سے لوٹ کر نہیں آتے۔ تب میں سوچتا ہوں کہ صرف آنے کے لیے یہ تمام کام ترک کر دوں، آرام سے جاب کروں، پر کشش

تنخواہ ہاتھ میں ہو اور اپنے ماں کے ساتھ رہوں۔ تب میرا دل یہ سب کچھ چھوڑنے کو چاہتا ہے"۔ کچھ دیر پہلے کی شوخی اب اس کے چہرے سے مفقود تھی

"تو پھر چھوڑتے کیوں نہیں ہو یہ سب؟"

وہ پژمردگی سے مسکرایا، "جنون ہے یہ پری۔ ایڈکشن ہے پہاڑوں کی۔ کوہ پیمائی چھوڑنا مشکل ہوتا ہے۔ مجھے ہمالیہ سے عشق ہے۔ مجھے بچپن سے ہی شوق تھا۔ "بگ فائیو" سر کرنے کا ایورسٹ، کے ٹو، kangchenjunga، lhotese اور makalu میں گھنٹوں تصور کیا کرتا کہ وہ لمحہ کیسا ہوگا جب میں ان سب کو سیر کرلوں گا۔ وہ لمحہ جب تمام خواب پورے ہو جائیں گے جب دو سال پہلے میں نے کے ٹو کی چوٹی پر قدم رکھا تو جانتی ہو کیا ہوا؟ میرے خواب اچانک خالی ہو گئے۔ سارے خواب، خواہشات سب ختم ہو گیا۔ ہر خواب پورا نہیں ہونا چاہیے۔ زندگی میں ایک عجیب خالی پن در آتا ہے۔ کچھ ادھورا بھی رہنا چاہیے۔ میری آخری آرزو ہے ک دنیا کی حسین ترین پہاڑ پر کھڑے ہو کر کنکورڈیا اور بلتورو کی چوٹیاں دیکھنے کی، پھر میں کبھی پہاڑوں میں نہیں آؤں گا"۔

"اگر یہ آرزو تشنہ رہ گئی پھر بھی؟"۔

وہ دھیرے سے مسکرایا، "ہاں پھر بھی کیوں ک جس کی جستجو تھی وہ مل گئی، ہے۔"۔ پری کا دل زور سے دھڑکا۔

"میں نے سن رکھا تھا کہ ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑوں پر پریاں اترتی ہیں" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا، "میں نانگا پربت بیس کیمپ کے ٹریک میں بیال کیمپ سے۔۔"۔

"بیال کیمپ سے فیری میڈوز تک کا سفر بہت باد کرتے تھے، کیوں ک ان دو جگھوں کے درمیان شام ڈھلے پریاں مدھر نغمے گاتی ہوئی اڑتی پھرتی ہیں اور تمہیں ان کو دیکھنے کی آرزو تھی ہے ناں؟" اس نے فقرہ مکمل کیا۔

شہد رنگ آنکھوں میں حیرت در آئی۔ "تمہیں کیسے پتا؟"۔

پری نے مسکراتے ہوئے شانے اچکا دیے اور کتاب اٹھالی۔ "جس کی۔ جستجو کی جائے اسے آزل سے علم ہوتا ہے، بے وقوف کو وہ پیمائی کھوجنے والا تو دربدر ٹھوکریں کھاتا ہے، مگر جنہیں کھوجا جاتا ہے ناں، وہ ایک ہی راستے پر صدیوں نگاہیں جمائے انتظار کر رہے ہوتے ہیں" اپنا مطلوبہ صحفہ پلٹتے ہوئے وہ کتاب پر سر جھکائے کہہ رہی تھی۔ ایک دل نشین مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھری تھی۔

کتنی ہی دیر تک وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بہت کچھ کہہ کر بھی وہ کچھ نہ کہہ سکا تھا اور پری نے دو فقروں میں داشت آرزو سمٹ کر رکھ دیا تھا پھر وہ جیسے کھل کر مسکرا دیا۔

"یہاں سے جا کر تمہارے فادر کے پاس چلیں گے، ٹھیک؟"

اس کی جھکی پلکوں میں ارتاش پیدا ہوا۔ اس کے سامنے بیٹھا شخص بہت کچھ کہہ گیا تھا، مگر تین لفظ، جذبوں کی شدت کوئی اظہار، کوئی اعتراف نہیں کرتا تھا۔ پری n نے پلکیں اٹھا کر قدم یونانی دیومالا کے اس کردار کو دیکھا جو جانے اس کی قسمت میں لکھا بھی تھا یا نہیں۔

"یہاں سے جا کر؟ تمہیں یقین ہے ہم یہاں سے زندہ واپس جائیں گے؟" وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی، مگر لبوں سے یہی پھسل پڑا۔

افق نے شانے اچکا دیے۔ "راکاپوشی بھی خوبصورت ہے اور جو خوبصورت ہوتے ہیں، ان سے زیادہ ظالم بھی کوئی نہیں ہوتا"۔

"مگر میں مارنا نہیں چاہتی۔ اب۔۔۔ اب زندہ رہنے کو دل کرتا ہے افق! زندگی اب بہت حسین لگتی ہے"۔ وہ۔ کہیں کھو سی گئی۔ افق اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"تم فکر کیوں کرتی ہو پری! تم اکیلی نہیں ہوں میں ہوں ناں تمہارے ساتھ"۔ پری نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "میں تین ہفتے پہلے تک تمہیں جانتی بھی نہیں تھی اور اب یوں لگتا ہے کہ جیسے تم سے بڑھ کر اپنا اور کوئی نہیں ہے۔ جانے کیوں اب یقین سا ہے اگر میں گری تو تم مجھے تھام لوگے"۔

افق نے بہت عجیب نظروں سے اسے دیکھا، "اور اگر میں گرا تو؟ تو تم بھی حنا دے کی طرح مجھے چھوڑ جاؤ گی؟"

وہ سناٹے میں رہ گئی۔ وہ اس پل اتنا اجنبی اور سرد مہر لگا تھا کہ وہ چند لمحوں تک تو کچھ بول ہی۔ نہیں سکی۔ پھر افق اس کے پاس سے اٹھ کر تیزی سے خیمے سے نکل گیا، مگر وہ اسی طرح اس جگہ کو دیکھتی رہی، جہاں تھوڑی پر قبل وہ بیٹھا تھا۔ کھڑکی پر برف ابھی تک گر رہی۔ تھی۔

اتوار، 14 اگست 2005ء

پری n نے آہستگی سے خیمے کا پردہ سرکایا اور اندر جھانکا۔ وہ اپنے سلیپنگ بیگ میں سو رہا تھا وہ دبے قدموں اندر آگئی۔ خیمے کے فرش پر اس کے قدموں سے آہٹ ہوئی، مگر وہ بے سدھ سوتا رہا۔ رات ارسہ نے اسے بتایا تھا کہ افق نے صبح دو بجے اٹھانے کی تاکید کی۔ تھی۔ پری رات الارم لگا کر سو گئی تھی۔ نیند بمشکل ہی آئی تھی۔ ساری رات ارسہ کی کھانسی سنتے گزری تھی۔ اب میں دس منٹ پہلے ہی وہ اسے جگانے آئی تھی مگر وہ سوتے ہوئے اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ وہ اس کے سرہانے دو زانو بیٹھ گئی۔ "راکاپوشی 2005ء" کی سرمئی ٹوپی نے اس کے بھورے سر کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اب اس کی ہیل ٹو طیب اردگان والی کیپ اسے نہیں آتی تھی۔

وہ۔ کچھ دیر بیٹھی رہی، اس میں اس کی نیند میں خلل ڈالنے کی ہمت نہیں تھی، سو اسے اٹھائے بغیر وہ خاموشی سے اس کے خیمے سے نکل آئی۔

باہر آسمان سیاہ، مگر صاف تھا برف باری گھنٹوں ہوئے رک چکی تھی۔ خیمء کے گورنیکس پر چند انچ برف جمی تھی۔ دور سیاہ آسمان پر تاحد نگاہ جھلملاتے تارے بکھرے تھے، جو ایک کھلے کھلے دن کی پشین گوئی کر رہے تھے۔ ہمالیہ کا آسمان پل پل رنگ بدلتا تھا۔

اپنے خیمے میں آکر وہ افق کی جگہ خود ناشتہ بنانے لگی۔ یوں لگتا تھا اس گہرے اندھیرے میں وہ سحری کی تیار کر رہی ہو اور وہ رمضان کے دن ہوں۔

دروازے پر آہٹ ہوئی، پری نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ عجلت میں اندر داخل ہوا تھا۔ آنکھیں سرخ اور بوجھل سی تھیں۔

"مجھے اٹھایا کیوں نہیں"؟ اس کے قریب بیٹھے ہوئے افق نے ماچس اس کے ہاتھ سے لے لی۔ پری نے بغور اسے دیکھا۔ اب وہ شناسا سا لگ رہا تھا۔ (کبھی کبھی اتنے اجنبی کیوں ہو جاتے ہو افق؟ کیوں اس کو بھلا نہیں دیتے؟ کیوں وہ ہر پل میرے اور تمہارے درمیان کسی دیوار کی طرح آجاتی ہے؟ کیوں خواب میں آکر بھی ستاتی ہے، حالاں کہ وہ تو تمہارے خوابوں میں کبھی بھی نہیں آتی تھی)۔ اسے افق سے پچھلے شام کے متلعق کوئی سوال نہیں کرنا تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ اس سے کبھی یہ بات نہیں پوچھے گی۔ ایک دن افق خود بتائے گا۔

وہ اب چولہے کی گیس کھول کر، بڑی لاپروائی سے تیلی جلا کر چولہے میں جھونک رہا تھا۔ آگ تیزی سے بڑھک اٹھی۔

"اتنی بے احتیاطی سے کیوں چولھا جلا رہے ہو؟" اس کی بے احتیاطی دیکھ کر پری کو ٹوکنا ہی پڑا۔

"چولہے کو چھوڑو۔ رسیوں کی فقر کرو۔ خدا کرے وہ برف میں دب کر گم نہ ہو گئی ہوں"۔

مگر رسیوں کی خبر ہو گئی۔ ان پر برف گری ضرور تھی، مگر وہ جلدی نکل آئین۔ رات کے اس پھر راکاپوشی بہت خاموش تھا۔ وہ اگے پیچھے فکسڈ روپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پری اپنے جوگرز کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اگلا قدم برف پر رکھتی برف کی تہ ایک انچ دب جاتی۔ ایک لمحے کو اس کا سانس رک جاتا، مگر یہ احساس کے اس کے نیچے ٹھوس زمین ہے اور وہ پہاڑوں کی کسی درز (crevase) کے اوپر نہیں کھڑی بہت فرحت بخش ہوتا تھا۔

اوں بچے پہاڑوں اور گلشیئر میں کئی جگہ دراڑیں ہوتی ہیں، جو اندر کئی سوفٹ گہری ہوتی ہیں، بعض جگہوں پر یہ واضح ہوتی ہیں مگر عموماً ان کے دہانے پر برف باری کے باعث چند انچ موٹی برف کی تہ جم جاتی ہے۔ ایسے میں یہ دراڑیں برف کا نقاب اوڑھے چھپ جاتی ہیں برف کے۔ نقاب پر پاؤں پڑنے کی صورت میں برف فوراً پھٹتی ہے اور کوہ پیما اندر گر جاتا ہے۔ پہاڑوں کی ان دراڑوں، شگاف یا کریوس سے عموماً لاشیں بھی نہیں نکالی جا سکتیں۔ ۔

اس وقت بھی فکسڈ روپ پر خود کو "جومر" (ایک ایلومینیم کا بیضوی آلہ جس کو فکسڈ روپ اور کمر کے گرد باندھی کلائمنگ ہارنس سے باندھا جاتا ہے) کی مدد سے رسی پر کلپ آن کرتے وقت اسے آس پاس سرمئی برف میں ہلکی ہلکی کریز سے واضح ہوتے شگاف نظر آ رہے تھے۔ وہ جومر کو اوپر چڑھاتے ہوئے اس روز ساری چڑھائی میں گنگناتی رہی۔ تھی۔

وہ سارا راستہ گنگناتی رہی۔

" آؤ بچو! سیر کراؤں تم کو پاکستان کی، جس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں کی، پاکستان زندہ باد۔۔۔۔"۔

افق نے مطلب پوچھا تو اس نے کندھے اچکا کر کہہ دیا۔

" آج ہمارا انڈیپینڈنس دن ہے۔ میں اسے منا رہی ہوں۔ اس لیے تم اپنا منہ بند رکھو"۔

وہ تپانے والے انداز میں مسکرایا۔

"ٹھیک ہے، مگر اب تو سنا ہے بھارت سے دوستی ہو رہی ہے۔ امن معاہدے ہو رہے ہیں"۔

"سانپوں سے امن معاہدے نہیں کیے جاتے"۔ اس کی حب الوطنی اچھی خاصی ہو گئی تھی۔ کیمپ ٹو تک وہ نظریہ ءپاکستان کے متعلق اس طرح کی کئی ارشادات سناتی آئی۔ آج خاصی مشکل تھی۔ برف کی حالت خراب تھی۔ وہ بے حد نرم اور پکڑنے پر پگھلنے اور ٹپکنے لگتی تھی۔

کیمپ ٹو پر برف کھود کر خیمے نصب کرنے کا سارا کام فرید اور افق نے کیا تھا۔ پری نے خیمے لگ جانے کے بعد ان تمام کے اندر چند جھنڈیاں لگائی تھیں۔ جو وہ اسلام آباد سے اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ تو بڑا جھنڈا ابھی لگانا چاہتی تھی، مگر شام ڈھلنے کے ساتھ ساتھ ہوا میں تیزی آگئی تھی۔ گور ٹیکس کے ہیٹ لائیزز نے خیموں کے اندرونی ماحول کو خاصا گرم رکھا ہوا تھا، اس کے باوجود تیز چلتی برفیلی ہوا اتنی سرد تھی کہ خون منجمد ہونے لگا تھا۔ اوپر ویسے بھی آکسیجن بے حد کم تھی۔ کیمپ تقریباً 6200 میٹر پر نصب تھا اور اس بلندی اور موسم میں باہر جا کر بڑا جھنڈا لگانے کے لے خطرہ نہیں مول لے سکتی تھی، سو رات کو کھانا کھائے بغیر، بس چائے پی کر سو گئی۔ سطح سمندر کی بلندی پر ویسے بھی بھوک مر جاتی ہے۔

#نویں_چوٹی

پیر، 15 اگست 2005ء

وہ دونوں لاؤنج میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ سیف کچھ دیر خاموش رہا، پھر بغیر کسی تمہید کے کہنے لگا، "پری! میں جانتا ہوں تمہیں یہ سن کر دکھ ہو گا، مگر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ میں اپنے دوست کی بہن کو پسند کرتا ہوں اور یہ منگنی میں نے اپنی ماں کو خوائش پر کی تھی۔ اب بہت ہو چکا۔ میں یہ منگنی توڑنا چاہتا ہوں۔ تم بتاؤ، تم کیا کہتی ہو؟"۔

اور وہ کیا کہتی؟ اس کی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"بتاؤ پری! میں ماموں سے بات کروں؟" وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔ پریشے کی آنکھیں چمک پڑیں۔

"سیف تم پلیز، یہ منگنی توڑ دو۔ تمہارا مجھے پر بہت احسان ہو گا"۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ مگر جانے کیوں حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"اٹھ بھی جائیں پری آپی! کب تک سوتی رہیں گی؟"۔ کسی نے اسے جھنجھوڑا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اور ارد گرد دیکھا۔ اس کا لاؤنج اور سیف، کچھ ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ وہ ان سے ہزاروں میل دور کے برفیلے میدان میں۔ نصب ایک خیمے کے اندر لیٹی تھی۔

"خدایا!" اس نے اپنی کنپٹی سہلائی۔ خوائشات اب خواب بن کر ستانے لگی تھیں۔

پھر وہ خاموشی سے تیار ہونے لگی۔ تیار۔ ہو کر اس نے ناشتہ کیا، اور پھر آخر میں اپنے کندھے پیچھے کریمپنز چڑھائے اور گلشیئر گاگلز لگالیں۔ ارسہ قریب ہی بیٹھی کاغزوں کا پلندہ اپنے بیگ میں ٹھونسنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"میرے پیک۔ میں رسی ہے۔ اس لیے یہ پورا نہیں آ رہے۔ اپ یہ اپنے والے بیگ میں ڈال لیں"۔ اس نے ارسہ کے ہاتھ سے کاغذ لے لیے۔ سامان سمٹ کر کھڑی ہوئی تو گود سے دو بیٹریاں گریں۔ وہ انھیں مٹھی میں۔ دبوچے باہر نکل آئی۔

آسمان ابھی تک سیاہ تھا۔ رات۔ تمام نہیں ہوئی تھی۔ پچھلے پوری شام سونے کے باعث وہ خاصی تازہ دم۔ تھی، آسمان بھی صاف اور تارے دور دور تک جگمگا رہے تھے۔ آج بھی یقیناً پورا صاف دن ہونا تھا۔

خیمے کے باہر برف پر افق اور فرید تیار کھڑے تھے۔ افق جھک کر جوتوں کے تسمے بند کر رہا تھا وہ اس کے عقب میں آئی اور اس کی پشت پر باندھے رک سیک کے ایک خانے میں دونوں بیٹریاں ڈال کر زپ بند کر دی۔ صرف بیٹری رکھنے کو اس میں دوبارہ اپنا بیگ کھولنے کی ہمت نہیں تھی۔

"صاحب!، ایک بات کہوں؟" سر پر ٹوپی درست کرتے ہوئے فرید نے افق کو مخاطب کیا۔

"ہاں کہو"۔

"صاب میری مانو تو آگے نہ جاؤ۔ یہ شمالی مغربی رج آج تک کوئی سر نہیں کر سکا"۔

"افق ارسلان کر لے گا۔ تم فکر مت کرو"۔ اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ پری نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ حد سے زیادہ خود اعتماد اور ہٹ دھرم تھا۔

"صاب موسم خراب ہو جائے گا"۔

"آسمان تو صاف ہے"۔

"صاب وہ شمالی میں ستاروں کا جھنڈ دیکھ رہے ہو؟ یہ ستارے میں نے کبھی اس مہینے میں چوٹی کے آسمان پر نہیں دیکھے، یہ اچھی پیشن گوئی نہیں کرتے۔ اپ دمانی کو ہم ہنزہ وکٹر سے زیادہ نہیں جانتے"۔

"ہمارے پاس اتنا فیول اور گیئر نہیں ہے کہ ہم بیٹھ کر انتظار کرتے رہیں"۔ پینٹ جھاڑتے ہوئے وہ سیدھا ہو گیا۔ فرید بھی چپ ہو گیا۔

وہ اسی طرح خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ اچانک اس کے سر کے پیچھے کوئی نوکدار چیز زور سے لگی۔ وہ گھبرا کر پلٹی، تین پہاڑی کووں (raven) نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس نے زور سے سر سر پر ہاتھ مارا، وہ اڑ گئے۔ اس نے ان کو دیکھتے ہوئے سر کا پچھلا حصہ سہلایا، جہاں انہوں نے چونچیں مری تھیں۔

"کیا ہوا! تم ٹھیک ہو؟" افق قدرے فکر مندی سے اس کے قریب آیا۔ وہ اسی طرح عجیب نگاہوں سے دور سیاہ آسمان پر اڑتے کووں کو دیکھتی رہی۔

"پری! کیا ہوا؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

اس نے چونک کر سر جھٹکا۔ "کچھ نہیں۔ یونہی کچھ یاد آ گیا۔ تھا"۔

اس۔نے دوبارہ سر جھٹکا اور بھلانے کی۔کوشش کی جو یاد آیا تھا۔ٹھیک چھے سال پہلے جس دن اس کی مما کی وفات ہوئی تھی، اس روز بھی صبح جوگنگ کے دوران اس پر یونہی کوؤں نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔وہ بھی ایسے ہی پہاڑی کوے تھے۔پتا نہیں کیوں اس کو عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگی۔

ارسہ کان پر فون لگائے بولتے ہوئے خیمے سے باہر آئی۔"جی جی بلکل، میں کیمپ تھری پہنچ کر بابا سے بات کرلوں گی۔جی شیور۔اوکے ٹیک کیئر۔لو یو مما بائے۔"اس نے سیٹلائٹ فون بند کر کے پری کو تھمایا اور خود سر پر ہیلمٹ جوڑنے لگی۔اس وقت پریشے کا دل چاہا کہ وہ بھی پاپا سے بات کرے، مگر اس کے پاس ان کا کوئی نمبر نہیں تھا۔اس نے خاموشی سے فون بیگ میں رکھ دیا۔

"ہمیں جلد از جلد کیمپ تھری پہنچنا ہے۔آج رسیاں آپس میں نہیں بندھیں گے، کیوں کہ ایسے میں ہماری رفتار سست ہو جائے گی۔چلو نا پری! تم کیا سوچ رہی ہو؟"اسے کلائمنگ ہیلمیٹ ہاتھ میں پکڑے گم صم دیکھ کر وہ جاتے جاتے پلٹا۔اس نے قدرے سوچتی، متذبذب نگاہوں سے اسے دیکھا۔"افق!۔۔۔فرید ٹھیک کہہ رہا ہے۔آسمان پر ستاروں کا جھنڈ اور یہ کوؤں کا حملہ، یہ بری علامتیں ہیں"

"کیا ہیری پوٹر بہت پڑھنے لگی ہو؟"وہ مسکرایا۔

"افق میں سیریس ہوں۔یہ ان کلائمبڈ رج ہے۔موسم کو دیکھو، چند گھنٹوں تک برف پھر شروع ہو گئی تو۔۔۔؟"

"میں انقرہ سے ہنزہ اس لیے نہیں آیا تھا کہ برف باری سے ڈر کر بیس کیمپ میں چھپ جاؤ"۔

"پتا نہیں کیوں، مجھے ڈر لگ رہا ہے میری چھٹی حس ہے یا کچھ اور، میرا خیال ہے ہمیں آج نہیں کرنا چاہیے۔ آج کے دن کا آغاز ہی بدشگونی سے ہوا ہے"۔ جانے کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا۔

وہ چند لمحے بے حد سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا، پھر بولا، "بدھ مت کے بھکشو نیپال والے سیاہوں کے متعلق کہا کرتے تھے۔ صاحبوں کو جانے دو جہاں ان کا دل کرے، مگر یہ نہیں کہ وہ بدھا کا مسکن ہوتی ہیں۔ بدھا کے پیروکار ایورسٹ کو (chololungma) یعنی،

Mothergoddess of the world اور "ساگر ماتا" کہا کرتے تھے اور آج بھی یہی کہتے ہیں۔ چھے نسلوں پہلے شرپا، سگرماتا کی۔ چوٹی پر قدم رکھنا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیالات تب بدلے جب تیزنگ نے سر ایڈمنڈ ہیلری کے ساتھ ایورسٹ سر کیا۔

"یقین کرو اس وقت اتنی توہم پرست باتیں کرتی تم مجھے بدھ مت کی کسی مٹھ میں رہنے والی راہبہ لگ رہی ہو"۔ اس کا انداز اتنا قطعی اور منطقی تھا کہ وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ حالاں کہ کہنا چاہتی تھی ک مجھے توہم پرست کہو یا جو بھی، میں اور آگے نہیں جانا چاہتی۔

"پری آپی! اگر ہم رج سر کر لیں تو ہمارا نام گینیز بک آف ورلڈ ریکارڈز میں لکھا جائے گا"۔ ان دونوں نے کسی بات کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ اب اگر وہ ان کے ساتھ نہ چلتی تو وہ اسے اس کی بزدلی شمار کرتے۔ وہ کسی ریکارڈ بک میں نام نہیں لکھوانا چاہتی تھی، وہ ادھر راکاپوشی سر کرنے بھی نہیں آئی تھی، وہ تو خود تسخیر ہو کر

اپنے فاتح کو لینے آئی تھی اور اس وقت جس طرح اس کا دل کسی انہونی کے باعث گھبر ارہا تھا، وہ بلکل بھی نہیں جانا چاہتی تھی، مگر۔۔۔ ٹھرنہ اس کے خلاف تھا۔

وہ ان کے اگے چل رہا تھا اس کے قدموں سے بننے والے نشانات پر قدم رکھتی سر جھکائے خاموشی سے اس کے پیچھے آرہی تھی۔ اس کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا اور قدموں کے نیچے موجود گلشیئر کے اندر سے سلائڈنگ کی آواز بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔

اس کی مسلسل خاموشی محسوس کر کے وہ کہنے لگا، "ارسہ !تمہارے ناول کا نام کیا ہو گا؟ دی راکاپوشی کلائمب؟ یا پھر راکاپوشی دی ان کلائمبڈ رج یا پھر ان ٹو تھن ایئر آف راکاپوشی؟ "وہ مشہور کتابوں کے نام بگاڑ رہا تھا، ارسہ ہنس دی۔

"خیر، میرے ناول کا نام خاصا مختلف ہے"۔

"کیا ہے؟"

"جب چھپ جائے تو پڑھ لیجئے گا"ارسہ اپنے ناولوں کے متعلق خاصی شرمیلی تھی۔

وہ ہنوز خاموشی سے جھک کر برف پر آئیس ایکس مارتے ہوئے چل رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس نے پری کی بات نہیں مانی، سو اس کا موڈ ٹھیک کرنے کو پوچھنے لگا۔

"کھانسی ٹھیک ہے تمہاری؟ تم کل شام نیند میں کھانس رہی تھیں"۔

"ہاں۔ اب ٹھیک ہے"وہ مختصر آ کہہ کر چپ ہو گئی۔

"موسم صاف ہو تو راکاپوشی کی چوٹی سے میلوں دور تک پھیلے پہاڑ سلسلے نظر آتے ہیں" وہ اپنے تئیں اسے summit کرنے کی ترغیب دلا رہا تھا۔

"اچھا"۔

"میں تو یہاں اس کی چوٹی پر کھڑے ہو کر کنکورڈیا اور بلتورو کی چوٹیاں دیکھنے ہی آیا ہوں"۔

وہ اسے کیا بتاتی ک جس پہاڑ کے حسن کی وہ دیوانی تھی، آج پہلی بار اس سے خوف محسوس ہو رہا تھا (خدا کرے "برو" سوتا رہے اور اسے علم نہ ہو کہ کوئی دبے قدموں اس کی اقلیم میں داخل ہو رہا ہے)۔

وہ نیچے برف کو بغور دیکھتی احتیاط سے قدم رکھ رہی تھی۔ برف کے ایک قطعے پر وہ پاؤں رکھنے ہی والی تھی کہ ایک دم اس نے قدم چند فٹ آگے رکھتے ہوئے اس ٹکڑے کو پھلانگا، پھر مڑ کر بغور اس جگہ کو دیکھا۔ یونہی اسے شک سا ہوا تھا کہ اس کے اندر پہاڑوں کی کوئی درز (crevasse) چھپی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ اس سے چند قدم آگے تھا، اسے رکتے دیکھ کر خود بھی رک گیا۔

"کچھ نہیں۔ تم ایک بات تو بتاؤ"۔ وہ سر جھٹک کر دوبارہ چلنے لگی۔ ہوا قدرے تیز ہو گئی تھی اور ہلکی ہلکی برف گرنے لگی تھی۔ اس نے ہیڈ لیمپ آن کر لیا۔

"راکاپوشی کی چوٹی سے کون کون سے پہاڑ نظر آتے ہیں؟"۔

"بہت سے" افق نے شانے اچکائے۔

"مثلاً؟"

"مثلاً کے ٹو یا شاہگوری" شاہگوری بلتی زبان میں پہاڑوں کے بادشاہ کو کہتے تھے۔

"اور؟"

"اور میشر بروم اور گیشئر بروم کی چوٹیاں"۔

"اور؟"

"اور براڈ پیک اور کنکورڈیا کے دوسرے پہاڑ"

"اور؟"

"راکاپوشی سلسلے کے دوسرے پہاڑ، ہراموش اور دومانی"۔

"اور؟"

"اور نانگا پربت"۔

""اور؟"۔

"فکر نہیں کرو۔ تمہارا گھر نظر نہیں آتا"۔ اس کی مسلسل "اور۔ اور" کی تکرار پر وہ چڑ کر بولا۔

وہ بدمزہ سی ہوگئی۔ "ہر وقت سڑے رہا کرو تم"۔

وہ۔ مسکراتے ہوئے پلٹا، پھر دستانے والا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا، جسے پری نے آگے بڑھ کر تھام لیا۔ افق نے اس کا ہاتھ قدرے کھینچ کر اپنے قریب کیا۔

"یہ اس لیے کے اگر گریں تو اکٹھے گریں"۔ وہ اتنی سنجیدگی سے بولا کے پری کی ہانسی چھوٹ گئی۔ ہنستے ہنستے اس نے سر کو ہلکی جنبش دی۔ قریباً تیس میٹر کے فاصلے پر ارسہ آرہی تھی۔ اس کا ہیڈ لیمپ آف تھا۔ اس کے عقب میں فرید تھا۔ اس نے گردن واپس موڑ لی۔ وہ اور افق ہاتھ تھامے چاندنی میں نہائے راکاپوشی پر قدم بڑھانے لگے۔

اسی ثناء میں اس کے عقب میں دھماکا ہوا۔ وہ دونوں گھبرا کر پلٹے۔ پیچھے میلوں دور تک چاندنی سے چمکتی برف پھیلی تھی اور چند میٹر دور ایک لمبا سا گڑھا تھا۔ پہلے تو اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک لمحے میں ہوا کیا ہے اور جب سمجھ میں آیا تو۔۔۔۔

"اوہ میرے۔ خدا۔۔۔ ارسہ پہاڑوں کی کسی درز میں گر گئی ہے"۔ ۔

"ارسہ۔۔۔۔ ارسہ!" وہ دوڑتے ہوئے گڑھے کے قریب آئی۔ گڑھے کے اندر گہرا اندھیرا تھا۔

"ارسہ۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟" گڑھے کے قریب دوزانو ہو کر اس نے اندر جھانکا۔ وہاں مہیب سناٹا اور تاریکی تھی۔ اس کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔

افق بھاگتا ہوا اس تک آیا۔ فرید چند قدم دور تھا۔

"افق کچھ کرو۔ پلیز افق۔۔ وہ گر گئی ہے۔۔۔ اسے باہر نکالو"۔ افق کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے اس کے لبوں سے بے ربط فقرے ادا ہو رہے تھے۔

"میں کچھ کرتا ہوں"۔ اس نے اپنے ہیلمٹ پر لگے سرچ بلب سے گڑھے میں روشنی ڈالی۔

فرید بھی اندر روشنی کرنے لگا۔ اب وہ دونوں اسے آوازیں دے رہے تھے۔ "ارسہ۔ تم ادھر ہو؟ ارسہ جواب دو"۔ وہ اسے پکارتے رہے۔ ہیڈ لیمپ کی روشنی شگاف میں ڈالتے رہے، مگر اندر چند میٹر برف کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ پری کے جسم سے جان نکال رہی تھی۔ وہ جواب کیوں نہیں دے رہی۔ وہ بولتی کیوں نہیں ہے؟ شاید اس سے بولا نہ جا رہا ہو۔ وہ ٹھیک ہو گی۔ اسے کچھ نہیں ہوا ہو گا۔ افق اسے باہر نکال لائے گا۔ وہ خودk کو تسلیاں دے رہی تھی، مگر اس کا دل گھبرا رہا تھا۔

"ارسہ پلیز جواب دو۔ تم ٹھیک ہو؟" وہ کتنی ہی دیر اسے آوازیں دیتا رہا۔ اس کا گلا بیٹھ گیا تھا اور آواز پھٹ رہی تھی، مگر پہاڑ کی تاریک، عمیق درز (crevasse) بلکل خاموش تھی۔ ہلکی سی کراہ، کمزور سی کھانسی، زندگی کی کوئی رمق اس درز (crevasse) میں نہیں تھی۔

برف گرنے لگی۔ ہوا کا زور زیادہ ہو گیا۔ افق اور فرید جھک کر ارسہ کو آوازیں دیتے رہے۔ دونوں کے ہیلمٹ اور چہروں پر برف کے ذرات لگے تھے۔ مگر درز (crevasse) سے کوئی۔ جواب نہ آیا۔ پری کا دل ڈوب رہا تھا۔

"افق کچھ کرو پلیز"۔ اس کا جیسے سانس رک رہا تھا۔ ارسہ کتنی دیر سے اس عمیق درز (crevasse) میں منوں برف تلے دبی ہو گی، اس کا سانس بھی ایسے ہی بند ہو رہا ہو گا۔ اس تصور سے ہی اس کی روح تک کانپ گئی۔

افق اور فرید تھک ہار کر خاموشی سے گڑھے کے کنارے بیٹھ گئے۔ ان کی خاموش صورتیں پری کو ہولا رہی تھیں۔

"تم دونوں ایسے کیوں بیٹھے ہو؟ اسے نکالتے کیوں نہیں ہو؟ افق جواب دو، میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں" ۔اس نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔

افق نے سر اٹھایا۔ وہ گلشیئر گاگلز اتار چکا تھا۔ اس کے سر، ناک، آنکھوں اور چھوٹی چھوٹی بڑھی شیو میں برف کے ذرات پھنسے تھے۔۔۔ اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی، "میرا نہیں خیال۔ اب کوئی امید ہے۔ وہ اب تک مار چکی ہو گی"۔

کرنٹ کھا کر پری نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹایا۔

"نہیں۔۔ تم۔۔ تم غلط کہہ رہے ہو۔ وہ کیسے۔۔۔؟ نہیں"۔ وہ بے یقینی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ "تم تم دیکھو تو سہی افق! اندر ھی ہو گی۔ اس کا سانس گھٹ رہا ہو گا۔ وہ مدد کے لیے پکار رہی ہو گی۔ ہواؤں کے شور

سے اس کی آواز یہاں تک نہیں پہنچ رہی ہو گی۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ دیکھو تو سہی۔۔۔" کسی موہوم امید کے تحت اس نے کہا۔

"وہ نہیں ہے پری۔۔" کسی تھکے ہارے شکست خوردہ سپاہی کے مانند اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "وہ ہوتی تو جواب دیتی۔ اوہ خدایا"۔ وہ سر دونوں ہاتھوں میں لیے خود بھی بے یقین سا تھا۔ پری نے استعجاب اور خوف سے نفی میں گردن کو جنبش دی۔ "نہیں افق۔۔۔ تم۔۔۔" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ افق کیا کہہ rrha تھا، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

بھلا ارسہ کیسے مر سکتی تھی؟

"ابھی۔۔ ابھی تو وہ ہمارے ساتھ چل رہی تھی۔۔۔ بلکل ابھی میں نے اسے برف پر کھڑے دیکھا تھا۔۔۔ وہ بلکل ٹھیک تھی۔۔۔ تم۔۔۔ تم ایسے کیوں؟ وہ۔۔۔ نہیں۔۔" اس کا سر گھوم رہا تھا۔ چاندنی میں نہائی ہراموش اور دومانی کی چوٹیاں اسے گھومتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اسے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ سب کچھ خواب سا لگ رہا تھا۔

پھر اس نے افق کو اٹھتے دیکھا۔ فرید اسے منع کر رہا تھا، مگر وہ پھر بھی اپنی ہارنس کے گرد رسی باندھ کر اس گہرے شگاف میں اتر رہا تھا۔ رسی کا ایک سرا فرید کے ہاتھ میں تھا، وہ آہستہ آہستہ رسی چھوڑ رہا تھا۔ شاید رسی کہیں سے اینکر بھی کر رکھی تھی۔ وہ اب نیچے اتر چکا تھا۔

"پانچ میٹر کھودا ہے۔۔وہ۔ نہیں ہے" گڑھے میں سے آواز آئی۔ وہ آواز اسے بہت اجنبی لگی تھی۔ اس کا ذہن مکمل طور مفلوج ہو چکا تھا۔

بھلا ارسہ کیسے مر سکتی تھی؟ ابھی ایک منٹ پہلے تو اس نے ارسہ کو اپنے عقب میں آتے دیکھا تھا۔ بس ایک لمحے میں اس کا پاؤں درز (crevasse) کے اوپر برف کے تہ پر پڑا گلشیئر پھٹا، اور وہ نیچے گری، ہزاروں من برف اس کے اوپر گرتی چلی گئی، اس کا سانس رک گیا اور وہ دم گھٹنے سے برف میں دفن ہونے سے مر گئی۔ بس ایک لمحے کا عمل تھا اس کا دل کے اندر کہیں بہت زور سے درد ہوا تھا۔ درد کی شدت بڑھی تو اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آسمان برف کے ننھے ننھے گالے برسا رہا تھا۔

چوٹی اس جگہ سے نظر نہیں آتی تھی، مگر یقیناً وہ بادلوں کے ہالے میں چمک رہی ہو گی۔ رات کے اس پہر "برو" جاگ اٹھا تھا اور اسے علم ہو چکا تھا کہ کوئی دبے قدموں اس کی راجدھانی میں داخل ہو رہا تھا۔

افق واپس آ چکا تھا۔ اس کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے وہ سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، تیز تیز سانسوں کے درمیان کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

"تم۔۔ تم افق!" وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی اور اس کی جیکٹ کا کالر زور سے پکڑ کر کھینچا۔

"میں نے کہا تھا تم سے کے واپس چلتے ہیں، مگر تم نہیں مانے۔ تمہیں اوپر جانا تھا، ہر قیمت پر اور وہ۔۔ وہ مر گئی۔۔ افق۔۔ ارسہ مر گئی۔۔۔! کر لی تم نے summit؟ بنا لیا تم نے ورلڈ ریکارڈ، ہاں؟ بولو۔۔۔ بلکل ابھی

تو اس نے اپنی ماں سے بات کی تھی۔ باپ سے اس نے کیمپ تھری جا کر بات کرنی تھی۔ اس کا باپ اس کی کال کا انتظار کر رہا ہو گا۔۔" اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے غم و غصے سے اس پر چلاتے ہوئے اسے پتا بھی نہیں چلا اور کب وہ اس کے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ اتنا بھی نہیں کہا کہ ارسہ خود اوپر جانا چاہتی تھی۔

"وہ۔۔۔ وہ میری۔ چھوٹی بہن تھی افق۔۔ اتنی ٹیلنٹڈ، اتنی زہین۔ اور۔۔ اور اس ظالم پہاڑ نے اسے مجھ سے چھین لیا؟" وہ اس کے کندھوں پر سر رکھے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔ افق نے اس کے شانوں کے گرد بازو رکھ کر ہولے سے اس کا سر تھپکا۔

"ریلیکس پری ریلیکس"!

مگر وہ ریلیکس نہیں ہو سکتی تھی اس نے زندگی میں پہلی دفعہ ایک دوست کو اپنے سامنے پہاڑ میں دفن ہوتے دیکھا تھا۔ وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔ برف ان دونوں پر گر رہی تھی۔ فرید کچھ ہی فاصلے پر خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا تھا۔

"افق! اسے باہر نکالو، مجھے اسے دیکھنا ہے۔ خدا کے لیے افق! ہم ارسہ کے ساتھ آئے تھے، ہمیں اس کے ساتھ ہی واپس جانا ہے"۔

"ریلیکس۔ پری۔۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ میں اس کی باڈی لینے گیا تھا ابھی، مگر وہ کہیں بہت نیچے ہے"۔ وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ خود پر سکون نہیں تھا۔ اس کا دل ٹوٹا ہوا تھا، مگر جانے وہ کیسے ضبط کر رہا تھا۔

"کم ان بیس کیمپ"۔ اپنے کندھے کے پیچھے ہاتھ بڑھا کر اس نے ریڈیو نکالا اور ٹریگر کا بٹن دبایا۔ دوسرا بازو ابھی تک پری کے شانوں کے گرد تھا۔ ریڈیو میں شور سا سنائی دیا، پھر ترک میں کچھ اکتاہٹ بھرے الفاظ۔۔۔

"میری بات گور سے سنو احمت! ارسہ بخاری از ڈیتھ۔ میں دہراتا ہوں، ارسہ بخاری از ڈیتھ۔۔ وہ ایک شگاف میں گر گئی ہے۔ اس کی موت کو نفرم ہے، مگر باڈی ریکوور کرنا بہت مشکل ہے۔ ہمیں جلد از جلد کیمپ تھری تک جانا ہے۔ یہاں برف پڑ رہی ہے، ہم رک نہیں سکتے۔ ڈو یو کاپی اٹ؟"

"اوہ گاڈ۔۔۔ یس آئی کاپی۔۔۔"!

افق نے ٹرانسیور بند کر کے بیگ میں رکھ دیا۔ پری ابھی تک رو رہی تھی۔ اس نے افق کا بازو سختی سے یوں پکڑ رکھا تھا، جیسے کوئی چھوٹا بچہ بھرے میلے میں گم ہو جانے کے ڈر سے اپنوں کی انگلی پکڑتا ہے۔ وہ بہت خوف زدہ تھی۔ افق نے آہستگی سے اس کا سر تھپکا۔

"شش۔ اب رونا نہیں ہے۔ اپنے آپکو سمبھالو۔ ہمیں کیمپ تھری جانا ہے"۔

"نہیں افق!" اس کی آنکھوں سے آنسوں پھر سے گرنے لگے۔ "میں ارسہ کو چھوڑ کر۔۔۔۔"

"پری پاگل مت بنو۔۔۔ ہم یہاں نہیں تھر سکتے"۔

"مگر اس کی ڈیڈ باڈی۔۔۔" یہ لفظ کہنا بھی دشوار تھا۔

"وہ ریکوور کرنا مشکل ہے۔ زیادہ رسی بھی نہیں ہے میرے پاس۔۔ ساری رسی تو ارسہ کے پاس تھی۔ باڈی ہم واپسی پر نکال لیں گے"۔ اس نے بھاری دستانے والے ہاتھوں سے پری کے چہرے پر گرتے آنسوں اور برف صاف کی۔

"تم۔۔ تم بعد میں نکال لو گے ناں اسے؟" اس کی بھیگی آنکھوں میں موہم سی امید چمکی تھی۔

"ہاں۔۔ واپسی۔۔ پر۔۔ ٹھیک؟ اب چلو۔۔"

"مجھے میں ہمت نہیں ہے"۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔

"ہمت کرو پری! بہادر بنو۔ اپنے لیے نہیں تو میرے لیے"۔ افق نے اسے سہارا دیتے ہوئے دونوں کندھوں سے ابھی تک تھام رکھا تھا پری نے بھی مضبوطی سے اس کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے اپنا وزن افق پر ڈال رکھا تھا اور پھر بہت نڈھال سی وہ اس کے ہمراہ قدم بڑھانے لگی۔ آنسوں اب بھی اس کی آنکھوں سے نکل کر گردن پر لڑھک رہے تھے۔

اس نے زندگی میں کبھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ ایک لمحہ ایسا بھی آئے گا جب اسے اپنی بہت اچھی دوست کو برف میں جانا پڑے گا۔ اس شگاف کے دہانے سے پلٹنا اور آہستہ آہستہ برستی برف باری میں کیمپ تھری کی طرف قدم بڑھانا بہت کٹھن تھا، اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ افق نے اسے سہارا دیا ہوا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو شاید وہ اسی شگاف کے آس پاس راستہ بھٹک کر برف پر دب چکی ہوتی یا شاید کسی شگاف میں گر کر مر چکی ہوتی۔

اس رات کیمپ تھری میں وہ دونوں گھنٹوں خاموشی سے بیٹھے رہے اور پھر جب رات تاریک ہوتی چلی گئی تو وہ باتیں کرنے لگے۔ طیب اردگان کی باتیں، عراق جنگ کی باتیں، ترک ملٹری کی باتیں، نیٹو اور sco بلاکس کی باتیں، انہوں نے بلا تکان صرف ایک "بات" سے بچنے کے لیے دنیا کے ہر موضوع پر بات کی کہ شاید دکھ کم ہو۔ شاید ڈپریشن اور نفسیاتی اثر قدرے زائل ہو، مگر سب کچھ ویسا ہی تھا۔ احمت کی بیوی سلمیٰ نے ارسہ کے والدین کو انگلینڈ میں اطلاح کر دی تھی۔ پری رات بھر ان دونوں کے متلعق سوچتی رہی تھی، جانے کیا گزری ہو گی ان پر؟ کیسے سنا ہو گا انہوں نے اس خبر کو؟۔ رات کو اس کے سلیپنگ بیگ کے قریب جگہ بہت خالی تھی۔ افق اپنے خیمے میں سونے جا چکا تھا۔ وہ ارسہ اور ارسہ کی باتوں کو یاد کر کے پھر سے رونے لگی۔ وہ کتنی اکیلی رہ گئی تھی۔ اور شاید اسے گڑھے شگاف میں گری ارسہ اس سے زیادہ اکیلی ہو گی۔ وہ محسوس نہیں کر سکتی۔ تھی۔

تب اس نے اپنے بیگ سے ارسہ کے کاغزات نکالے اور انھیں ترتیب سے جوڑا۔ سیاہ روشنائی سے انگریزی میں لکھے صفحے بھرے ہوئے تھے۔ لکھائی خاصی رف تھی اور جگہ جگہ سے کاٹا بھی گیا تھا مگر وہ پڑھ سکتی تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ کہانی ادھوری تھی۔

اس نے پہلے صفحے پر نگاہ ڈالی۔ " قراقرم کا تاج محل "موٹے مارکر سے انگریزی میں لکھا تھا۔ ہنزہ کے باسی راکاپوشی کو "ہنزہ وکنٹر تاج محل "یا" قراقرم کا تاج محل " کہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ برف سے ڈھکی راکاپوشی کی "چمکتی دیوار " آگرہ کے تاج محل جیسی سفید اور حسین دکھائی دیتی تھی۔ پری کو ان سے اختلاف تھا۔ اس کا خیال تھا، راکاپوشی کی چمکتی دیوار آگرہ کے تاج محل سے زیادہ سفید اور حسین دیکھتی تھی۔

منگل، 16 اگست 2005ء

"صاحب، اوپر سارا سنو۔ فیلڈ ہے"۔

وہ دونوں خاموشی سے خیموں کے آگے بیٹھے تھے، جب فرید ان کی طرف آیا۔ وہ آج کلائمب کے لیے نہیں گے تھے۔ ان کے ذہنوں کو کل کے واقعے کو وقتی طور پر بھلانا تھا، جس کے لیے انھیں ایک دن کا ریسٹ چاہیے تھا۔ فرید البتہ کچھ مخصوص مقامات پر رسیاں لگا کر آیا تھا۔

"پھر؟" افق نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم مانو یا نہ مانو، اوپر سارا سنو فیلڈ ہے اور برف تازہ گری ہے۔ اس کا گلشیئر کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے اور جب برف گرے گی تو تم بھی مارے گا اور ہم بھی۔ سو ہم تی ابھی سے بتا رہا ہے ہم سویرے واپس چلا جائے گا"۔

"مگر فرید تم نے تو کیمپ فور تک ہمارے ساتھ جانا تھا"۔

"صاحب تم کل خود کیمپ۔ فور تک چلے جانا۔ ہم نہیں جائے گا۔ بس ہم نے تم کو بتا دیا"۔ وہ کسی اڑیل گھوڑے کی۔ طرح ضد پر اڑ چکا تھا۔

"فرید دیکھو، ہم بھی تو اوپر جا رہے ہیں"۔ پری نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، "ہم بھی تو جا رہے ہیں؟"۔

"باجی تم پاگل ہو، ام ابھی پاگل نہیں ہوا۔ تمہارے دونوں کے باپ کے پاس بہت پیسہ ہے۔ تم ادھر مر بھی جاؤ تو تمہارا بچہ بھوکا نہیں مارے گا جب ک ادھر ہمارا باپ کریم آباد میں ایک چھوٹی زمین بھی نہیں چھوڑ کر گیا

ہمارے لیے۔ ہمارے حال پر رحم کرو باجی، اوپر جا کے کوئی نہیں ملے گا۔ میری مانو تو تم بھی واپس چلو"۔ پری اور افق نے نگاہوں کا تبادلہ کیا، پھر افق نے شانے اچکا دیے۔

"تمہاری مرضی!" وہ سر جھٹک کر دوسری جانب دیکھنے لگا۔ ماتھے پر ناگواری کی لکیریں۔ آئیں تھیں۔ "میں نے نانگا پربت کا سولو کلائمب کیا تھا مر نہیں گیا تھا میں پورٹرز کے بغیر پورٹرز صرف لڑکیوں کے لیے۔۔۔ ٹھیک کہتی تھی وہ عورت تم پورٹرز کے بارے میں"۔ وہ بڑبڑایا۔

"صاحب! وہ عورت جھوٹ کہتی تھی"۔ پھر پری کی کنفیوز شکل۔ دیکھ کر بولا، "باجی ادھر ایک یورپن عورت گیشر بروم ٹو سر کرنے آئی تھی۔ ہمارے ماموں کا لڑکا ادھر بلتستان میں رہتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ پورٹر بن کر اس اکیلی کو گلشیر بروم ٹو کی چوٹی تک لے کر گیا۔ بعد میں جب وہ نیچے آئی تو اخبار والوں کو بولی کہ میں سولو کلائمب کیا، میرا پورٹر تو مجھ کیمپ ٹو میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میرے ماموں کا لڑکا، بے چارہ، غریب آدمی ہے، چپ کر کے بیٹھ گیا۔ پر صاحب، وہ۔ عورت بولتی تھی، اس x کو سچ خیال مت۔ کرنا۔ اس کا فیصلہ گیشر بروم ٹو نے کیا تھا۔ پہاڑوں کا اپنا عدالت ہوتا ہے۔ وہ عورت اگلے سال پھر گیشر بروم ٹو سر کرنے آئی، پہاڑ نے واپس جانے نہیں دیا۔ اس کی تو لاش بھی نہیں ملی"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم جاؤ پھر"۔ افق نے سابقہ لہجے میں بولا۔

"صاحب! ہم نے کیمپ فور پہنچانے کے پیسے لیے تھے۔ رسیاں وسیاں لگا دیا ہے۔ آگے تم جانو تمہارا کم"۔

افق جواب میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔ وجہ یہ نہیں تھی ک فرید انھیں چھوڑ کر جارہا تھا، وجہ یہ تھی کہ وہ صرف خفا خفا سا تھا یا شاید حد سے زیادہ دباؤ میں۔

دسویں_چوٹی

بدھ 17 اگست 2005

آج صبح سے موسم بہت خراب تھا اور موسم سے زیادہ افق کا موڈ خراب تھا۔۔ وہ پریشے کے سامنے میٹ پر چٹ لیٹا۔

ایک بازو ماتھے پر رکھے خیمے کی چھت پر گھور رہا تھا۔

شیڈول کے مطابق ان کا کیمپ فور میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر قراقرم کا اپنا شیڈول تھا۔

خیمے کے باہر طوفانی جھکڑ چل رہے تھے جس سے خیمے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ کچھ جگہ سے سرد ہوا اندر آرہی تھی ۔ان کو ٹھر ٹھرا رہی تھی برف سے اوپر سے نیچے خیمے کی دیواریں کمپریس ہو رہی تھی

"فرید صبح منہ اندھیرے ہی بغیر نتائج چلا گیا" اس نے یونہی بولنے کی غرض سے کہا. تم نہ بھی دیتا تو میں نہ روکھا.

"وہ اس طرح چٹ لیٹا اوپر دیکھتا رہا.

وہ ٹھیک کہتا تھا افق! ہم دونوں پاگل ہیں. سب کوہ پیما پاگل ہوتے ہیں. گھروں کا سکون چھوڑ کر برفانی وادیوں میں نکل جاتے ہیں اور آخر میں مر جاتے ہیں.

ایسے بھی تو مر جاتے ہیں. روئی ایکسیڈنٹ میں لفٹ میں پھنس کر دم گھٹنے سے کسی یا بم بلاسٹ میں. تم مسلمان نہیں ہو؟ تمہارا ایمان نہیں ہے کہ جہاں موت آنی ہے وہاں آجائے گی کبھی موت بھی ٹلی ہے کیا؟"

پریشے نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی جو بغیر پلکیں جھپکائے چھت کو گھور رہا تھا اور پھر تھک کر خیمہ دیوار سے سر ٹکا دیا. سامنے والی دیوار کے دوسری طرف برف اکٹھی ہو رہی تھی.

"پھر بھی افق! کیا مل جاتا ہے پہاڑوں پر جا کر؟ اتنی مشقت کر کے؟"

"یہ بات ہمیشہ وہ کاہل ترین لوگ کہا کرتے ہیں جن سے روز ایک گھنٹہ لان میں واک بھی نہیں ہوتی. یہ بھلا کیا رکھا ہے پہاڑوں میں والا فقرہ ان دونوں کے منہ سے نکلتا ہے جن کے انگور ہمیشہ کھٹے ہوتے ہیں. وہ تلخی سے بولا.

پھر بھی زندگی نارمل طریقہ سے گزری جاسکتی ہے" وہ شاہد بحث کے موڑ میں تھی. "نارمل طریقہ کیا ہے؟ گھنٹوں فون پر رشتہ داروں کی برائیاں کرنا نت نئے بے ہودہ فیشن اپنانا غیر حقیقی فلموں کے غیر حقیقی ہیروز کو دیوتا تسلیم کر کے ان کی پرستش کرنا راتوں کو جاگ جاگ کر گھٹیا قسم کے عشقیہ ناول پڑھنا باس سے کولیگز کی چغلیاں کرنا اگر یہ نارمل لائف ہے تو پھر کوہ پیما کی ابنارمل لائف اس سے بہتر ہے مادام" !

جانتے ہو افق! مجھے نہیں پتا لوگ پہاڑ ٹا کیوں سر کرتے ہیں مگر میں پہاڑوں میں خوش رہتی ہوں مجھے یہاں سکون ملتا ہے لیکن نشاء پاپا سیف ان سب کو بہت حیرت ہوتی ہے کہ لوگ پہاڑ کیوں سر کرتے ہیں. "برف قطروں کی شکل میں بہ رہی تھی اور قطرے راستے میں آنے والے ہر ذرت کے ساتھ مل کر بڑے ہوتے جا رہے تھے.

"یہ وہی بات ہے کہ "لوگ کتابیں کیوں پڑھتے ہیں" علم حاصل کرنے کے لیے؟ تو جتنا نیچر کے بارے میں پہاڑوں میں جا کر ملتا ہے اتنا وہ دنیا کی کسی درسگاہ میں نہیں ملتا ہے آپ پہاڑ کو ایکسپیرنیس کرتے ہو اور یقین کرو, نان کلائمبر حیران ہوتے ہیں جب وہ سنتے ہیں کہ

ہم کوہ پیما پربتوں کا احترام کرتے ہیں. ان کی جانب تمیز اور ادب سے دیکھتے ہیں. چوٹ پر بھی احترام سے رکھتے ہیں. پہاڑ عظیم ہوتے ہیں" .

"اور ظالم بھی!" پریشے نے استہزئیہ انداز میں سر جھٹکا. وہ دیوار کے اس پار نظر آتے پانی کے قطروں کو دیکھ رہی تھی. جو دیوار کے نیچے خالی درز سے ہر ممکن طور پر خیمے میں داخل ہونے کئ کوشش کر رہے تھے. ان کا تاک سامان گیلا ہو چکا تھا.

"بے شک ظالم ہوں مگر میں ہمالیہ سے تعلق رکھتا ہوں. میں انقرہ اور اپنے گھر سے اور پہاڑوں سے تعلق رکھتا ہوں پری" .

"تمہیں لگتا ہے ہم بچ کے نکل جاے گے؟"

"کوہ پیمائی تو نام ہئ بلندیوں سے زندہ بد کر واپس آنے کا ہے. یہ تو بونس ہوتی ہے" .

"پھر بھی تم واپس پلٹنا چاہتے ؟"

" تمہیں جانا ہے تو جاؤ میں چوٹی فتح کئے بغیر نہیں جاؤ گا. "برف کے چھوٹی چھوٹی گیندیں بن کر دیوار کے اس پار اکھٹے ہو رہے تھے.

"افق پلیز.... واپس چلو. اس رج کو نا قابل تسخیر ہی رہنے دو" .

"میں ذرا برف صاف کر آؤں. "وہ چھوٹا سا بیلچہ اٹھا کر باہر نکل گیا.

وہ چوٹی پر کھڑے ہو کر کنکورڈیا اور بلتورہ کے پربت دیکھے بغیر نہیں پلٹے گا. وہ جانتی تھی. نہ وہ اس کے ساتھ وہاں تک جانا چاہتی تھی. اور نہ اسے چھوڑ کر نیچے اترنا چاہتی تھی. دنیا میں کوئی بھی انسان بہترین نہیں ہوتا. افق ارسلان میں بھی ایک خامی تھی. ہٹ دھرمی ضد اور حد سے زیادہ بڑھی خود اعتمادی.

کوہ پیماؤں کی اکثریت انہی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے. وہ عموماً موسم کی خرابی کے باعث اپنے ہدف کے انتہائی قریب پہنچ کر واپس نہیں پلٹنا چاہتے. وہ اتنا کچھ صرف کر کے یہاں تک پہنچے ہوتے ہیں کہ واپس پلٹ جانا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے ابھی صبح ہی افق نے کیمپ تھری سے واپس جانے کے متعلق کہا تھا کہ. "یہ تو ایسے ہے کہ تم ایک سو میٹر دوڑ کر نوے میٹر پر رک کر متپ جانے جو کہ" .

افق کی سب سے بڑھی خامی یہی تھی کہ اس نے سو میٹر دوڑ اور کوہ پیمائی میں فرق کو ختم کر دیا.

جمعرات 18 اگست 2005

کیمپ فور 7500 میٹر پر تھا کیمپ تھری سے سات سو میٹر اوپر. آج برفانی جھکڑ نہیں چل رہے تھے موسم ٹھیک تھا مگر برف باری ہنوز جاری تھی. وہ اتنی ہلکی اور کم تھی کہ حد بصارت خاصی تھی. ان کے پاس اتنا گیئر اور فیول نہیں تھا. کہ وہ بیٹھ کر ایک دن بھی مزید انتظار کرتے.

گزشتہ روز کے سخت طوفان کے باعث رسیاں اور کورڈ ذ بری طرح الجھ چکی تھیں. ان کو ٹھیک کرنے میں خاصہ وقت ضائع ہوا. رسیاں ویسے بھی کیمپ تھری سے کئی میٹر اوپر کیمپ فور سے تھوڑی نیچے لگائی گئی تھیں. رسیاں کے آغاز تک کا سفر خاموشی سے کیا. پھر ان کو ٹھیک کر کے جب پریشے نے جومر کرنے کے بعد رسی کھنیچی تو وہ جام رہی. اس نے گلیشئر کو گلز اتار کر اس پر چڑھائے اور نیچے اتری. اس نے گرہ ڈھونڈی جو رسی میں بن کر اسے جام ایک میں پھنسی تھی اس نے گرہ کھولی اور سوغات اوپر چڑھنے لگی. اس کی ایک غلطی کی وجہ سے اس کے بیس منہ ضائع ہوئے مگر افق نے کچھ نہ کہا. وہ خاموشی سے تمام کارروائی دیکھتا رہا.

وہ دونوں اس وقت "ڈیتھ زون" میں تھے. سطح سمندر سے چھ ہزار میٹر سے زائد بلندی کا حصہ "ڈیتھ زون" یا "ورٹکل لمنٹ" کہلاتا ہے. اس بلندی پر ہوا بے حد کم اور آکسیجن ان کے جسموں کے لیے ناکافی تھی. سانس لینے کے لیے پریشے کے پھیھڑوں کو بہت زور لگانا پڑتا تھا اور وہ اس وقت پورا منہ جھول کر سانس لے رہی تھی.

وہ کیمپ فور سے قدرے نیچے تھے. ان سے تقریباً تین سو میٹر اوپر پہاڑ کی ڈھلان جمے ہوئے ندی نالوں سے مزین تھی. یہ وہ جگہ تھی جہاں سے چوٹی سامنے دیکھی دے رہی تھی یوں کے وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو لے گی مگر اس کے لیے بہت لمبا ہاتھ چاہیے تھا. وہ رک رک کر آئس ایکس برف پر مار کر آہستہ آہستہ چڑھ رہی تھی. اس کی طاقت اتنی کم رہ گئی تھی کہ یوں لگتا تھا ابھی کسی وقت تھک کر نیچے لڑھک جائے گی. دفعتاً وہ ذرا سستانے کو ایک برف تلے چھپے شگانوں کے دہانوں پر موجود ایک برفانی تودے کے پیچھے کھڑی ہوئی. اور اپنے تنفس

درست کرنے لگی. برفانی تودے جب گرتے ہیں تو خوب تباہی مچاتے ہیں مگر اس وقت خود کو پناہ دیتے وہ برفانی تودے جس کے عقب میں وہ محفوظ سی جھکی کھڑی تھی اسے بہت اچھا لگ رہا تھا افق اس سے سو میٹر دائیں جانب تھا.

دفعتاً اسے برف کے ٹوٹنے اور چٹخنے کی آواز سنائی دی. اس نے گھبرا کر سر اٹھایا.

اس کے سر سے کئی میٹر اوپر قدرے دائیں طرف برف میں ایک لمبا شگاف پیدا ہو گئی تھی ایسے جیسے ہنگر سے لٹکے سفید کپڑے کے اوپر سے قینچی سے کاٹ دیا جائے. برف کی پلیٹوں میں ہوتا بے حد خوبصورت مگر بے حد مہلک ثابت ہوا کیوں کہ اگلے پل اس پلیٹوں کے نیچے کی برف کے بڑے بڑے ٹکڑے نیچے گرتے اور سفید بے حد گہری دھول پیدا کرتے ہوئے نیچے گرتے آرہے تھے.

پریشے کا سانس رک گیا. برفشار نیچے کی طرف آرہا تھا. مگر وہ ایک بڑے تودے کے پیچھے محفوظ تھی لیکن افق....

افق!""....وہ بے اختیار چلائی" برفشار آرہا ہے. خود کو بچاؤ.

افق نے بوکھلا کر اوپر دیکھا جہاں تیزی سے گرتی برف اس کی جانب بڑھ رہی تھی اس سے پہلے خود کو محفوظ کر پاتا برف کی سفید دھول ہر طرف پھیل گئی اس دبیز ڈھول کے پیچھے ہو گیا.

اپنی آئس ایکس کو برف میں گاڑے خوف کے مارے اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے پری بند کیے دیوار سے چپکی کھڑی تھی. اس کا پورا جسم لرز رہا تھا. دل زور زور سے دھڑک رہا تھا.

پھر دھول آہستہ آہستہ چھٹنے لگی. اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں جھول کے سر اونچا کیا.

)مکمل ناول پڑھنے کے لیے فس بُک پیج ناول ہی ناول لائیک کریں(

دودھیا سفید برف راکاپوشی کے جسم سے بالکل ویسے ہی چمٹی ہوئی تھی جیسے چند لمحوں پہلی تھی. اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا. راکاپوشی کے پہاڑی سلسلے پر سکوت تھا. آواز آسمان سے گرتی برف کی تھی باقی پورا پہاڑ خاموش اور پر سکون تھا جیسے وہ برفشار یہاں نہ ہوئی ہو. میلوں دور تک پھیلی برف ویسی ہی حسین نظر آرہی تھی .بس ایک فرق تھا اس کے دائیں جانب افق اور ارسلان نہیں تھا.

افق! وہ بلند آواز چلائی تم کہاں ہو؟ اس کی آواز ارد گرد کے پہاڑی سالوں سے ٹکرا کر ہنزہ کے آسمان میں تحلیل ہو گی. برف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا.

پریشے نے گردن ترچھی کر کے عقب میں دیکھا. گرتی برف کے اس پار دمانی چوٹیاں تھیں. دور بہت دور شاہکوری کا سرمت اہرام برفیلی چادر کی بکل مارے دائیں طرف ملیوں دور ناگا پربت کی خونی / قاتل چوٹی تھی. ہمالیہ کے تمام پہاڑ اس کو دیکھ رہے تھے اس پر ہنسے رہے تھے اس کا تمسخر اڑاتے ہوے کہا رہے تھے "بے وقوف لڑکی تم احمق ہو.

183

وہ واقعی اکیلی تھی. اس کے اطراف میں ان دیو ہیکل پہاڑوں کے سوا کوئی نہیں تھا. وہ تمام اتنے خوف ناک اور اونچے تھے کہ خود آسمان جھک لر ان کی پیشانی چوم رہا تھا.

"افق تم کہاں ہو. ؟" بہت بے بسی سے اس نے پکار, "جواب دو.... خدا کے لیے کچھ تو بولو افق ورنہ میرا دل پھٹ جاے گا." اس کا دل واقعی پھٹنے کو تھا.

وہ جدھر تھا؟ وہ خواب کیوں نہیں سے رہا تھا؟ اوپر سے ہزاروں ٹن برف چند لمحوں میں گری اس برف میں وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ برف اسے آڑا کر گلیشئیر کے قدموں میں پہنچ چکی تھی یا وہ کہیں اپنی آئس ایکس سے چمٹے ہوئے کھڑا تھا؟

پریشے نے اس جگہ دیکھا جہاں چند لمحوں قبل وہ کھڑا تھا. وہاں اب دودھیا سفید برف تھی. وہ تیز اس نے لگائی تھی اس برف کے سند گم ہو گئ تھی. البتہ غور سے دیکھنے پر اس کا ایک سرا واضح ہو جو ٹوٹ چکا تھا. یعنی اب افق اس رسی پر نہیں تھا اور نیچے برف میں سب چکا تھا؟ پریشے کا دل ڈوبنا لگا.

نہیں. وہ ادھر ہئ ہو گا. میں ڈھونڈتی ہوں اسے میں اسے ڈھونڈ نکالو گئ. "اس نے خود کلامی کی اور نیچے اترنے لگی. رسی سے نیچے اترنا بالکل ایسا تھا جیسے کسی عمارت کی دسویں منزل کی کھڑکی تک پہنچے کے لیے عمارت کے باہر سے سیڑھی رکھی جائے اور پھر کیسے اس سیڑھی سے نیچے اترا جاتا ہے مضبوطی سے اسے پکڑے سہج سہج کر پیچھے اور نیچے دیکھتے ہوئے ایک ایک پاؤں نیچے رکھنا وہ ایسے ہی اتری تھی.

اسے علم نہیں تھا کہ وہ برف میں کہاں تھا مگر اسے یہ علم تھا کہ افق کو ڈھونڈنے کے لیے راکاپوشی کی تمام برف بھی کھودنی پڑی تو وہ کھوڈالے گئ.

وہ بمشکل بیس میٹر نیچے اتری. اس کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا اور وہ باقاعدہ ہانپ رہی تھی. اس کے ہاتھوں میں جان نہیں تھی مگر پھر بھی وہ سر درد برف میں افق کو کھوج رہی تھی.

دفعتاً اسے قریب برف سے سرمئی رنگ کی جھلک دکھائی دی. وہ خود کو رسی سے ان کلپ کر کے اس کی طرف بھاگی برف گھٹنے گھٹنے گہری تھی. وہ اس میں گھٹنوں تک دھنسی خود کو گھسیٹتی ہوئی اس کے قریب آئی اور دستانوں سے تیزی سے برف ہٹانے لگی.

وہ ایک سرمئی رنگ کا پتھر تھا.

اس کا دل بیٹھنے لگا تھا- اس نے گردن جھکا کر نیچے دیکھا اور ایک دفعہ پھر پوری قوت سے آواز دی- "افق..... تم کہاں ہو"؟

اگر وہ اس جگہ سے نیچے تھا تو یقیناً آواز اس تک گئی ہو گی- اگر اوپر ہوتا تو ہوا کے روخ کی وجہ شے آواز اوپر سے نیچے نہ جاتی- یعنی اب اگر وہ جواب میں کچھ کہتا بھی تو وہ پریشے کو نہ سنائی دیتا- ایک ہوا اس کی دشمن بنی اوپر سے نیچے کی جانب چل رہی تھی- شدت بے بسی سے اسے رونا آگیا-

"نہی, وہ ادھر ہی ہو گا- میں ڈھونڈتی ہوں اسے- میں اسے ڈھونڈ نکالو نگی-" وہ دبارہ رسی پر کلپ اون کر کے, بڑبڑاتے ہوے نیچے اترنے لگی-

ہمالیہ کے عظیم پربتوں نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی, اور وہ استہزائیہ ہنسے تھے- اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے-

"میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی- تم دیکھتے رہنا, ظالم پہاڑوں! میں اسے برف میں دفن نہی ہونے دوں گی, میں اس قراقرم کے ظالم پہاڑوں اور ہمالیہ کے ظالم آسمان سے دور لے جاوں گی دیکھتے رہنا"

وہ زور زور سے روتے اور چلاتے ہوئے نیچے اتر رہی تھی- ان بلند چوٹیوں نے بھرپور وحشیانہ انداز میں قہقہ لگایا تھا, مگر اب وہ انہے نہی سن رہی تھی- وہ افق کو تلاش کر رہی تھی- اسے ہر حال میں افق کو برف سے باہر نکالنا تھا-

تقریبا چالیس میٹر نیچے اتر کر اس نے خود کو رسی سے آزاد کیا, چالیس میٹر اوپر اور دائیں طرف افق چند لمحے پہلے موجود تھا- وہ یقینا وہیں کہیں گرا ہو گا- اسے اب سو میٹر نیچے کی طرف جانا تھا-

وہ گھٹنوں تک برف میں دھنسی خود کو گھسیٹتی ہوئی دائیں طرف جانے لگی- اس کی ٹانگیں اکڑ کر لکڑی بن چکی تھی- اس سے چلا نہی جا رہا تھا, مگر وہ کتنی ہی دیر چلتی رہی, پھر بلا آخر نڈھال ہو کر وہیں گھٹنوں کے بل برف میں گر گئی-

اس میں مزید چلنے کی سکت باقی نہ رہی تھی- تیز تیز سانس لیتے ہوئے وہ باقائدہ ہانپ رہی تھی- اس نے اٹھنے کی کوشش کی, مگر جسم پر طاری تھکاوٹ اور عجیب سی نکاہت کے باعث اس سے اٹھا ہی نہی گیا-

"افق" وہ پھر سے حلق کے بل چلا کر اسے پکارنے لگی- "تم کہاں ہو"؟

بروکا گلیشیر خاموش رہا.

آسمان سے بہت خاموشی سے برف باری ہوتی رہی. گھٹنوں کے بل برف میں گھسٹتے ہوئے اپنا آئس ائکس برف میں مارتی وہ آگے بڑھنے لگی.

وہاں ہر سو دودھیا سفید برف کی چادر بچھی ہوئی تھی. کہیں کہیں سے جھلکتے سیاہی مائل سرمئی پتھر اور دیواریں بھی اب برف باری کے باعث چاندی سے ڈھک گئی تھیں. دور دور تک برف کا ایک نہ ختم ہونے والا صحرا پھیلا تھا اور اسے افق کو تلاش کرنے کے لیے وہ صحرا پار کرنا تھا.

وہ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے ادھر ادھر برف پر بیلچہ مارتی اسے توڑتی آگے بڑھ رہی تھی. یہ اترائی یا چڑھائی کا سفر نہیں تھا. وہ دراصل پہاڑ کی ڈھلان پر شمال کی جانب بڑھ رہی تھی.

ہ برفیلا میدان تھا. جانے سو میٹر ہوئے تھے یا نہیں کہ وہ ایک جگہ برف میں گر سی گئی. اب اس میں مزید حرکت کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی. وہ ذرا دیر کو ستانے کے لیے تنفس درست کرنے لگی.

پھر اس نے گردن ادھر ادھر گھما کر دیکھا. افق کو اندازاً اسی جگہ کے قریب ہونا چاہیے تھا, کیونکہ برفشار کا زور بہت شدید نہیں تھا کہ وہ بہت نیچے جا گرتا. اسے یقین تھا کہ وہ اس کے آس پاس ہی کہیں برف میں ڈبا سانس لے رہا ہو گا وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟

پریشے اپنے قریب برف میں ایکس مارتے ہوئے اسے توڑنے لگی کہ شاہد وہ اس کے قریب ہی کہیں ہو. اس نے بہت سی برف کھود ڈالی مگر وہ کہیں نہیں تھا.

وہ پھر سے برف پر تقریباً جھک کر گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی آگے بڑھنے لگی ساتھ ساتھ وہ اسے آوازیں بھی دیں رہی تھی مگر وہ خواب نہیں سے رہا تھا. پریشے کو جہاں جہاں کسی سیاہ سرمئی شے کی جھلک دکھائی اس نے وہاں کی برف کھوڈالی مگر ہر جگہ برف کے نیچے سے وہی سیاہ پتھر نکلتے تھے, جنہیں لوگ ترکی زبان میں قراقرم کہتے تھے.

برف باری تیز ہوتی جا رہی تھی. وہ تھک کر حوصلہ ہارنے والی تھی کہ اس جگہ جہاں سے وہ غائب ہوا تھا اس سے ٹھیک چالیس پینتالیس میٹر نیچے دوبار سرمئی رنگ کی جھلک دکھائی دی. وہ اس کی طرف لپکی. اس کا رواں رواں دعا گو تھا. کہ وہ افق ہی ہو. اس نے زور سے وہ سرمئی چیز کھینچی... وہ افق ہی تھا..

افق.... افق. "پاگلوں کی طرح اسے پکارتے ہوئے وہ اس پر سے برف ہٹانے لگی. وہاں اوندھے منہ پڑا تھا

ہونٹ بالکل خانہ پڑ چکے تھے اور آنکھیں بند تھیں. اس کے برف سے اٹے کپڑوں اور ارد گرد برف پر لگے خون کے دھبوں کے علاوہ کوئی بھی شے کسی قیامت کے مانند گزر جانے والے برفشار کا پتا دیتی تھی.

افق... افق تم ٹھیک ہو؟ آنکھیں کھولو افق""! جھنجھوڑتے ہوئے اس کا نیلا پڑتا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے وہ رو پڑی تھی. وہ کیوں آنکھیں نہیں کھول رہا تھا؟ وہ کیوں نہیں بول رہا تھا؟" افق خدا کے لیے آنکھیں کھولو... پلیز آٹھ.... اس کے چہرے سے برف صاف کرتے ہوئے اس نے اس کا منجمد ہوتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے مسلنے لگی.

وہ ہلکا سا کھانسا منہ سے برف کے ذرات باہر نکلے. پریشے نے طمانیت بھری گہری سانس لی.... وہ زندہ تھا. اسے کچھ نہیں ہوا تھا. وہ ان ظالم پہاڑوں کے درمیان تنہا نہیں تھی.

اب وہ آنکھیں نیم وا کر کے بمشکل سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا. اس کی سانس اکھڑی اکھڑی سی آ رہی تھی. پریشے نے اسے کندھوں سے تھام کر بٹھانے کی کوشش کی تب اسے محسوس ہوا کہ وہ زخمی تھا. اس کے چہرے ناک اور گردن پر گہری خراشیں تھیں. جن پر خون جما تھا.

اس کو بمشکل سہارا دے کر اس نے وہیں برف میں بٹھایا تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا. اس کے چہرے کی رنگت واپس آنے لگی مگر وہ آنکھیں پوری نہیں جھول پا رہا تھا

اٹھو.... کھڑے ہو طوفان زور پکڑ رہا ہے. ہمیں جلد ہی کسی محفوظ جگہ جانا ہو گا. برف باری کی تیز ہوتی رفتار اور سرد ہواؤں کے جھکڑوں کی خوف ناک آواز سے وہ پریشان سی ہو کر اسے سہارا دے کر کھڑا کرنے لگی مگر زخمی ہونے کے باعث وہ اٹھ نہیں پا رہا تھا. وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں رہا تھا, اس سے تو کچھ بولا بھی نہیں جا رہا تھا آنکھیں بھی اسی طرح ادھ کھلی تھیں. وہ نڈھال سا نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا.

وہ اس کو کھڑا نہیں کر سکتی تھی. یہ ادراک ہوتے ہی اس نے اپنی کمر کے گرد بندھی کلائسک ہارنس سے چھوٹی سی رسی باندھی. اسے افق کی ہارنس سے کیر بز کی مدد سے نتھی کیا پھر دونوں ہاتھوں سے اس کے بازوں اور کندھوں کو پکڑے اسے برف میں گھسیٹنے لگی.

تب اسے علم ہوا کہ اس کی دائیں ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا اور اس کا بیک پیک غائب تھا. برف باری اب شدید قسم کی ژالہ باری میں تبدیل ہو رہی تھی. سرد ہواؤں کی رفتار تیز ہو گی تھی. آسمان کا رنگ یکایک سرمئی سے سفید ہو چکا تھا. حد بصارت جو کچھ دیر پہلے اتنی زیادہ تھی

نگا پربت بھی دیکھ تھی, اب محض دو سو فٹ رہ گئی تھی- رسیوں سے بنایا گیا راستہ چند میٹر او پر تک ہی واضح تھا اور آگے دھند میں گم ہو جاتا تھا- تیز چلتی برفیلی ہوائیں اسے ادھر ادھر لڑھکانے کی کوشش کر رہی تھیں- وہ وقت

اپنے قدموں پے کھڑی، اسے لاش کی مانند ممانند کھینچ رہی تھی۔ سخت پتھروں کی طرح کے اولے اسکے سر پر پڑ رہے تھے۔ ہمالیہ کے پہاڑ اگر اس پر ہنس بھی رہے تھے، تو اب وہ انہیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ افق کو گھسیٹتی نو دس میٹر نیچے لائی، پھر نڈھال سی ہو کر اسکے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ اس کی تو باقاعدہ سانس چڑھ گئی تھی اور اس میں مزید ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک چھ فٹ کے اونچے پورے مرد کو اس کے بھاری بھر کم کپڑوں سمیت کھینچ کر چند قدم بھی نیچے لے جا سکے۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اسے نیچے جانا ہے یا اوپر۔ دونوں جانب جانے والے راستے دھند اور بادلوں میں گم ہو رہے تھے۔ کیمپ فور چند میٹر ہی اوپر تھا، مگر اوپر چڑھنا خودکشی تھا۔ کیمپ تھری خاصا نیچے تھا اور وہ افق کو اتنا نیچے نہیں لے جا سکتی تھی۔

اس کا دماغ سن ہو چکا تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ظالم طوفان میں وہ کس پتھر سے پناہ مانگے، کس برفانی دیور کے پیچھے جا چھپے؟

سب کچھ جیسے کسی خواب کی سی کیفیت میں ہو رہا تھا۔ ذہن ماؤف تھا، ٹانگوں سے قوت سلب تھی، بصارت چند میٹر تک محدود تھی۔ یاخدا، وہ کیا کرے؟

اس نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آسمان مکمل طور پر سفید تھا اور سفید سفید سے پتھر نیچے برسا رہا تھا۔ تیز ہوائیں ڈراؤنی آواز کے ساتھ چل رہی تھیں۔ اس نے گردن ادھر ادھر گما کر اپنے اعتراف میں دیکھا۔ وہ برف میں جس جگہ بیٹھی تھی، اس سے تھوڑی دور تک ہی اس کی بصارت کام کر رہی تھی، آگے سب کچھ دھند اور دبیز برف میں غائب ہو جاتا تھا۔ جہاں تک وہ دیکھ سکتی تھی، وہاں تک برف کا میدان تھا۔ ہر طرف سفید برف تھی۔

وہ کسی برف کے صحرا میں بیٹھی تھی، خس کی کوئی سرحدیں نہیں تھیں -دنیا جیسے ختم ہو چکی تھی -شب برف تھا، سفید اجلی برف-

اسکے اعصاب اب اس کا ساتھ چھوڑنے لگے تھے -دماغ مفلوج ہو چکا تھا-

پھر اس نے افق کو دیکھا-وہ اس کے قریب برف پر پڑا کراہ رہا تھا-اس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں جیسے وہ نیم بے ہوش ہو-پریشے کچھ بھی سن یا سمجھ نہیں پارہی تھی -شدید سردی اس کی ہڈیوں

میں گھس کر انہیں کھارہی تھی -انتہائی بلندی کے باعث اس کا ذہن اور جسم آپس میں مربوط نہیں ہو رہے تھے -وہ بس متلاشی نگاہوں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی -اسے آسمان سے پتھروں کی طرح گرتی ہوئی آفت سے بچاو کے لیے کچھ کرنا تھا-اس کی یاداشت اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت گو کہ اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی، مگر لاشعوری قوت مدافعت بیدار تھی-

اس بلندی پر ذہن کو ایک نقطے پر مرکوز کرنا، کچھ سوچنا بہت کٹھن تھا-اس نے بدقت تمام اپنا پیک بیگ کھولا، آئس ایکس (بیلچہ snow shovel (آئس اسکریوز اور کچھ رسی نکالی اور پھر افق کو وہیں برف میں رسی سے باندھنے لگی-اس کی کمر کے گرد رسی باندھ کر دائیں اور بائیں رسی کو آئس اسکریوز سے برف میں ٹھونک دیا یوں کہ اب وہ حرکت نہیں کر سکتا تھا-پھر اس نے ایک دفعہ اسکی حفاظتی رسیوں کی مظبوطی چیک کی اور تسلی کر کے نیچے اترنے لگی-

طوفانی جھکڑوں اور شدید قسم کی برفباری کے دوران اسے بمشکل تیس میٹر نیچے ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم ملا جہاں وہ برف کھود کر خیمہ لگا سکتی تھی- پھر جانے کتنی دیر وہ برف پر پھاوڑا مارتے ہوئے برف کھودتی رہی، برف کا پاؤڈر سا اس کے چہرے اور کپڑوں پر گرتا رہا، ٹانگیں منجمد ہونے لگیں- افق وہیں اوپر سخت سردی میں زخمی پڑا رہا، پریشے کے ہاتھوں سے جان نکلنے لگی مگر خیمہ لگ کے نہیں دے رہا تھا- طوفانی، ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوا اسے ہر چند سیکنڈ میں گرا دیتی اور وہ پھر سے کھڑی ہوتی- ایک چھوٹا سا دو آدمیوں کا ٹینٹ اس نے کتنی مشکل سے اس برفانی ہوا میں لگایا، یہ صرف وہی جانتی تھی-

پھر وہ واپس گرتی پڑتی اوپر آئی- وہ اسی طرح برف اور پتھروں سے بندھا پڑا تھا- اس کی آنکھیں بند اور لب جامنی تھے- "افق،" اس پکارنے کے باوجود اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی- وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تیز ہوا اسے کھڑا بھی نہیں ہونے دے رہی تھی-

"افق! اٹھو اور اندر چلو-" اس کے کان کے قریب چیخنے پر اس نے آنکھیں کھولیں- پریشے نے اس کی رسیاں کھولیں، اسے دوبارہ خود سے باندھا اور سہارا دے کر نیچے لائی- وہ چلنے کے تو قابل بھی نہیں تھا- غالبا" اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور ٹانگ میں آنے والا زخم اتنا گہرا اور خون رساں تھا کہ خیمے کے فرش پر گرتے ہی وہ پھر سے کراہنے لگا تھا- وہ کبھی بھی درد سے کراہتا نہیں تھا- اب آگر کراہ رہا تھا تو یقینا" شدید زخمی تھا-

پریشے وہیں اس کے قریب دوزانو بیٹھ گئی- خیمے کی گول چھت پر برف مسلسل گر رہی تھی-

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

اور ٹیکس میں لگے دو ہیٹ لائٹرز کے باعث اندر اور باہر کے درجہ حرارت میں خاصا فرق پڑ جاتا تھا. سند گرمائش تھی. پھر بھی اس کے دانت بج رہے تھے اور ٹانگیں لکڑی کی طرح سخت ہو رہی تھیں. وہ بیٹھے بیٹھے گھسٹ کر اس کے پاس آئی اور اپنا بیگ کھول کر فرش پر الٹ دیا پھر فرش پر پڑے سامان میں سے دستانے نکال کر افق کے ہاتھوں میں پہنائے. سلیپنگ بیگ میں اسے دیا کیونکہ وہ اپنا سلیپنگ بیگ پہلے ہی اپنے سمیت گم کر چکا تھا اور پھر میڈیکل لٹ سے ضروری سامان نکال کر اس کا زخم دیکھنے لگی.

اس وقت اس کا تھکاوٹ اور سردی کے مارے برا حال تھا. دل چاہ رہا تھا. کہ فورا کمبل اوڑھ کر سو جائے مگر سامنے وہ شخص وہ لیٹا تھا جس سے اس کی سانسوں کی ڈور بندھی تھی. یہ وہ شخص تھا جس کے لیے وہ دو دن پیدل برف زاروں کو عبور کر کے آئی تھی جو اگر درد سے کراہتا تھا تو وہ درد پریشے کو اپنی روح میں لگتے محسوس ہوتے تھے. وہ سو نہیں سکتی تھی. جب تک وہ پر سکون نہ ہو جاتا اسے چین نہیں آسکتا تھا.

اس کا زخم گہرا تھا. شاہد ہڈی فریکچر ہو گی تھی خون بھی بہہ رہا تھا. سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں کسی حد تک کمی کے باعث وہ ٹھیک سے سمجھ نہ پا رہی تھی اور بمشکل پٹی کر رہی تھی. اس کی اپنی سانس بھی اکھڑ اکھڑ کر آ رہی تھی. وہ "ڈیتھ زون" میں تھی اور اس کے جسم کے خلیوں کو اس بات کا علم ہو چکا تھا اس کے تمام خلیوں کو ٹھیک سے آکسیجن نہیں مل رہی تھی اور وہ اسے اس بات کا بخوبی احساس ہو رہا تھا چونکہ دماغ کو بھی آکسیجن نہیں نل رہی تھی سو اس کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا. اس کے پاس آکسیجن کینسٹر بھی نہیں تھے. بیس کیمپ میں جب اس نے افق سے آکسیجن رکھنے کی بات کی تو اس نے لاپروائی سے انکار کر دیا تھا. میں نے بگ فائیو بغیر آکسیجن کے سر کیے ہیں کبھی کبھی دل کرہے دیکھوں تو سہی کہ میرے پھپھڑے کتنا حوصلہ رکھتے ہیں.

اس کے پھیپھڑے جیسے بھی ہوں وہ بہت حال کم آکسیجن کے عادی تھے مگر پریشے عادی نہیں تھی. اس نے اپنے طور پر کچھ آکسیجن ایمرجنسی صورت حال کے لیے رکھی بھی تھی مگر وہ لانا بھول گئی تھی. افق کے پاس ایک کینسٹر تو لازمی ہونا تھا مگر وہ اپنا بیگ کھو چکا تھا. یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں بہت بڑی ٹریجڈی بنتی جا رہی تھیں.

زخم صاف کر کے اس کی پٹی تو کر دی مگر فریکچر کے بارے میں کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی. اسے افق کو لازما بیس کیمپ لے کر جانا تھا. فریکچر ایسا تھا کہ سرجری ناگزیر تھی مگر وہ نیچے کیسے جائے.؟

وہاں جانے کے تمام راستے مسند تھے.

افق کو اس نے دوبارہ سلیپنگ بیگ پہنا دیا. زپ بند ہوتے ہی اس کے یخ جسم کو گرمائش ملنے لگی اور اس کی نیم وا آنکھیں پوری بند ہو گئیں. وہ اسی پوزیشن میں آدھا بیٹھا آدھا لیٹ رہا.

پریشے کے پاس اب سلیپنگ بیگ نہیں تھا صرف دو لائیز تھے جنہیں اپنے لپیٹ کر بھی وہ ٹھٹھر رہی تھی.

ٹوٹی ٹانگ اور گہرے زخم کے باوجود وہ کیسے پر سکون سو رہا تھا وہ اس کے قریب ہوئی ٹیک لگائے بوجھل ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھی گئی. اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ افق کو سیدھا کرے یا خود سیدھی ہو کر لیٹ جائے. وہ وہیں بیٹھے بیٹھے سو گئی.

نیند میں اسے عجیب عجیب خواب آتے رہے. آخری جو خواب آیا اس میں اس نے دیکھا کہ وہ خود احمت, افق, ارسہ, حبیب, نشا, مصعب, جاپانی ٹورسٹ, پاک فوج کے پائلٹس وہ سب کیمپ فور میں ایک ہی خیمے

میں دبکے بیٹھے خوش گپیاں کر رہے ہیں. خشک میوے گرم چائے ہاٹ چاکلیٹ سرو کی جا رہی ہے. شفالی بھی وہاں تھا اور اس کا اپنا ملزم وحید بھی. شفالی اور اس کی شکلیں بہت مل رہی تھیں.

کوئی اس کا گھٹنا جھنجھوڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا. اس نے جھٹکے سے آنکھیں دین.

وہاں شفالی تھا نہ وحید نہ آرمی سب کچھ راکاپوشی کی لطیف ہوا میں تحلیل ہو اگیا تھا. وہ اپنے خیمے میں تھی اور اس کا گھٹنا ہلانے والا افق تھا.

ہاں.... کیا؟ پریشے کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا. باہر طوفان کا شور اب بھی جار ہی تھا. وہ کتنے گھنٹے بے خبر سوتی رہی اسے انداز نہیں تھا.

پانی دو..... گرم پانی. بہت دقت سے وہ آہستہ آہستہ یوں بولا جیسے بولنے سے اسے بہت تکلیف ہوتی ہو. وہ خیمے کی دیوار سے ٹیک لگائے ٹانگیں سیدھی پھیلائے بیٹھا تھا. دونوں کے درمیان پریشے کے تک سیک سے نکلنے والی اشیا کا ڈھیر تھا. وہ اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگی.

برفشار میں افق کے گم ہونے والے پیچ میں کھانے کا زیادہ تر سامان تھا اس کے پاس گیس آئس اسکریوز (برف میں لگائی جانے والی) پی ٹونز اور کچھ رسی تھی.

کے نام پر اس کے بیگ میں بس ایک دن کا کھانا تھا جو ڈی ہائیڈریٹڈ تھا اور اس کی برف پگلانے اور اسے ری ہائیڈریٹ کر کے اصل حالت میں لانے کے لئے انہیں ایندھن کی بے حد ضرورت تھی، جو اس وقت محض دو سے تین دن کا رہ گیا تھا، وہ بھی صرف پانی بنانے کے لیے - دو سے تین دن کا دورانیہ کم ہو سکتا تھا اگر وہ کھانا گرم

کرنے لگتی، سو اس کے لیے اب وہ تمام فوڈ سپلائی بے کار تھی- وہ گیس ضائع کرنا افورڈ نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ اس بلندی پر انسان بغیر کچھ کھائے بھی ہفتہ بھر زندہ رہ سکتا ہے، مگر پانی-

وہ بے رنگ مائع جو زمین پر صرف آب ہوتا ہے، پہاڑوں پر آب حیات ہوتا ہے- بغیر کچھ پیئے وہ چند گھنٹوں میں ہی مر جاتے- البتہ بھوک دونوں کو نہیں لگی تھی، نہ ہی اس بلندی پر لگتی تھی- پریشے نے انتہائی بلندی پر کام کرنے والا اپنا سٹوو جلایا- چھوٹے سے پین میں برف توڑ کر ڈالی اور اسے پگلانے لگی- خیمے کی چھت پر برف مسلسل پڑ رہی تھی مگر صد شکر کہ وہ اس زاویے سے نصب تھا کہ برفانی طوفان خیمہ اکھاڑ یا گرا نہیں سکتا تھا-

برف پانی بن گئی تو اس نے آخری چاکلیٹ سے ہاٹ چاکلیٹ بنائی- ہاٹ چاکلیٹ اور گرم چائے افق کو پلائی- خود صرف گرم پانی پر گزارا کیا- اپنے حصے کی چائے بھی وہ افق کو دے چکی تھی-

جسم کو کچھ گرم مائع ملا تو دماغ کچھ سوچنے کے قابل ہوا- افق کی توانائی بھی قدرے بحال ہوئی تھی- اس کے چہرے پر شدید درد کے آثار رقم تھے مگر وہ اب کراہ نہیں رہا تھا بلکہ خیمے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا- آنکھیں بند تھیں اور وہ دھیرے دھیرے کچھ گنگنا رہا تھا- یہ وہی گانا تھا جو اس کو اور بیس کیمپ میں ہنزہ و کثر لوگوں کو سنا رہا تھا اور کئی دن پہلے برستی بارش میں وائٹ پیلس کے وزیروں کو سنایا تھا-

we are Leyla

we are mecnun

اس کی آواز بے حد دھیمی تھی، مگر اس نے سن لی تھی- وہ جانتی تھی کہ وہ تکلیف اور دکھ میں ہمیشہ گنگنایا کرتا تھا

-

"یہ لیلی کی تو سمجھ آتی ہے، مگر Mecnun کون ہے افق؟"

افق نے آنکھیں کھولیں جو بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

"مجنوں!" ایک لفظ کہہ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ "ارے!" اسے حیرت ہوئی، "یہ لیلی مجنوں ترکی میں بھی ہوتے ہیں؟" "ہاں، مجنوں ترک بھی ہو سکتا ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرایا اور پھر بند آنکھوں سے وہی گنگنانے لگا۔ وی آر لیلی وی آر مجنوں۔" یہ وہ پہلی نارمل بات تھی، جو دونوں نے طوفان میں پھنس جانے کے بعد کی تھی۔ یہ گرم پانی کا اثر تھا۔ آب حیات کا اثر۔

افق کچھ دیر گنگناتا رہا، پھر خاموش ہو گیا، اب اس پر نقاہت تاری ہو رہی تھی۔ پریشے اپنے ذہن کو مجتمع کر کے اس صورتحال کو سمجھنے لگی جس سے اسکا زندگی میں پہلی بار پالا پڑا تھا اور جب حالات سمجھ میں آنے لگے تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اس کا میٹر بتا رہا تھا کہ وہ 7437 میٹر بلندی پر سخت برفانی طوفان کے درمیان ایک خیمے میں پھنسی بیٹھی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ایسا زخمی کوہ پیما ہے، جس کا زخم نہ صرف اسے چند قدم چلنے سے معذور کر چکا ہے بلکہ زخم کے باعث اس کی ٹانگیں کم وقت میں فروسٹ بائٹ کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتی ہیں۔ اس کے ایک پاوں کی انگلیاں پہلے ہی فروسٹ بائٹ کا شکار ہو چکی تھی۔ پرانے زخم تو ویسے بھی فروسٹ بائٹ کے عمل کے دوران تیز ترین عامل یا عمل انگیز بن جایا کرتے ہیں۔ فروسٹ بائٹ کو صرف ایک عنصر روک سکتا تھا اور وہ تھا پانی۔ جسم میں پانی کی کمی کا مطلب تھا، فروسٹ بائٹ اور جسم میں پانی کی کمی، سطع سمندر سے انتہائی بلندی کا

مطلب سیر برل ایڈیمایا پلمنری ایڈیما- اس وقت حالت یہ تھی کہ اسے جلد از جلد افق کو وہاں سے نکالنا تھا- اس کے پاس تقریبا"80 میٹر رسی تھی اور اسے کئی ہزار میٹر نیچے اترنا تھا-(بیس کیمپ 3400 میٹر پر تھا) اگر وہ جلد ہی افق کو وہاں سے نہیں نکالتی تو وہ مر بھی سکتا تھا- اسے جلد کچھ سوچنا تھا، کچھ کرنا تھا-

اوپر جانے اور چوٹی سر کرنے کا تو اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا- افق کی مخصوص اور خالصتا" کوہ پیماؤں والی ضد کے باعث وہ turn around time کا انتخاب وہ کھو چکے تھے-

کوہ پیمائی میں ایک ٹرن اراونڈ ٹائم ہوتا ہے، پیچھے مڑنے کا وقت - پہاڑوں پر موسم ہر پل بدلتا ہے - کوہ پیما تعین کرتے ہیں کہ اگر آج اتنے بجے تک ہم نے یہ چوٹی سر کرلی تو ٹھیک، ورنہ اتنے بجے تک ہم جہاں بھی ہوئے، واپس مڑ جائیں گے - کوہ پیما عموما" نہ پلٹنے کی غلطی کرتے ہیں - غلطی افق ارسلان نے بھی کی کہ وہ بہر حال کوئی افسانوی کردار نہیں، ایک جیتا جاگتا انسان تھا -

اب انہیں راکاپوشی کے ناقابل تسخیر رج کو ناقابل تسخیر ہی چھوڑ کر واپس جانا تھا اور واپس جانے کے لیے طوفان کا رکنا ضروری تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا. وہ جا سکتے تھے نہ اور نہ ہی یہاں بیٹھے رہ سکتے تھے. خدایا! وہ کیا کرے؟

بڑی دیر بعد وہ ایک نتیجہ پر پہنچی. اس نے ٹرانسیور نکال کر احمت سے رابطہ کیا اور بنا کسی تمہید کے کہنے لگی.

"احمت...... احمت افق زخمی ہے ہم کیمپ تھری اور کیمپ فور کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں. باہر سخت طوفان ہے ہمیں ہر حال میں نیچے اترنا ہے. بتاو میں کیا کروں؟؟

افق زخمی ہے؟ اسے کیا ہوا؟ حسب توقع وہ پریشان ہو گیا.

صبح برفشار آیا تھا. افق کی رسی ٹوٹ گئی اور وہ چالیس میٹر نیچے گرا. ٹانگ کی ہڈی فریکچر ہوئی اور چوٹیں بھی شدید ہیں. "سخت سردی کے باعث اس کے بجتے دانت اسے بولنے نہیں دے رہے تھے.

"اوہ تم یوں کرو اس کے فریکچر کو" .....

فار گاڈسیک احمت! میں ڈاکٹر ہوں. مجھے اس کے فریکچر کے ساتھ کیا کرنا ہے. تم مشورے اپنے پاس رکھو. مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے. اس نے ایک دم غصہ سے بات کاٹی. پل بھر کو احمت خاموش سارہ گیا. اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا.

آئی ایم سوری احمت.... میں بہت پریشان ہوں.... پلیز ناراض مت ہونا.. "وہ روہانسی ٹولی.

ریلیکس پریشے! جب طوفان رکے تو تم نیچے اتر آنا.... اس طرح پریشان ہونے سے تمہارے اعصاب پر برا اثر پڑے گا. خود کو پر سکون رکھو" .

میں خود کو پر سکون نہیں رکھ سکتی احمت! ہماری پوزیشن بہت خراب ہے. افق شدید زخمی ہے. اسے شدید درد ہو رہا ہے. "احمت سے بات کرتے ہوئے اس نے ایک نظر افق پر ڈالی جو آنکھیں موندے شدت ضبط سے لب سختی سے ایک دوسرے میں کیے بیٹھا تھا.

"تم اس کو پین کلر دو" ..

" مگر اس کی ٹانگ کام نہیں کر رہی. وہ چل نہیں سکتا. تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے؟"

ڈپریشن پھر سے غصے میں ڈھلنے لگا.

دفعتاً افق نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کا گھٹنا پکڑا۔ پریشے نے اسے بولتے تک کر اسے دیکھا.

"انفرہ کال کور....جبنیک کو.. اس سے ویدر کنڈیشن پوچھو. وہ نقاہت بارے آہستہ آہستہ بول رہا تھا. پریشے نے سمجھ کر سر ہلایا اور ریڈیو میں بولی.

احمت.....!انفرہ کال کرو جنینیک کو اور اس سے ویدر کنڈیشن کے بارے میں...

افق نے جھنجھلا کر نفی میں سر ہلایا:"احمت نہیں تم پوچھو پری" !

میں ؟میں کیسے پوچھوں ؟

"سٹیلائٹ فون تھا تمہارے پاس" .

وہ ہوں... احمت میں تم سے پھر بات کرتی ہوں. آوٹ. اس نے ٹرانسیو بند کیا اور جھٹ بیگ سے سٹیلائٹ فون نکال کر اسے تھمایا.

وہ خود ہیٔ کتنی دیر کسی سے بات کرتا رہا. تھکا تھکا لہجہ نقاہت اور پژمردگی سے آنکھیں موندے وہ یقیناً شدید کرب کے عالم میں تھا

"ویدر کلئیرنس کا امکان اگلے اڑتالیس گھنٹے تک کوئ نہیں ہے. خدایا. فوں بند کر کے اس نے پریشے کو تھمایا.

وہ دو دن اس سردی اور موسم میں گزارا کر لیتی مگر افق.....اس نے پھر سے احمت بات کی اور اسے تمام حالات سمجھائے

"اب کچھ کرو احمت!ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکلنا ہے" .

"میں کچھ کرتا ہوں تم فکر نہ کرو" .

"کیسے فکر نہ کروں؟ وہ.... مر جائے گا احمت..... خدا کے لیے کچھ کرو وہ مت جائے گا." شدت بے بسی سے اسے رونا آگیا.

"میں کیا کروں؟ اس کے رونا ہر وہ بوکھلا سا گیا", اس بیس کیمپ میں میرے اور ایک دوست کے علاوہ کوئی نہیں ہے. بتاؤں میں کیا کروں" .

"کسی بھی اتھارٹی سے بات کرو کہ وہ ہمیں یہاں ریسکیو کریم. الپائن کلن پاکستان سے کہو نذیر صانع سے کہو منسٹری آف ٹورازم سے کہو کسی سے بھی کہو خدا کے لیے

"میں کچھ کرتا ہوں. تم میری کال کا انتظار کرو. احمت نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

195

پریشے کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے احمت کو کال کی

احمت سنو تم پاکستانی آرمی سے بات کرو۔ ان سے کہو کہ کلائمرز کو evacuate کرنے کے لئے ہیلی کاپٹر بھیجیں۔

دوسری جانب تھوڑی دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

ڈاکٹر پریشے کیا سطح سمندر کی انتہائی اونچائی پر انسانی دماغ خراب ہو جاتا ہے۔؟

کیوں کیا غلط کہا میں نے؟

سنو میری بات دنیا میں کوئی ایسا پائلٹ پیدا نہیں ہوا جو

تمہیں سات ہزار میٹر بلندی سے ریسکیو کر سکے۔ اس سے پہلے کہ تماری ہمت انرجی جواب دے جائے تم نیچے آنے کی کوشش کرو۔ یہی تمارے مسلے کا حل ہے۔

استاد مت بنو آرمی سے بات کرو

اس نے ریڈیو رکھ دیا اور افق کو دیکھا جو سر جھکائے اسے بیٹھا تھا جیسے ہمت ہار چکا ہے

افق، پریشے نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اس نے گردن اٹھائی کیا درد ہو رہا ہے؟

اس نے آہستہ سے گردن کو نفی میں جنبش دی نہیں درد نہیں ہے مگر اس درد جتنا ہو رہا تھا آنکھوں میں تحریر تھا

کیا تم نیچے اتر سکتے ہو کن از کم کیمپ تھری تک؟ اس نے بہت پیار سے پوچھا اس نے نفی میں سر ہلا دیا

چند میٹر بھی نہیں؟

اس ٹانگ کے ساتھ بہت مشکل ہے وہ سمجھ سکتی تھی۔

اچھا اس ٹینٹ میں جیتا ہو سکے اپنے ہاتھ پیر ہلاتے رہو تا کہ جسم گرم رہے ٹھنڈ سے بھی بچ سکو خود بھی یہی کر رہی تھی مگر افق وہی بیٹھا رہا

پھر کتنی دیر گزر گئی احمت نے کوئی رابطہ نہیں کیا طوفان اسی طرح راکاپوشی کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ باہر اولے پڑنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔ پریشے نے کھڑکی سے جھانکا باہر مکمل وائٹ آوٹ تھا رات کٹ ہی نہیں رہی تھی۔ ہر لمہ صدیوں بھاری لگ رہا تھا دونوں بغیر کوئی بات کیے بیٹھے تھے۔ پریشے کو احمت کی کال کا انتظار تھا

۔وہ رابطہ کر رہا ہو گا خود کو تسلیاں دے رہی تھی ساتھ جو زبانی سورتیں یاد تھی پڑھ رہی تھی طوفان نے تھما وہ کوئی شہر میں آنے والا طوفان نہیں تھا وہ ہمالیہ کا برفانی طوفان جو دن رات رہنے والا ہے

اچانک ریڈیو میں شور پیدا ہوا وہ اس کی جانب لپکی

ہیلو احمت وہ بے تابی سے بولی

ہوں ڈاکٹر میں نے بات کی انہوں نے تمہارے منسٹر سے بات کی

پھر؟

وہ کہہ رہا تھا آرمی سے بات کر کے۔۔۔۔۔۔

کب کرے گا بات پیپلز احمت تم خود کرو بات مجھے ان پر بھروسہ نہیں ہے۔

تم میری پوری بات کیوں نہیں سن رہی میں ادھر کوئی جھک نہیں مار رہا

اپنا منہ بند رکھو اور سنو میں نے پائلٹس سوئس سے رابطہ کیا مگر ان کی فلائٹ پر پرابلم ہے۔چار دن لگ سکتے مگر افق کے پہ پاس تین دن سوری تم بات مکمل کرو

تم بھی نا اچھا سنو سوئس کا انا مشکل ہے مگر تمارے مارن منسٹر نے پاکستان سے رابطہ کیا میں اتنی دیر میں آرمی والوں کی کال کا انتظار کر رہا تھا ابھی دس منٹ پہلے

میری بات ہوئی انہوں نے تمارے ریڈیو کی فریکونیسی پوچھی ہے تمارے کپڑوں کا رنگ وغیرہ اور یہ تم انگیزی بول سکتی ہو یا نہیں میں نے کہا بول سکتی ہے ٹھیک کہا نا؟

تو میں تم سے فرنچ میں بات کر رہی ہوں کیا۔

نہیں وہ تماری آررمی ہے تم اپنی زبان میں بھی بات کر سکتی ہو۔

اچھا وہ کب آئیں گے اس نے بے قراری سے پوچھا

ائیں گے کیا مطلب وہ ابھی تم سے رابطہ کریں گے ہر کام آرام سے ہوتا ہے ڈاکٹر۔

اس نے ریڈیو بند کر کے افق کو دیکھا وہ مسکرا دیا اس کی مسکراہٹ میں تھکان اداسی تھی۔

وہ ابھی آجائیں گے تمہیں بس جند قدم چل کر ہیلی کاپٹر تک جانا ہو گا۔ چل لو گے نا اس نے افق کا ہاتھ تھپتھپا۔

چل لو گا اگر وہ آئے تو

وہ ضرور آئیں گے تم اداس مت ہو وہ اس کے ساتھ خود کو بھی تسلی دے رہی تھی۔ پھر آنکھیں موند لی

رات شور غل میں وہ چند گھنٹے سو پائی اس کے ریڈیو کی آواز آئی اس نے آنکھ کھولی اس کی ٹانگ یخ ہو رہی تھی بمشکل ریڈیو ریڈیو کان سے لگایا۔

کم ان ایکسپڈیشن ٹیم آواز تھی یا نئی زندگی کی نوید

آئی ایم ہیر سر اس نے ریڈیو کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

ڈاکٹر پریشے جہاں زیب آر افق ارسلان؟ بھاری رب دار آواز میں پوچھا

پریشے جہاں زیب

دس از کرنل فاروق ڈاکٹر جہان زیب

صفحہ نمبر 198

"آئی نو, سر!" وہ خوشی سے بولی-وہ یقیننا انہیں بچانے آرہے تھے اور ہیلی کاپٹر میں سے قبل اس کو اپنی آمد سے آگاہ کرنے والے تھے, اس نے سوچا-

"اوکے گیو می یور اسٹیٹس, پریشے"

ہم نے ایک ٹینٹ پچ کرر کھا ہے جس کا رنگ اورنج ہے, یہ کیمپ تھری سے خاصہ اوپر ہے-وہ اب اردو بولنے لگی تھی-

"اور بیٹا, آپ کے کپڑوں کا رنگ"-

"میں نے پنک اور لائٹ گرین جیکٹ پہن رکھی ہے-میرے ساتھی کی گرے جیکٹ اور ریڈیشن براون ٹراوزر ہے-سر پر یلو ہیلمٹ ہے, اوررر" یہ اتنا رنگ برنگا حلیہ صرف برف میں واضح نظر آنے کے لیے تھا-

اوکے اب مجھے اپنی لوکیشن دیں, ٹھیک ٹھیک-پہاڑ کی ڈھلان اور فیس کا اینگل بتائیں-وہ بتانے لگی, پھر وہ بولے ,"اوکے, اب آپ میری بات غور سے سنیں, ہم جلد ہی آپ کو لینے آجائیں گے"-

اسے لگا اس نے غلط سنا ہے, "آجائیں گے؟ آپ کا مطلب ہے آپ آنہی رہے"؟

"طوفان بہت شدید ہے ڈاکٹر پریشے-وزیبلیٹی نہی ہے"-

"ے وجب طوفان روکے گا تب تو آپ آجائیں گے نہ؟"وہ کسی امید کا سہارا لینے کی کوشش کر رہی تھی-

جی بلکل,اب آپ بتائیں-تقریبنا کیا بلندی ہو گی آپکی؟اس نے فوراً میٹر دیکھا-

7437 میٹر

دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی پھر ریڈیو سے آواز آئی-

"تو پھر آپ یوں کریں کہ کم از کم ساڑھے انیس ہزار تک آجائیں"-

"میں ساڑھے سات ہزار پر ہوں,گپ انیس ہزار کی بات کر رہے ہیں-میری سمجھ میں نہی آرہا-"اب اسے کفت ہونے لگی-

"میڈم!اپ انیس ہزار فٹ تک ڈیسنڈ کر لیں"

"فا گاڈ سیک کرنل فاروق مجھے میٹرز میں بتائیں-وہ جھنجھلائی-

"اوکے,ھپ تقریبا چھے ہزار میٹر تک نیچے اتر آئیں"-

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

پریشے کا دماغ بھک سے اڑ گیا.

"کرنل صاحب! میرا ساتھی شدید زخمی ہے. اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے. اس سے ڈیڑھ انچ نہیں چلا جاتا اور آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں ایک زخمی کو لر ڈیڑھ ہزار میٹر نیچے اتروں؟ آر یو آوٹ یور مائنڈ!؟ اس کا ضبط جواب سے گیا تھا.

دیکھیں پریشے چھے سوا چھے ہزار میٹر سے اوپر دنیا کا کوئی ہیلی کاپٹر نہیں آسکتا. ہم آپکو اس صورت ریسکیو کر سکتے ہیں کہ طوفان رک جائے اور آپ ڈیسنڈ کر لیں.

مگر میرا ساتھی زخمی ہے. وہ نہیں چل سکتا. اوپر آپ آ نہیں سکتے. نیچے میں نہیں جاسکتی میں کروں تو کیا کروں؟

افق نے اس کے ہاتھ پر ہولے سے اپنا ہاتھ اسے اپنا غصہ دبانے کا اشارہ کیا مگر وہ شدید پریشان ہو رہی تھی.

"طوفان تھم جائے تو آپ کوشش کریں" .

کرنل صاحب کا لہجہ اتنا پر سکون اور ٹھنڈا تھا کہ پریشے کو لگا وہ اس کے معاملے میں دلچسپی نہیں لے رہے.

سنگین لہو میں کوشش کرتی ہوں اور ڈیسنڈ کر کے آپ کو بتاتی ہوں. افق کی ہدایت پر اس نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور ریڈیو فرش پر رکھ کر اسے دیکھا.

"عجیب بے حس لوگ ہیں کوئی اور مر رہا ہے اور انہوں نے رٹ لگا رکھی ہے کہ نہیں سکتے ہیں. وہ بڑبڑائی.

وہ واقعی نہیں آسکتے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں. میں جانتا تھا وہ نہیں آئیں گے میری پوری زندگی ہمالیہ میں گزری ہے اس لیے تمہیں کہا تھا وہ آئے تا میں طل لوں گا چھ ہزار سے اوپر ہوا اور دھند اتنی شدید ہوتی ہے کہ ہیلی کاپٹر وہاں نہیں آسکتا. وہ آہستگی سے کہتا اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا.

"تو پھر ہم نیچے کیسے اتریں؟ میں کیا کروں؟ وہ بے حد پریشان تھی.

وہ کتنی دیر اسے چپ چاپ دیکھتا رہا پھر بالا آخر چند قدم گھسٹ کر اس کے نزدیک آیا اور اس کے مثل بیٹھ کر اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنا لگا. میری بات غور سے سنو اور جو میں کہوں ویسے ہی کرو. تمہیں یاد ہے پری! میں نے تمہیں ایک دفعہ بتایا تھا کہ میری ماں بہت بہادر ہے".

وہ سمجھی تھی افق اسے نیچے اترنا کے کسی منصوبے اور حکمت علمی کے متعلق بتائے گا مگر وہ نہایت غیر متعلقہ بات کر رہا تھا.

"ہوں مجھے یاد ہے مگر اس وقت".

"میری ماں بہت بہادر ہے پری اس نے اپنے تین جوان بیٹوں کی موت کا غم سہا ہے ان کے بیٹوں کے بعد ان کے بچے اس کے پاس ہیں اور وہ ان میں بہت خوش اور مگن ہے".

"وہ تو ٹھیک ہے افق مگر کرنل صاحب کہہ رہے ہیں کہ ہمیں".....

"یقین کرو پری! میرے ماں باپ کے پاس دوسری بہت سی مصروفیات ہیں. وہ خود کو ان سب جھمیلوں میں گم کر سکتے ہیں اور ان کے لیے یہ سب مشکل نہیں ہو گا.

اس نے جیسے پریشے کی بات سنی ہی نہیں تھی اور پتا نہیں کون سے قصے لے کر بیٹھ گیا وہ الجھنے لگی. وہ کہہ رہا تھا. تمہاری نومبر میں شادی ہے. تمہیں اس کی تیاری کرنی ہو گی. تمہاری پھپھو تم سے بہت پیار کرتی ہے. تمہارے پاپا بھی تو ہے ناں ان کے لیے ایک واحد راشتہ تم ہو پری! میری ماں باپ کی اور بات ہے." وہ رک رک کر ٹھہر ٹھہر کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا.

میرے ماں باپ عادی ہو چکے ہیں. ان کے دو بیٹے اور بھی ہیں مگر تم اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہو. ایک دم پریشے کے لاشعور میں خطرے کا الارم بجا.

تم.... تم کھل کر بات کرو افق.

پری یہ سب صرف اور صرف میری وجہ سے ہوا ہے. میں تمہیں اس جگہ پھنسانے نہیں دوں گا. کیوں کہ میں جلدی ٹرن اراؤنڈ نہیں کیا. ورنہ اس وقت تم بیس کیمپ میں ہوتی وہ پلک جھپکے بغیر اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا.

نہیں افق میں خود... تم تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟؟ اس طرح بات کیوں کر رہے ہو. کرنل فاروق نے کہا ہے کہ جیسے ہی ڈیڑھ ہزار میٹر ڈیسنڈ کریں گے وہ ہمیں لینے خود آئے گے خود کہا تھا انہوں نے میں کوشش کرتی ہوں. اس نے اسے یاد دلسا.

افق نے اثبات میں سر ہلا دیا میں نے ٹھیک کہا تھا. تم کوشش کر کے ڈیسنڈ کر سکتی ہو.

اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس پر وہ بری طرح چونکی تم؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ اسے اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا.

پری تم نیچے جاسکتی ہو تم نیچے چلی جاؤ۔ افق پریشے نے تڑپ کر اپنا ہاتھ اسکی گرفت سے چھڑایا۔

خدا کے لیے پری جزباتی مت بنو۔ میری وجہ سے خود کو خطرے میں مت ڈالو۔ تم نیچے چلی جاؤ پلیز۔

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

افق تم یہ چاہتے ہو میں تمہیں اس برفانی طوفان میں اکیلا چھوڑ کر چلی جاؤں۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی

ہاں تم چلی جاؤ وہ اوپر کبھی نہیں ائیں گے چھ ہزار میٹر پر تم جاؤ میری فکر مت کرو وہ تھکے لہجے میں بول کر پیچھے بیٹھ گیا۔

تمہیں چھوڑ کر اس ٹینٹ میں چھوڑ کر وہ بے یقین تھی

میں نیچے نہیں جا، سکتا پری کبھی بھی نہیں میں جانتا ہوں میں ادھر مر جاؤں گا اگر تم رہی تو تم بھی مر جاؤ گی۔ تمارے پیچھے بہت لوگ ہیں جو تمارے بغیر نہیں رہ پائیں گے تمارے باپ کے بچے نہیں ہیں۔ پری میرے لیے اپنی اور سب کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالو۔ تم بہت لوگوں کی زندگی ہو میرا کیا ہے میں تو کوہ پیما ہوں مجھے

ازل سے پتہ تھا میری موت پہاڑوں میں آنی ہے۔ میں نے ہمالیہ میں ہی مرنا ہے میرا کیا ہے پریشے میرا رونے والا کوئی نہیں ہے۔

اس نے دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا اس نے چھڑا دیا۔

تم کیا سمجھتے ہو مجھے میں اتنی خود غرض اور بے حس ہوں کے تمیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ تم مجھے سمجھتے ہی نہیں کیا سمجھو گے مجھے۔ اس کی آواز میں رونا تھا۔ کیا سمجھ کر تم نے مجھے یہ سب کہا۔ تمیں لگتا ہے تمارے کہنے سے چھوڑ کر چلی جاؤں گی اتنی بری ہوں میں۔

پاگل مت بنو خدا کے لیے چلی جاؤ ورنہ تمارے باپ کو تماری لاش بھی نہیں ملے گی۔ سب میری غلطی تھی میں تمہیں پہاڑوں میں لایا تھا۔ پھر برفشار کے بعد تم نے میری جان بچائی میری پٹی کر دی بہت شکریہ

اس سے زیادہ تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتی میں جانتا ہوں

میں مر جاؤں گا کبھی بھی نیچے نہیں جاسکوں گا۔ میں ہمالیہ سے جڑا ہوں مجھے یہی مرنا ہے میں یہی خوش ہوں۔ وہ تھک کر گہری سانس لینے لگا۔

میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں تمہیں لگتا ہے زندہ رہ لو گی۔ کتنی آسانی سے سب کہہ ڈالا ہے جیسے دونوں کے بیچ کوئی تعلق حثیت نہیں رکھتا۔

تم رہ لو گی تمارے پاس بہت رشتے ہیں تم چند ماہ میں ہی مجھے بھلا دو گی۔ بہت سے کلائمبنگ پارٹنر مہموں کے دوران ہی مر جاتے ہیں

سو واٹ ؟ کلائمبنگ پارٹنر ؟؟؟ کیا یہی ہوں میں تماری ؟؟؟

افق نے نقاہت بھرے انداز میں اسے دیکھا تم چلی جاؤ پری اسلام آباد پنجاب جہاں سے آئی ہو واپس چلی جاؤ

ہاں ایک بار تر کی ضرور جانا ڈاؤن ٹاون میں میرا گھر ہے حسن حسین ارسلان کا گھر وہاں میری ماں سے ضرور مل لینا۔ اسے بتانا اس کا بیٹا بزدل نہیں تھا بس راکاشی کے پہاڑوں سے لڑ نہیں سکا اس نے ہار مان لی۔

پریشے نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تم کیا سمجھتے ہو مجھے یہاں سے بھیج کر قربانی کی مثال پیش کرو گے۔

تمارے لیے قراقرم محل تعمیر کروایا جائے گا۔ تماری بہادری کے قصے سنائے جائیں گے۔ یوں چپ کر کے موت کا انتظار کرنا بہادری نہیں بزدلی ہے۔ ایسے تو ڈر کے چوہا بھی نہیں بیٹھتا تم چوہے سے بھی بزدل نکلے۔۔۔ تم تو۔۔۔۔۔۔

چٹاخ کی آواز کے ساتھ زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر پڑا۔

ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔

شٹ اپ جسٹ شٹ دی ہیل اپ

دفع ہو جاؤ تم یہاں سے مجھے تماری شکل سے نفرت ہے نہیں چاہئے ہمدردی مدد تماری نکل جاؤ یہاں سے وہ بھی ایسے ہی چلی گئیں تھی سب ایک سی ہوتی ہو تم لوگ۔۔۔

وہ زور زور سے چلاتے ہوئے اسے وہاں سے نکل جانے کو کہہ رہا تھا اور اپنے بائیں رخسار پہ ہاتھ رکھے وہ سن سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی- یقینا" اس کی آنکھوں نے غلط دیکھا تھا، اس کے گال نے تھپڑ محسوس کیا تھا-

"تم نے.......مجھے تھپڑ مارا؟" اس نے بے یقینی سے اپنا ہاتھ رخسار سے ہٹا کر دیکھا جیسے اس پر افق کے ہاتھ کا نشان ہو اور اسے دوبارہ گال پر رکھا- اسے یقین نہیں آ رہا تھا-

افق نے اسے تھپڑ مارا؟ افق نے؟ وہ بھی اتنے زور سے- اس کا پورا دماغ گھوم گیا؟ وہ اتنا طاقتور تھپڑ افق نے مارا؟ واقعی؟

وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی-

خیمے کے باہر برفانی طوفان اسی طرح جاری تھا- سرد طوفانی ہوا اس کے باہر نکلتے ہی اسے ادھر ادھر لڑھکانے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ مظبوطی سے خیمے کے دروازے دو گز دور، بازو سینے پہ باندھے کھڑی سامنے دیکھتی رہی-

صبح صادق کا وقت تھا- سورج کہیں سے بھی دیکھائی نہ دیتا تھا، کیونکہ آسمان پر سیاہ بادلوں اور ان سے نیچے برفانی طوفان کا راج تھا- روشنی صرف اتنی تھی کے وہ شدید دھند میں محض پچاس میٹر تک دیکھ سکتی تھی- برف ابھی تک گر رہی تھی، مگر رات کی طرح کا شدید وائٹ آوٹ نہیں تھا-

کتنی دیر وہ برف میں ہاتھ باندھے اسی طرح، ساکت پتلیوں سے پلکیں جھپکے بغیر سامنے دیکھتی رہی، جیسے دھند، برف باری اور طوفان میں کوئی جیتی جاگتی ممی کھڑی ہو- اس کی ٹوپی ہوا کے باعث اڑ کر دو گز دور گر گئی- ہر پل

گرتی برف اسے سفید کرتی رہی، مگر وہ اسی طرح کھڑی دھند میں دیکھتی رہی- دفعتاً" اس کے عقب میں دھیمی آہٹ ہوئی-

بہت مشکل اور شدید تکلیف کے عالم میں وہ ski pole کا سہارا لئے چل کر باہر آرہا تھا- اس سے اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اور طوفانی ہواؤں کی چنگھاڑتی آواز کے باوجود اس کی ہر قدم رکھنے کے ساتھ لبوں سے نکلنے والی کراہیں سنائی دے رہی تھیں- وہ بمشکل چلتا، لنگڑاتا اس کے قریب آیا مگر پریشے گردن کو جنبش دیئے بغیر سامنے دیکھتی رہی- اسے گال پر افق کے طمانچے کی حرارت اور درد ابھی تک محسوس ہو رہا تھا-

چند لمحے وہ کچھ کہے بغیر اسے دیکھتا رہا، پھر اس کی نگاہیں پریشے کے چہرے سے پھسلتی اس کے اڑتے بالوں پر جا ٹھہریں- اس نے ارد گرد متلاشی نگاہیں دوڑا کر کچھ ڈھونڈنا چاہا، پھر جس

طرف ٹوپی گری تھی، اس طرف بڑھنے لگا-

پریشے نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا جو لنگڑاتے ہوئے، بدقت ایک ٹانگ پر زور ڈالے چل کر ٹوپی کے قریب آگیا- اس نے جھک کر ٹوپی اٹھائی، اس پر لگی برف جھاڑی اور اسے لے کے واپس پریشے کے قریب آنے لگا- تب اس نے محسوس کیا کہ وہ دایاں پاؤں قدرے ٹیڑھا کر کے رکھ رہا تھا جیسے اس میں بہت تکلیف ہو-

"اسے پہن لو-" اس نے ٹوپی اس کی جانب بڑھائی-

اس نے چپ چاپ ٹوپی تھام کر سر پر پہن لی اور پھر گھنی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، "اگر تمہیں لگتا ہے کہ مجھے تھپڑ مار کر، مجھ پر چیخ چلا کر، مجھے خود سے متنفر کر کے تم مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کر دو گے تو تم غلط ہو- میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی- میں حنا دے نہیں ہوں افق میں پریشے ہوں"-

افق نے خاموشی سے سر کو اثبات میں ہلایا-

"اب چلو اندر-" اس نے ڈپٹا- وہ سر جھکائے اس کے آگے چلتا ہوا اندر خیمے میں داخل ہوا-

بیٹھو اور اب اپنا جوتا اتار کر مجھے اپنا پاؤں دیکھاو-" وہ دیوار سے ٹیک لگا کر ٹانگیں سیدھی پھیلائے بیٹھ گیا تو وہ تحکم سے بولی-

میرا پاؤں ٹھیک ہے- اسے کچھ نہیں ہوا-" افق نے فورا" اپنا دایاں پاؤں دور ہٹایا-

"میں نے جو کہا ہے، جو گر اتارو"-

"مگر میں تھک گیا ہوں ڈاکٹر-" اس نے جوتے پر یوں ہاتھ رکھ دیا جیسے کوئی چھوٹا بچہ اپنی غلطی چھپانے کی کوشش کرتا ہے-

"یہ فیصلہ کرنے والی میں ہوں کہ تم ٹھیک ہو یا غلط- مجھ سے بحث مت کرو اور جو گر اتارو"-

"میں کہہ جو رہا ہوں کہ میرا پاؤں ٹھیک" ....

اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر پریشے نے اس کے چہرے پے زوردار تھپڑ مارا-

"پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں - مجھے اپنے سامنے بڑبڑاتے ہوئے مریض زہر لگتے ہیں -ڈاکٹر کے سامنے خاموش رہا کرو -اب اتارو اپنا جوتا"-

افق نے حیرت اور بے یقینی سے ہاتھ سے رخسار کو ہولے سے چھوا، جیسے کچھ محسوس کرنے کی کوشش

کر رہا ہو۔ پھر اس کے تاثرات حیرت سے مدھم مسکراہٹ میں بدل گئے۔ اس نے خاموشی سے سر جھکائے مسکراتے ہوئے جوگر کا تسمہ کھولا۔ پریشے نے جیسے کہیں کچھ برابر کر دیا تھا۔

اس کے پاؤں کا انگوٹھا زخمی تھا ناخن ٹوٹ چکا تھا۔ خون جما ہوا تھا۔ ناخن کے نیچے والی جگہ وہ اس لیے پریشان تھی افق نے اسے بتایا نہیں۔

مجھے سے یہ زخم چھپاتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ اس کا زخم صاف کرتے ہوئے طنز کیا۔

بالکل نہیں آئی اس نے معصومیت سے جواب دیا۔

اب پہن لو جرابیں اس نے پٹی کر کے بولا وہ آرام سے جرابیں پہن کر تسمے بندھنے لگا اس کے لبوں پر اداس مسکان تھی۔

ہمیں ہر حال میں نیچے کا سفر آج ہی شروع کرنا ہے۔ دعا کرو آج طوفان کا زور ٹوٹے اور سورج نکل آئے۔ پھر برف باری بھی ہوئی تو ہم ڈسینڈ کر لیں گے۔ چولہے پر برف پگھلا کر پانی گرم اچھا افق کے برتن میں ڈالا آدھا خود تھام لیا۔

میں جانتی ہوں تمارا ذخم گہرا ہے مگر ہمت کرنی ہوگی اپنے لیے نہ سہی میرے لیے کروگے نا افق؟؟

گھونٹ گھونٹ پانی پیتے افق نے اثبات میں سر ہلایا۔

پریشے نے آخری پاور بار اس کی طرف بڑھایا کھالو۔

کھالو طاقت ملے گی وہ خاموشی سے کھانے لگا۔

پریشے نے گیس کی مقدار چک کرتے ہوئے کہا بس دو دن کی بچی ہے گیس۔ وہ بھی پانی بنانے کے لیے ان کو ہر آدھے گھنٹے بعد گرم پانی کی ضرورت پڑتی تھی۔ ساڑھے سات ہزار میٹر دو گھونٹ گرم چائے تھوڑی سی گیس زندگی اور موت کے درمیان فرق کرتے تھے۔

پاور بار ختم کر کے جانے کب وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ پریشے کو پتہ بھی نہیں چلا۔ جب وہ اپنے خیال سے باہر نکلی اسے انگھتے دیکھا کتنا کمزور لگ رہا تھا زردی نما سفید چہرہ

اس کا سرخ سہنری پن رنگت آج میں نظر نہیں آرہی تھی۔

باہر طوفان کا شور وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نیند میں کبھی وہ ہلکا سا کھانس دیتا۔

اسے افق پر بہت ترس آرہا تھا۔ اس کی ٹانگ یقیناً اتنی دکھ رہی تھی۔ اس کا عزم حوصلہ ہمت جواب دے گیا تھا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ وہ مر جائے گا لیکن مرتے مرتے بھی وہ اپنی سانس اسے دینا چاہتا تھا۔ اسے وہاں سے بھیجنا چاہتا تھا۔ وہ اسے لفظوں میں نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ خیمے میں زندگی بچانے نہیں بیٹھی

تھی۔ جو اس کے سامنے سویا ہوا تھا وہ اس کی زندگی تھا۔ بعض لوگوں کی زندگی اتنی ہمیں اہم ہوتی ان کے بغیر رہ نہیں جا سکتا۔ ان کے بغیر بس مرا جا سکتا ہے۔

اسے افق سے پہلی نظر کی محبت ہوئی تھی وہ شاید اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا پری نے اسے کتنا ٹوٹ کر چاہا تھا جب اس نے اسے تھپڑ مارا پھر بھی ایک لمحے کو بھی چھوڑ کر جانے کا نہیں سوچا۔ وہ جانتی تھی وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس لئے اس کے باہر نکلنے پر پیچھے ہی آ گیا تھا۔ اظہار نہیں کرتا تھا مگر محبت کرتا تھا کتنی خاموش محبت تھی دونوں کی چاہنا بھی اور نہ بتانا بھی کیا ایسے بھی کسی نے محبت کی ہوگی۔

برف باری جاری سورج طلوع نہیں ہو پا رہا تھا غلبا صبح کا ٹائم ہے اس نے ریڈیو کا سلسہ کیمپ سے جوڑا۔

احمت ہمیں آج رات تک ہر حال میں ڈیڑھ ہزار میٹر ڈیسنڈ کرنا ہے مگر میرے پاس صرف اسی میٹر لمبی رسی ہے باقی چوری سو میٹر کیسی ڈیسنڈ کروں آواز میں تھکن تھی وہ کوئی سپر مین تو نہیں تھی کہ عصاب جواب نہیں دیتے مگر اس نے ایک شخص کے لیے خود کو ٹوٹنے سے روکا وہ افق کو مرنے نہیں دے گی اس نے عہد کر رکھا تھا۔

میں کلائمبر نہیں ہوں ڈاکٹر میں کیا کہہ سکتا ہوں ویسے تم نے جو رسی پہلے لگائی تھی وہ کہاں گئی۔؟

وہ بوف میں دب کر گم گی ہوتی بھی تو کیا فائدہ ہم رستہ بھٹک گئے

ہم دوسرے رستے پر آ چکے ہیں تھوڑا سا شمال کی طرف اب سمجھ نہیں آ رہا کے اسی میٹر سے ڈیڑھ ہزار میٹر کیسے ڈیسنڈ کروں؟

کچھ کرو کچھ سوچو۔

افق کیسا ہے؟

اس کے پاؤں پر بھی بہت ذخم تھا صاف کر کے پٹی باندھی اب سو رہا اس نے ایک نظر افق پر ڈالی۔

اچھا وہ ہنس دیا

ہنسے کیوں؟

افق کو پچھلی بار ناگا پربت پر برفشار نے 480 میٹر نیچے پٹخا تھا۔ آٹھ ایک ہی رسی پر تھی ایک گرتا سارے جاتے مگر سب بچ گئے تھے صرف افق کے پاؤں میں چوٹ آئی تھی اس کا باس کہتا تھا تم بے عزتی اور برفشار پروف ہو۔

وہ ہنس دی

یقین کرو ڈاکٹر اگر وہ اس کے باپ کو دوست نہیں ہوتا اب تک اسے شوٹ کر چکا ہوتا مگر اس بار افق نے باس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ راگاپوشی کی چوٹی سے کنکروڑیا بلتورو دیکھ کر واپس آجائے گا اور پھر کبھی پہاڑوں میں نہیں جائے گا۔

میں نے راگاپوشی کی دیوار سے وہ چوٹیاں دیکھ لی مگر یقین کرو کوئی خوشی نہیں ہوئی وہ زندگی سے زیادہ حسن نہیں ہیں اور سنو وہ کرنل فاروق کدھر ہے؟

آج سارا دن یہی رہے دوربینوں سے تمہیں کھوجنے کی کوشش کرتے رہے۔

انہیں کہنا ہم رات تک ڈیسنڈ کرنے کی کوشش کریں گے اور پاپا کی کوئی میل تو نہیں آئی؟

اس نے بے قراری سے پوچھا

آئی تھی کہہ رہے تھے ارسہ کی موت کی خبر نیوز پر آئی

تمارے لئے سخت

پریشان ہیں میں نے کچھ سچ کچھ جھوٹ ملا کر تماری طرف سے مکمل خیریت کی اطلاع دی۔

بہت اچھا کیا اور فرید بیس کیمپ پہنچ گیا ہے؟ اسے یہ بات پوچھنا آج یاد آیا

وہ ادھر نہیں آیا۔

پریشے کے قدموں سے زمین نکل گئی

تو پھر وہ کہاں گیا؟ وہ پریشان ہو گئی وہ نیچے نہیں اترا؟

نیچے تو وہ دو دن پہلے ہی آ گیا تھا پھر وہ کریم آباد واپس چلا گیا مجھے لگا تم اس کے آنے کے متعلق پوچھ رہی ہو۔

احمت تم نے میری جان نکال دی اس کا دل احمت کا سر پھوڑنے کو چاہا۔

پھر کتنے پل گزر گئے طوفان نہ رو کا نہ آہستہ ہوا

اگر رسی زیادہ ہوتی تو دونوں طوفان میں بھی نیچے اتر سکتے تھے زخمی ٹانگ کے بعد سب سے بڑا مسئلہ رسی تھی افق اسی طرح سو رہا تھا اس کی جیب سے کچھ سرخ نظر آ رہا تھا پریشے نے اگے بڑھ کر اس سرخ کپڑے کو کھنچا وہ افق کا ترکی والا مفلر تھا وہ مفلر کو دیکھ کر سوات میں گزرنے والے پل یاد کرنے لگی کتنی دیر وہ مفلر سے کھیلتی رہی۔ یہ وہی ترکی کا جھنڈا نما مفلر تھا جو راگاپوشی پر لہرانا تھا پریشے چوٹی پر رکھنے کے لئے ماں کی تصویر لائی تھی۔ پاکستان کا جھنڈا وہ بھول آئی تھی

مفلر لمبا سا تھا اس نے اس کے دونوں سرے ہاتھوں پر لپیٹ لئے او خدا اس نے چونک کر سر اٹھایا میں کتنی اسٹوپڈ ہوں مجھے پہلے کیوں نہیں خیال آیا وہ افق کو اٹھانے لگی افق افق اا ٹھو وہ مفلر چھوڑ کر اسے جھنجھوڑ کر اٹھانے لگی وہ ہڑبڑا کر اٹھا چلو جلدی جہاں سے ہمیں نکلنا ہے مجھے سمجھ آ گئ کیسے اترنا ہے۔

کیسے ؟

وہ حیران پریشان اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں نیند کے باعث ابھی تک ٹھیک سے کھلی نہیں تھی۔

ہم Rapelling کر کے اتر سکتے ہیں رسی کو ڈبل کر کے میرے پاس 80 میٹر لمبا رسا ہے ڈبل کر کے اتر سکتے ہیں اٹھو جلدی کرو۔

سارا سامان باندھنے لگی اپنی ہارنس سے افق کی ہارنس باندھنے لگی۔

بیگ ہلکا ہے تمارا افق نے یوہی پوچھ لیا

سب یہی چھوڑو اس نے ادق کو سہارا دیا اور باہر نکل آئے

اس نے برستے طوفان میں کام کرنا تھا ساتھ ساتھ اپنے مرد کا وزن بھی اپنی کمر اٹھانا تھا وہ کوئی نازک چھوٹی موٹی لڑکی نہیں تھی۔ سپورٹس وومن تھی ایک اچھی کوہ پیما وہ یہ سب کر سکتی تھی باوجود اس کے اس نے کچھ کھایا نہیں مگر اسے افق کو بچانا تھا ہر حال میں یہاں سے نکلنا تھا۔ وہی خیمے کے قریب اس نے بال برابر کریک تلاش کیا اب اس نے رسی پی ٹون سے باندھی ایسے کے دونوں سرے ہاتھ میں پکڑ لیے وہ افق کو لیے اترنے لگی رسی ڈبل ہو کر اب چالیس رہ گئی تھی وہ دونوں چالیس میٹر نیچے اترے۔ پریشے نے ایک سرا چھوڑ کر دوسرا سرا زور سے کھینچا پوری رسی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ اب جہاں سے اتری بیگ سے دوسرا پی نکال کر نصب کرنا شروع کیا۔

طوفانی ہوائیں اوپر نیچے چل رہی تھی افق مسلسل کراہ رہا تھا نہ چل سکتا نہ مزید برداشت کر سکتا تھا مسلسل گرتی برف سے پریشے پی ٹون

گاڑے نہیں جا رہے تھے۔ شروع کے چند گھنٹے افق چل کر اترا تھا مگر وہ بھی بہر حال کوشش کر رہا تھا مگر ہمت جواب دے گئ اب اسے پریشے سہارا دے کر اتار رہی تھی۔

پلیز افق ہمت کرو۔ تمہیں زندہ رہنا ہے تمہیں پریشے کے لیے زندہ رہنا ہے

پری مت کر اب مجھے ہمت نہیں ہے

میں تمارے سر میں یہ پی ٹون ماروں گی اگر اب ٹر ٹر کی

چپ کر کے اترتے جاؤ اترنے کے دوران اس کے زہین میں سب حادثے آرہے تھے وہ ایک زخمی کے ساتھ تھی جیسے چلنے کی سکت نہیں تھی

برف گرتی رہی ہوا ہیں چلتی رہی وہ نیچے اترتے رہے وہ ان کی راہ میں آجاتا وہ بڑھتی دھند کی دشمن بن جاتی

وہ دوپہر کا وقت تھا مگر شام لگ رہی تھی گلیشئر پر برف پڑ رہی بار بار اسے صاف کرنا پڑتا افق گلاسز کے بغیر اتر رہا تھا وہ شدید تکلیف میں تھا اس کی ٹانگ ٹوٹی اور شدید سردی سے زخم خراب ہو رہے تھے بہادر انسان تھا جانے کیسے برداشت کر رہا تھا۔

بس ہمت کرو افق ہمیں پہنچنا ہے پھر کرنل فاروق اپنا ہیلی کاپٹر لے کر وہاں پہنچ جائیں گے بس چند گھنٹوں کی بات ہے وہ بمشکل سانس لے کر افق کی ہمت بنا رہی تھی

ایک جگہ وہ گلیشئر میں گلاسسز صاف کرنے رکی تو افق زور سے کھانسا اس کے زہین میں الارم بجا ایڈیما

مگر شکر کے وہ ایڈیما نہیں تھوڑا تنفس پر ابلم تھا ایڈیما بھی ہوتا تو کوہ ہمالیہ کا ابحیات اس کے پاس علاج تھا

راکاپوشی پر دھیرے دھیرے شام اترنے لگی-ان کے اطراف میں موجود دیو ہیکل سیاہ اور سفید پہاڑ دھند کے پردے میں خاموشی میں ڈوبے تھے-ہزاروں میٹر نیچے دلکش وادیاں پھیلی تھیں-وہاں فرید کا کریم آباد بھی تھا,جس کی باسیوں کو علم بھی نہ تھا کہ وہ دو نفوس شام کی نیلگوں کی روشنی میں اترائی کا سفر....زندگی کا سفر کر

رہے ہیں- آے دن کوہ پیماؤں کے مرنے کی خبریں ملا کرتی تھیں, کریم آباد کے باسیوں کے لیے یہ معمول کی بات تھی-

پھر اندھیرا پھیلنے لگا- انہیں اس سفر میں جتنی دیر ہو چکی تھی, اس میں کوئی آدمی لاہور سے پنڈی جا کر واپس لاہور بھی آسکتا تھا- اور ان سے ابھی تک ایک کلومیٹر طے نہی ہو پایا تھا- جو سفر صاف موسم میں وہ چند گھنٹوں میں کد سکتے تھے, وہ اب تین گنا زیادہ وقت لے رہا تھا- وہ بار بار میٹر چیک کرتی, مگر سوئیا بھی چھے ہزار کے ہندسے سے اوپر تھی-

دفعتاً طوفان نے زور پکڑنا شروع کر دیا- برو پھر سے جاگ اٹھا- برف باری میں شدت آگئی اور بلا آخر افق کی ہمت جواب دے گئی- وہ اترتے اترتے وہیں برف پر نڈھال سا ہو کر گر گیا-

"نہی اور نہیں..... تم بے شک جاو, میں اور نہی-" طویل سانس لیتا وہ بے ربط جملے کہتا برف پر پڑا تھا- پریشے نے پریشانی سے میٹر دیکھا- 6320 میٹر-

"نو نیور..... تم جاو..... مجھے...... مجھے ادھر ہی مرنے دو..... میں اور نہی جا سکتا-" وہ اکھڑتی سانسوں کے درمیان نفی میں سر ہلاتے ہوے انکار کر رہا تھا-

وہ جگہ بلکل اموودی تھی- جیسے کسی تکون کی ایک سائیڈ ہوتی ہے یا جیسے کسی چھت کی منڈیر- چند قدم آگے بڑھتے تو نیچے گر جاتے- وہاں تو خیمہ بھی نصب نہی کیا جا سکتا تھا-

طوفان ہر گزرتے پل وحشی ہو رہا تھا- برفیلی ہوا ہڈیوں میں گھس کر خون منجمد کر رہی تھی مگر افق اس سے ایک انچ نیچے نہیں اترنا چاہتا تھا- پریشے نے کھینچ کر رسی کو اپنے ہاتھ میں کر لیا اور فولڈ کر کے ایک کندھے پر ڈال

لیا-اب اسے خیمہ گاڑنے کو جگہ ڈھونڈنی تھی-کون کہہ سکتا تھا کہ وہ وہی پریشے تھی جو گھوڑے سے ڈرتی تھی-

اس نے افق کو برف میں دونو اطراف سے رسی گزار کر باندھ دیا,ایک اور ڈھیلا سا بھی برف کی دیوار میں نصب کر دیا تا کہ وہ نہ گرے-اس کی" سیفٹی روپ "کا کھینچاؤ چیک

کر کے وہ خیمے کی جگہ ڈھونڈھنے کی خاطر تاریکی اور طوفان میں گھٹنوں کے بل برف پر رینگتی رہی۔ادھر آئس ایکس مارتے ہوئے کوئی پلیٹ فارم تلاش کرنے لگی۔

کم بصارت گہری تاریکی ہڈیوں کو کھاتی سردی وہ زیادہ دور نہیں جا سکتی تھی اگر سکاف فشر نے کہا کے کوہ ہمالیہ کا اندھیرا آپ کا دوست نہیں ہو سکتا تو بالکل ٹھیک کہا وہ ویسے ہی دیوار کے ساتھ باندھا بیٹھا تھا جیسے وہ چھوڑ کر گئ تھی چہرے پر بڑھتی شیو پر برف کے زرات

وہ تھک کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گئ۔طوفان کا شور نا قابل برداشت کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔

یہ سوا چھے ہزار میٹر ہے یہاں ہیلی کاپٹر آسکتا ہے وہ کانپتے ہوئے بولی جواب میں افق نے کچھ نہیں کہا۔

اس نے ڈرتے ہوئے افق کا کندھا ہلایا افق مگر اس میں جنبش نہیں آئی وہ پھر افق

اس نے بہت ہلکا سا ہوں کیا پریشے کو سکون ہوا

درد ہو رہا ہے؟

نہیں

مگر اس کی آواز سے ظاہر ہو رہا تھا

فکر نہ کرو وہ آتے ہی ہوں گے اس کو سہارا دے رہی تھی یا لے رہی تھی سمجھ نہیں آئی

جانے ہیلی کاپٹر کب آئے گا اس نے کمر سے بندھی ریسک سے ریڈیو نکالا

کم ان بیس کیمپ ہاتھ اتنے منجمد تھے کے بٹن بھی نہیں دب رہے تھے۔

ائی اہم ہیر احمت کی آواز غنودگی سے بھری تھی

احمت ہم کوئی سوا چھے ہزار میٹر کی بلندی پر ہیں ایسا کروں میری کرنک فاروق سے بات کرواؤ انہیں لوکیشن دیتی ہوں

¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤

کرنل فاروق تو چلے گئے

پریشے کو لگا اس نے غلط سنا

کہاں چلے گئے؟

واپس سکردو

جیسے پورا گلیشئر اس کے سر پر پھٹا وہ ریڈیو کو کنگ سے دیکھ رہی تھی

وہ کیسے چلے گئے انہوں نے تو ہمیں ریسکو کرنا تھا اس سے الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے جیسے ساری قوت سلب ہو گئی ہو

وہ کہہ رہے تھے موسم خراب ہے اور بھی کوئی پرابلم تائی ڈونٹ نو صبح ہی چلے گئے

تب پریشے کو حساس ہوا وہ کھلے آسمان تلے تہنا بے بس پڑی ہے

احمت وہ کیسے جا سکتے ہیں ہم نے ان کے کہنے پر ڈیسنڈ کیا اور وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے کیوں؟؟؟؟

اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہا رہا تھا وہ چھے فٹ مرد کو کندھے پر سہارا دے کر یہاں تک لائی اور اب وہ چلے گئے

فکر نہیں کرو صبح تک آجائیں گے ویسے تم نے اتنا زیادہ سفر نیچے کیسے طے کر لیا۔

رسی کو Repelled کر کے

وہ کیا ہوتا ہے؟

تمارا سر ہوتا ہے وہ زور سے چلائی۔

مجھ پر کیوں غصہ ہو رہی ہو میں سارا دن یہاں اکیلا پڑا راگا پوشی کا چہرہ دیکھتا رہتا ہوں شاید تم سے زیادہ سفر کر رہا ہوں وہ خفا سا ہوا

تم غلط وقت پر غلط بات کیوں کرتے ہو بجائے سوری کے اس پر چلائی۔

اچھا تم نیچے اترنے کی کوشش کرنا۔

جیسے مجھے معلوم نہیں خدا کے لیے احمت یہاں حالات بہت خراب ہیں برف

بہت پڑی ہے اور افق زخمی پڑا ہے ہم مزید رسی سے نہیں اتر سکتے ہمت نہیں ہے وہ چلائی۔

اچھا ہمت نہیں ہارو وہ صبح تک آجائیں گے تم بس دو گھنٹے بعد گرم پانی کا کپ پی لو

پتہ ہے مجھے تم دنیا کے واحد ڈاکٹر نہیں ہو اس نے ریڈیو بند کر دیا۔

وہ سب سے رابطہ کر چکا تھا جہاں تک ہو سکا مگر پریشے کو لگا کے احمت اور فوج کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ غصے سے ریڈیو واپس رکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

پاکستان آرمی سے اتنا نہیں ہوتا کے۔۔۔۔

آرمی نے ہماری منت نہیں کی تھی کے اگست میں راگاپوشی جاؤ ہماری غلطی ہے وہ ہمارے لیے جو کر سکے کیا وہ تیز تیز بولتے کھانستے واپس برف سے ٹیک لگا لی۔ یہاں سوچنا بھی مشکل کام تھا تازہ برف پڑ رہی تھی

وہ شرمندہ ہوئی شاہد خالص پاکستانی تھی اس لیے جلدی بدگمان ہو جاتی تھی۔

اب ان کو یہاں پناہ چاہیے تھی جو صرف دیوار پر جمی برف دے سکتی تھی اس نے تھکن کے باوجود تیز ہاتھوں سے برف کھودنے لگی برف اس کے چہرے بالوں میں پھنسنے لگی۔

پورا دن افق کو سہارا دینے سے اس کی کمر میں شدید درد تھا۔ وہ اسی دیوار سے بندھا آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا سو رہا تھا یا کچی آنکھیں تھا پریشے نے اسے جگایا۔

اٹھ جاؤ میں نے ہم دونوں کے لئے ایک زبردست اپارٹمنٹ تیار کیا ہے زرا موسم ٹھیک ہو جہاں سے پورا قراقرم نظر آتا ہے۔ اب ہمیں اس میں شفٹ ہونا ہے دیکھو دار دو میں نے کیسے اکیلے سب کر لیا۔ وہ پہلی خوشگوار بات تھی جو اس نے نہایت ناخوشگوار ماحول میں کہی تھی افق کی رسیاں کھولنے لگی یوں لگتا ہے میں نے تمہیں یہاں اغوا کر کے رکھا ہوا ہے وہ اپنی بات پر خود ہی ہنس رہی تھی وہ اسے غنودگی کی حالت میں حیرانی سے دیکھ رہا تھا اسے شک گزرا کے پریشے کا دماغ خراب ہو گیا کہاں اتنا پریشان اور اب اتنی خوش اس کی حس مزاع جھاگ اٹھی۔

وہ افق کو نہیں احساس دلانا چاہتی تھی کہ انہیں اس چھوٹے سے برف کے سراغ میں زندہ رہنا ہے رو رو کر نہیں تو ہنس ہنس کر جی لیں۔

اس نے سرنگ ایسی نبنائی تھی جیسے ٹی سی سکین کے لیے مریض کو لیٹایا جاتا ہے اس میں ان دونوں کو رہنا تھا وہ بس اتنی تھی کے دو آدمی کمر ٹیکا کر ٹانگیں پھیلا کر گھس سکتے تھے برف سے انسان کو صرف برف بچاتی ہے جیسے ہیرے کو ہیرا کاٹتا ہے اسی طرح برف گرمی حرارت بھی پہنچاتی ہے اس کی تاثیر گرم ہوتی ہے اگر ان کے پاس دو سلیپنگ بیگ ہوتے تو اسے غار نہ کھودنی پڑتی۔ ورنہ اسی میں گزارہ ہو جاتا ایک بیگ ان کا برف فشار نے چھین لیا تھا وہ مشکل سے افق کو اس میں لائی اس کو لٹا کر پاس بیٹھ گیا افق کے شوز والے پاؤ غار سے تھوڑا باہر تھے برفانی غار ایسے تھا جیسے کسی نے فریزر کے اوپر ڈال کر اگے سے ڈکن کھولا ہوا ہے ایسا لگ رہا تھا وہ پرانے وقتوں میں چلی گئی ہے جب لوگ غاروں میں دیتے تھے

یہ سب سوچتے اسے جلد نیند آ گئی۔ خواب میں اس نے خود کو قدیم زمانے میں پایا۔ وہ لکڑ ہارے کی بیٹی ہے وہ ایک ذخمی سپاہی کو غار میں چھپا کر بیٹھی ہے دشمن اس کی تعاقب میں ہیں گھوڑوں کے بھاگنے کی آواز اس کے سر پر ہتھوڑے برسا رہی تھی اس کی آنکھ کھلی قدیم کا سارا رومانس غائب تھا اور جو گھوڑوں کا شور تھا وہ طوفان کا تھا۔ برفانی غار رات سے اب قدرے گرم تھی۔ وہ دوبارہ بیٹھے بیٹھے سو گئی افق بھی ساتھ سو رہا تھا۔ فرق یہ تھا افق چھوٹے بچے کی طرح اس کے گھٹنے پر سر رکھا تھا وہ گہری نیند میں واقعی ہی معصوم بچہ لگ رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر کی گڑ گڑاہٹ اس کے جینے کے لیے کافی تھی وہ آتے ہی ہوں گے دور تک دھند میں اس کی نگاہ انہیں کھوج رہی تھی وہ دل کو تسلی دے رہی تھی مگر زمین سے انہیں بچانے کوئی نہیں آیا تھا۔

دونوں جانے کتنے گھنٹے اس غار میں ٹھہر ٹھراتے رہے جو غار کم اور برف کا تابوت زیادہ لگ رہی تھی۔

افق اٹھ گیا تو اس نے چائے بنا کر خود بھی پی اسے بھی دی۔ چائے کیا تھی شکر کے بغیر قہوہ تھا۔ افق نے دونوں ہاتھوں سے تھام کے کہنوں کے بل ہو کر گھونٹ گھونٹ کر کے گلے سے اتارا خالی کپ کر کے سائیڈ میں رکھ کر پھر سے پریشے کے گھٹنے پر لیٹ گیا۔

پتہ نہیں کیا وقت تھا کیا تاریخ تھی حساب بھول گیا

پری افق نے اسے پکارا. ساتھ دور چند انچ دیکھ رہا تھا سو رہی ہو؟

نہیں سو نہیں رہی بس یوہی تھک گئی ہوں اس نے بند آنکھوں سے جواب دیا

پری میری جان بچانے کا شکریہ۔ تم نہ ہوتی میں مر گیا ہوتا۔ تم نہ ہوتے تو میں شاید مر گئی ہوتی وہ کرب سے مسکرائی

پھر کتنے پل خاموشی چھا گئی

پری سو گئی ہو اس نے پھر پوچھا؟

نہیں آواز بے حد ہلکی تھی۔

پھر بولتی کیوں نہیں ہو مجھ سے باتیں کرو۔ تا کے مجھے لگے میں جہاں برف تابوت میں اکیلا نہیں ہوں وہ اس وقت ڈرا ہوا بچہ لگ رہا تھا شوخ چنچل افق سے اس طرح کی امید نہیں تھی

کیا بولوں تمہیں درد ہو رہا ہے ؟

ہر وقت یہی پوچھتی ہو

اور کچھ سوجتا ہی نہیں

غار میں ایک بار پھر خاموشی

وہ کافی دیر کچھ نہیں بولا تو پریشے نے آنکھیں کھول دیں

وہ اسی طرح لیٹے چھوٹی سی تصویر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ حناوے مر چکی تھی مگر اس کے ہاتھ میں ایسے دیکھ کر اس کے اندر درد کی ٹیس اٹھی۔

پری اس کی آواز بہت دھیمی تھی تم نے کل یہ کیوں کہا تھا میں تمہیں حناوے سمجھتا ہوں میں نے تمہیں کبھی حناوے نہیں سمجھا تم پریشے ہو تم کبھی حناوے ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ اسطرح بے ربط فقرے ایسے نہیں بول رہا تھا گرم چاہئے کی بخشی توانائی تھی۔ وہ جواباً کچھ نہیں بولی کیوں کہ اب افق نے سب خود بولنا تھا۔

جانتی ہو لوگ کے ٹو کو سفاک پہاڑ کہتے ہیں بالکل ٹھیک کہتے ہیں وہ راگاپوشی کا نہیں کے ٹو عاشق تھا قراقرم میں رہنے والے شاہگوری بولتے ہیں اب میرے لیے اس کا نام لینا بھی تکلیف رے ہے وہ کہتے کہتے کھانسنے لگا کھانسی رکی تو کہنے لگا حناوے میرے چچا کی بیٹی تھی بہت خوبصورت

بہت مکمل اور بہت آرٹیفیشل۔ اس کی پرفیکشن کے متعلق تو تم تصور بھی نہیں کر سکتی ہمیشہ ٹپ ٹاپ میں رہتی تھی بنی سنوری فل میک آپ بہت آزاد خیال تھی ہمارے درمیان بہت فرق تھا آزار خیال نہیں روشن خیال ہوں اور بھی کئ فرق تھے وہ جیسے زہن پر زور دے کر یاد کر کے بتا رہا تھا۔ ہمارے خیالات کبھی نہیں ملے وہ مجھے بہت اختلافات کرتی تھی غالباً افق لڑتی تھی کہنے سے احتراز برت رہا تھا۔ وہ ہر بات سے مرضی کرنے والے لوگ ہوتے ہیں نا وہ بھی ان میں سے تھی ہماری شادی کے چار سال ہوئے تھے دو سال بدترین سال تھے وہ امرات سے آئی تھی وہی جانا چاہتی تھی اور میں ترکی میں اپنے والدین کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا

احمت کو بچپن سے بھانڈا پھوڑنے کی عادت ہے ہو سکتا ہے آپ کو سیدھا لگتا ہو میں اسے اٹھائیس سال سے جانتا ہوں وہ میرا ہمسایہ بھی اور دوست بھی ہے احمت انتہائی تیز اور عقل مند ہے وہ جان بوجھ کر بھانڈا پھوڑتا تھا شکل کے بھوپن سے لگتا نہیں ہے ایسا۔ ہاں زندگی میں پہلی بار اس نے حناوے کے سامنے اپنا منہ بند رکھا تھا

قراقرم اور ہمالیہ کی پریوں کی بات اس نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی مگر نقصان ہو چکا تھا حناوے نے پریوں کے متعلق سن کر اعتبار نہیں کیا مجھے ہر پل طعنے دیتی۔

طوفان اب بھی ویسا ہی تھا پریشے نے پوچھا پھر شادی کیوں کی تھی اس سے؟

میری ماں کی خواہش تھی کہ میں ایک کلائمبر ہوں اور ایک کلائمبر کے ساتھ خوش ہوں گا حناوے بہت زبردست امریکن کلائمبر تھی اس سے پہلے میری

میری زندگی میں ایک لڑکی آئی تھی میری کلاس فیلو ہری مجھے گمان گزرا کہ وہ میری آئیڈیل ہے اس کے ساتھ چھوٹا سا افیئر بھی چلا تھا مگر وہ میری آئیڈیل نہیں تھی یونہی ایک کرش تھی میں کوئی بہت فلمی ہیرو نہیں ہوں ۔جس کی اٹھائیس سالہ زندگی میں کوئی لڑکی نہ آئی ہو چھوٹے موٹے افیئر سب کی زندگی میں ہوتے ہیں پھر حناوے آئی میں اپنی جستجو میں ناکام ہو گیا سوچا نارمل انسان کی طرح رہنا چاہیئے وہ مرتی نہ بھی تو شاید اب تک ہماری علیحدگی ہو چکی ہوتی میں اسی لیے کچھ اچھا برا سننا پسند نہیں کرتا

غار میں ایک بار پھر خاموشی

افق وہ کچھ دیر بعد بولی کے ٹو پر کیا ہوا تھا؟ تم دو سال پہلے حناوے کے ساتھ سر کرنے آئے تھے ناں؟

کتنی دیر خاموش رہا اس کی آنکھوں میں درد کرب تھا

وہ بھی کے ٹو کو ڈیسنڈ کرتے بہت مشکل ہے وہ بھی جتنے لوگ جاتے بہت کم واپس آتے اسے قتع کر کے انا اسان نہیں پھر کھانسنے لگا اس کی توانائی ختم ہوتی جارہی تھی وہ بہت سخت طوفان تھا ناگا پربت راگاپوشی ایورسٹ سب جیسا ایک سا طوفان ہوتا ہے میرے ٹیچر کہا کرتے تھے کے ٹو پر طوفان آجائے سامان پھینک کر زندگی کو بچاؤ بس

میں اور حناوے ساتھ تھے اس کی آکسیجن ختم ہوگئی مجھے ایڈیما ہو گیا مجھے آکسیجن کی ضرورت تھی ماسک چہرے پر لگائے رکھتا تھا وہ ڈیتھ زون تھا آٹھ ہزار میٹر یاد نہیں بس میں نڈھال ہو کر گر گیا حناوے کو آکسیجن چاہیے تھی وہ بغیر اکسیجن کے بھی ڈیسنڈ کر سکتی تھی مگر اس نے میرا ماسک سب مجھ سے نوچ کر نیچے چلی گئی وہ میری ساتھی کلائمبر نہیں

تھی وہ میری بیوی تھی مگر پھر بھی اس نے ایسا کیا میں بغیر اکسیجن کے تین گھنٹے برف پر پڑا رہا کے ٹو کے طوفان کے دوران

حناوے نے کیمپ فور میں جا کر میرے متعلق بتایا کہ میں لاپتا ہو چکا ہوں مجھے دوسرے مہم کے گائیڈ نے اٹھایا اور نیچے لے آیا گرم چائے دی میرا ایڈیما بدترین ہو رہا تھا میں نیم مردہ تھا وہی گائیڈ مجھے اٹھا کر نیچے لایا جہاں منیجر عاصم نے مجھے پک کیا میرے ہاتھ فراست بائٹ ہو چکے تھے عاصم نے بہت جدوجہد کی دوستی کا حق ادا کیا مجھے وہ لمہ نہیں بھولتا میں برف میں مردہ پڑا تھا مرنے ہی والا تھا دور ہیلی کاپٹر کی نظر مجھ پر آئی میرا نیا جنم ہوا تھا

اور حناوے ؟

وہ ڈیسنڈ کے دوران کیمپ تھری میں برفشار کا شکار ہو گئی اس کی رسی ٹوٹ گئی تھی کیونکہ برفشار بہت تیز تھی وہ برف میں گم ہو گئی پھر حناوے کو کبھی کے ٹو نہیں دیکھا دفن کے لیے اس کی لاش بھی نہیں ملی

تم خواب میں بھی ڈر جاتے ہو نا؟

افق نے شاید کرب سے آنکھیں میچ لی

بس خواب پیچھا نہیں چھوڑتے جس مقام پر حناوے مجھے چھوڑ کر گئ تھی میں اس سے آکسیجن مانگتا نہیں دیتی پری میری آکسیجن بھی نہیں دی. اور مجھے برف پر مرنے کے لئے چھوڑ دیا میں خواب میں بھی دیکھتا ہوں تو درد سفاک شخص کوئی ہو سکتا جیسے وہ تھی۔

وقت گزر رہا تھا باہر برف غار کا منہ بند کرنے کی سعی کر رہی تھی

بس شام تک ہمارے ڈیسنڈ ہوتے ہی وہ آجائیں گے بس آتے ہی ہوں گے اس کی بے قرار نگائیں باہر دھند میں بھٹک رہی تھی انتظار کے لمبے طویل ہوتے جارہے تھے دنیا کا سب سے مشکل کام انتظار راگاپوشی پر اور بھی گھٹن تھا

شام تک آجائیں گے افق ڈونٹ یووری

پھر شام بھی آئی سیاہ رات بھی جن کو نہ آنا تھا نہ آئے

اس کا یقین ڈگمگا گیا مگر پھر بھی اپنی اور اس کی ڈار س باندھ رہی تھی رات گہری ہو رہی تھی انہیں بغیر کچھ تھا کھائے تیسرا دن تھا جو اپنے اختتام کو پہنچ رہا

ایندھن کی بھی ایک آخری بوتل بچی تھی۔ اس نے اسے ایسے تھما تھا جیسے خزانے کی کنجی بس ایک دن کے پانی کی گیس۔ پاؤں سے زمین اور سر سے آسمان کھینچ لیا جائے تو کیا حال ہوتا ہے آج علم ہوا جانے کب یہاں سے نکل کر تازہ آکسیجن میں سانس لیں گے۔ پریشے کے عصاب جواب دے رہے تھے افق بند آنکھوں سے مسکرایا

سو جاؤ ہیلی کاپٹر کے آتے ہی تمہیں اٹھا لوں گی۔ افق کو اس کی بات پر زخمی مسکراہٹ آئی جیسے پریشے یقین سے کہہ رہی تھی پھر وہ وہی نیند میں چلا گیا۔

اس کے سونے کے بعد اس نے ریڈیو نکال کر احمت سے رابطہ کیا

کیسی ہو ڈاکٹر وہ جیسے اس کی کال کے انتظار میں سویا نہیں پتہ نہیں کیسی ہوں میری ای میلز تو پڑھ کر سناؤ۔

اچھا سنو وہ لیپ ٹاپ کے سامنے ہی بیٹھتا تھا پہلی تو میری بیوی سلمی کی ہے لکھتی ہے پیاری پریشے جلدی سے عافیت سے نیچے آؤ۔ سلمی کو میری طرف سے جواب دو۔

وہ میں پہلے ہی دے چکا ہوں

کیا لکھا ہے؟

تماری طرف سے اپنا کریکٹر سرٹیفکیٹ دیا ہے اور کیا وہ ہنسا۔ اچھا یہ کسی کی سیف الملوک سے ای میل آئی ہوئی ہے

پریشے کے لبوں پر یکساں مسکراہٹ غائب ہو گئی سیف الملوک کو میں ان تین دنوں میں بھلا چکی تھی کیا لکھا ہے ؟

میں نے اور ندا آپا نے برائیڈل ڈرس اڈر کر دیا ہے ماموں کہہ رہے تھے کارڈ رمضان کے بعد چھپائیں گے اور ماموں پرسوں کے بجائے ایک ہفتے بعد آئیں گے۔ اب بس جلدی سے اپنا ایڈونچر ختم کر کے آؤ آنکھیں دیکھنے کو ترس گی ہیں۔

تمارا سیف

اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اس نے مشکل سے احمت کو بائے کہا اور ریڈیو بند کر دی۔

جیسے وہ آسان سمجھ رہی تھی کہ افق کو پاپا سے ملوا دے گی اور تین سال پرانی منگنی توڑ دیں گے تو بہت غلطی پر تھی۔ وہ کبھی بھی کسی غیر ملکی کو اپنے بھانجے پر ترجیح نہیں دیں گے۔ راگاپوشی کے لئے اجازت دے دی مگر یہ ان کی عزت کا مسئلہ ہے وہ اپنے پیار کے لیے اپنے باپ کے خونی رشتوں کو ختم نہیں کر سکتی تھی ادھر اس کی شادی کی تیاری عروج پر تھی ادھر یہ منگنی توڑنے کا سوچ رہی تھی وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی پاپا بے دلی سے مان بھی گے تو افق کبھی بھی اسے یہاں نہیں چھوڑے گا ساتھ ترکی لے کر جائے گا اسے جانا پڑے گا پیچھے پاپا اپنے رشتے داروں کے ہوتے بھی اکیلے

ہوئے بھی ویسے ہی اکیلے ہوں گے۔ جیسے وہ اس وقت ان ویران پہاڑوں میں اکیلی پڑی تھی۔وہ شخص اس کا باپ تھا وہ انہیں کوئی دکھ نہیں دے سکتی تھی۔وہ بروکے خطرناک گلیشئر سے لڑ سکتی تھی وہ اپنے رشتے داروں کی منگنی توڑنے کے بعد کی ممکنہ بلیک میلنگ سے ہار گئی تھی۔رات میں اس برفانی غار میں بیٹھے اسے افق اور اپنے باپ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔اس نے ایک نظر گہری نیند اس کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو رہا تھوڑی تھوڑی دیر بعد کراہتا شاہد زخم ناسور بنتا جارہا تھا ناقابلِ برداشت تکلیف دے رہا تھا اس نے ٹوپی پہن رکھی تھی مگر بھورے بال اس کے ماتھے پر پڑے تھے باہر چاند نہیں تھا روشنی نہ ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی

وہ زیرِلب بڑبڑائی اور آنکھیں موند لی۔اس نے اپنا انتخاب کرلیا تھا۔

تم مجھے بہت دیر سے ملے ادق ارسلان۔کاش پہلے ملے ہوتے آنسو اس کی پلکوں سے نیچے گرنے لگے۔۔

©©©©©©©©©©©©©©©©©

#گیارہویں_چوٹی_

کسی دھماکے کی آواز نے اسے جگایا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ وہ غار میں تنہا اس کے گھٹنے پر بوجھ نہیں تھا۔ افق کہاں گیا او میرے اللہ وہ چکرا کر رہ گئی اور تیزی سے رینگتی ہوئی باہر آئی۔ وہ غار کے دائیں طرف کچھ قدم دور بیٹھا تھا۔ اس نے زخمی ٹانگ برف پر لٹا رکھی تھی۔ برف کی دیوار سے ٹیک لگائے سامنے دیکھ رہا تھا

تم ادھر کیوں بیٹھے ہو؟ اس کے ساتھ ویسے ہی دوزانو ہو کر بیٹھے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ برستی برف کے ٹکرے اس کے کپڑوں ٹوپی اور سر پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ طوفان اب تھمنے کو تھا مگر برف بے حد خراب تھی اب بھی اسے کسی برفشار کے گرنے کی آواز نے جگایا تھا۔

نہیں بیٹھ سکتا اس قبر میں نامور۔۔۔۔۔ نامور۔۔ اسکی سانس رک رہی تھی کل کے مقابلے میں آج اس کے چہرے سے کمزوری نظر آ رہی تھی اس کی توانائی ختم ہو رہی تھی وہ اندر ہی اندر مر رہا تھا۔

تمہیں درد ہو رہا ہے؟؟

ہاں۔ وہ جھوٹ بول بول کر تھک گیا تھا جانے کب سے باہر بیٹھا تھا پلٹ کر اس نے نگاہ غار پر ڈالی وہ واقعی ہی برفانی قبر لگ رہی تھی۔

تم فکر نہیں کرو صبح ہونے والی ہے وہ لوگ آنے والے ہوں گے دھند میں دور تک نظر گئ ہیلی کاپٹر کو نہ پا کر مایوس لوٹ آئی۔ صبح کی روشنی سے قراقرم کے پہاڑ منور تو ہو گئے تھے مگر دھند کے باعث سورج کا نام ونشان نہیں تھا اس کی نظر افق کے ہاتھ میں سرخ مفلر پر پڑی

اس مفلر کے ساتھ اس کے بہت ملے یاد آرہے تھے وہ سب اب صدیوں پرانی لگ رہی تھی۔برف میں ڈوبے پہاڑوں کو دیکھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر بہت روئے اس کے آنسو راگاپوشی کی ساری برف پگھلا دیں پھر وہ تھک کر سو جائے اٹھے تو ساری مشکلات ختم ہوئی ہوں۔وہ جاگے تو گھر ہو اور سوا تجیسا ہستا مسکراتا افق اس کے سرانے کرسی پر بیٹھتا ہو مگر سوچ اور حقیقت میں کتنا فرق ہے؟

اس نے اپنے منجمند ہاتھوں سے افق کے ٹھنڈے ہاتھ تھام لیے۔دونوں کے ہاتھ دستانے میں لیغ تھے۔ایسے لگ رہا تھا برف کے ٹکڑے اوپر نیچے رکھے ہوئے ہیں۔

جب میں چھوٹی تھی تو ایک کہانی بہت شوق سے پڑھا کرتی تھی دنیا کا بہادر شہزادہ پہاڑوں کی چوٹی پر قید شہزادی کو بچانے جاتا ہے شہزادی نگاہیں جمائے کسی شہزادے کے انتظار میں ہوتی ہے پھر شہزادہ اس پہاڑ پر جاتا ہے اور ----

وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہوگئی اب افق گردن موڑ کر اسے بغور دیکھ رہا ہے

میری ماما میرا راز تھی مجھے ہر طرح سے بچالیتی پاپا پاسے بھی اب وہ ہوتی تو ڈھال بن جاتی مگر اب وہ نہیں ہیں ۔۔وہ ادھوری باتیں کر رہی تھی

فکر کیوں کرتی ہو خود ہی تو کہتی ہو وہ آجائیں گے جیسے فلموں میں بچالیا جاتا ہے پھر میں تمہارے پاپا پاس جاؤں گا۔

کیوں جاؤگے؟؟اس کی نگاہ ٹوٹی برف پر تھی

تم میرے منہ سے کیا سننا چاہتی ہو وہ باوقت بول پڑا

کچھ نہیں کچھ بھی تو نہیں اب کچھ سننے کی حسرت نہیں رہی

پری پریشان مت ہو۔ ہم سب کو منالیں گے پھر میں تمہیں ترکی لے جاؤں گا۔

اور...وہ کھانسے کو رجا.

"مجھے خواب مت دیکھاؤ افق. "اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں. "خواب نہیں چاہئیں. یہ ٹوٹ کر ساری عمر آنکھوں میں کرچیوں کی طرح چبھتے رہتے ہیں. آنکھیں زخمی ہوتی ہیں روح بھی زخمی ہو جاتی ہے. مجھے خواب مت دکھاؤ". سفید دھول نے نیچے حرفت ہوئے زمین کا بڑا حصہ اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا.

"پری !تم" ....

"نہیں افق.....ابھی تم صرف میری سنو. میں ساری رات ٹھیک سے سو نہیں سکی. میں افق انشا تم ہم سب غلط تھے. بابا نے دس لوگوں کے سامنے میری منگنی کی ہے. میں وہ منگنی توڑ کر ان کو دکھ نہیں دے سکتی. میں ایسا کوئی رشتہ نہیں بنانا چاہتی جس کی بنیاد پر پرانے رشتے قبروں میں ہوں. میں نے ایک فیصلہ کیا ہے. میری بات غور سے سنو.

تم مجھ سے آج اس برفانی غار کے باہر بیٹھے ایک وعدہ کرو. راکاپوشی گلیشیئر یہ برفانی برفشار اور یہ گرتی برف اس عہد کی گواہ ہو گی. محض سے وعدہ کرو کہ یہاں سے نکلتے ہی تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ گے. ہمیشہ کے لیے ترکی

واپس چلے جاؤ گے. اور پری کے لیے کبھی واپس نہیں آؤ گے پری اب سونے کے پنجرے سے آزاد نہیں ہونا چاہتی" .

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا. "بس؟ صرف اپنے بارے میں سوچا سو دفیصلہ سنا دیا؟ میرے بارے میں کچھ نہیں سوچا؟"

"تمہیں واقعی لگتا کے تمہارے بارے میں کچھ نہیں سوچا؟ ہر طرف خاموشی بالکل سکوت تھا جیسے برفشار کبھی آیا ہی نہ ہو.

افق نے گردن نفی میں ہلائی اور دوبار سر پیچھے ٹکا کر آنکھیں موند لیں. "جو تم کہو میں وہ کروں گا." وہ ہار مان گیا تھا. اتنے مختصر الفاظ میں فیصلہ صادر کر کے پریشے نے اس کے لیے کوئی انتخاب نہیں چھوڑا تھا.

مگر پری...... تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا." وہ پھر کتنی ہی دیر چپ رہا اور بولا. اس میں مزید بولنے کی سکت نہیں تھی.

برف کے تینوں ٹکڑوں نے ابھی تک ایک دوسرے کو تھاما ہوا تھا. پھر پریشے نے درمیان میں پھنسا وہ سرخ کپڑا نکالا ترکی کا جھنڈا جسے کئی دن تک مفلر سمجھتی رہی تھی. اسے

نکالا اور سرخ مفلر جھاڑا. برف کی قلمیں نیچے گریں. وہ بے حد گیلا تھا. ان دونوں کے کپڑوں کی طرح گیل.

پھر اس نے غار کے دہانے کے قریب برف چند انچ گہری کھودی سرخ مفلر اندر دبایا اور اوپر برف ڈالنے لگی. چند لمحوں بعد کپڑا برف کی تہوں تلے چھپ گیا.

بس اب یہ ہمیشہ ادھر ہی رہے گا. غار کے دہانے پر برف برابر کرتے ہوئے وہ بہت پیار سے بولی جیسے کوئی اپنی بے حد قیمتی شے محفوظ کرنے کے لیے دفن کرتا ہے.

جانتے ہو افق! قطبین کے بود.... دنیا کے سب سے بڑے گلیشیر میرے ملک میں ہیں.

جنہیں فور ہسپار, بلتورہ کہتے ہیں. یہ گلیشیر اب تیز سے پگھل رہے ہیں. میں سوچتی ہوں آج سے دس بیس سو سال یا پھر سینکڑوں ہزاروں سال بعد جب یہ گلیشیر پگھل جائیں گے پھر ایک روز ایسے آئے گا جب قراقرم کے پہاڑوں پر سورج بہت روشن طلوع ہو گا جس کی روشنی سے راکاپوشی کی صدیوں پرانی جائے گی اور پھر "برو" میں دفن یہ مفلر اور قراقرم کے محل میں دبی داستان نگر کے دریا میں بہ جائے گی پھر جہاں جہاں نگر بہے گا اس کے ساتھ پڑے پتھر پتھروں سے دور اگے درختوں پر پھدکتی نیلی چڑیاں اور اس سے اوپر سیاہ پہاڑوں کی سفید چوٹیوں کو چومتے روئی سے نرم بادل بادلوں کے درمیان چمکتی سورج کی سرخ شعاعیں اور ان سب کے اوپر چھایا آسمان سب نگر کے دریا میں والی داستان کے نغمے سنیں گے پھر نگر جس وادی میں جائے گا جس دریا کے ساتھ ملے گا ہنزہ جہلم اور نیلم کے دریاوں میں ہر سو وہ داستان خاموشی سے سنائی جائے گی. کبھی تو نگر کا پانی اس پر چڑھی چاندنی کی تک سوات کے مرغزاروں میں اس جھرنے کے قریب پہنچے گی وہ جھرنا جس کے پہاڑ پر کبھی بیٹھا کرتے تھے جہاں اداس چڑیا گیت گاتی تھی کسی کی روٹھی محبت کی نارسائی کے کسی کی جدائی کے..... تب وہ چڑیا ہمارا کہانی سیاحوں کو سنایا کرے گی. وہ جو اس جھرنے کے پانی اور پانی میں پڑے سرمئی پتھروں کے نیچے بہت پہلے سے دبی ہو گی.

افق اور پری اور کوہ پیما کی کہانی.... ہوں کبھی تو راکاپوشی کی برف پگھلے گی اور برف میں دبی کہانی اس دریا میں بہہ جائے گی".

اتنی مدھم سرگوشی میں کہہ رہی تھی کہ اسے یقین بھی نہیں تھا کہ وہ سن رہا ہے.

"اس مفلر کو یہیں رہنے دو. یہیں قراقرم کے تاج محل میں سونے دو. جانے اس کی دیواروں

اور کتنے پیار کرنے والوں کی یادیں رقم ہیں، ایک اور سہی" وہ خود سے بڑبڑائی-

برف ویسے ہی اس کے اوپر اور آس پاس گرتی رہی- دھند کبھی بڑھتی' کبھی گھٹتی' پریشے خاموش تھی- افق خاموش تھا- قراقرم کے پہاڑ خاموش تھے-

سورج تب بھی نہیں چمکا جب اسے سوا نیزے پر ہونا چاہیے تھا- پھر سفید سی دھند چھٹ گئی اور شام کا نیلگو اندھیرا قراقرم کے پربتوں اور ان کی دیوی کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا-

ہر دو گھنٹے بعد پانی کی آدھی پیالی اس کی ضرورت تھی مگر اس ڈھلتی شام میں اندازا دو ڈھائی گھنٹے بعد اس نے چولھا جلایا تو وہ ٹھنڈا پڑا رہا- اس نے فیول کی آخری بوتل ہلائی وہ خالی تھی' اس نے ٹرانسمنٹ بٹن دبایا وہ بھی مردہ تھا' اسکی بیٹری مر چکی تھی' دوسری بیٹریاں افق کے بیک پیک میں کہیں بہت اوپر برف میں دفن تھیں-

کہر میں ڈوبے دھیو کیل جامنی پہاڑ اپنے چہروں پر سفید چادر تکا بکل مارے خاموشی سے دیکھتے رہے- ان پہاڑوں کے اس پار بھی میلوں دور تک پہاڑی سلسلے تھے- وہ ان کی اوٹ میں بے قرار منتظر نگاہوں سے کسی کی راہ تک رہی تھی-

گیس تھی' نہ پانی' خشکی اور سردی کے باوجود اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے' بغیر پانی اس کے پاس زندگی کے بس چند آخری گھنٹے رہ گئے تھے' وہ کپکپا بھی نہیں رہی تھی' کپکپانے سے گو کہ اس کا جسم ایک دو لمحہ کے لیے گرم ہو جاتا مگر اس اضافی حرکت سے اس کی دسترس میں موجود چند آخری گھنٹوں میں کمی ہو جاتی' کانپنے کے لئے توانائی خرچ ہوتی اور اسے توانائی بچانا تھی' چند گھنٹوں کی مہلت کو کھینچنے کے لیئے۔۔۔ چند منٹ مزید حاصل کرنے کے لئے۔۔۔ زیادہ سے زیادہ زندگی کا ایک دن مزید گزارنے کے لئے۔۔۔

"بس وہ آتے ہی ہوں گے رات کی تاریکی پھیلنے سے پہلے وہ آتے ہی ہوں گے۔ ہمیں اب آیک اور سفید رات نہیں گزارنی پڑے گی۔" اسکی متلاشی نگاہیں دور پہاڑوں سے ہو کر بار بار واپس آ رہی تھیں۔

"سب کہاں چلے گئے؟ کرنل فاروق آپ نے تو کہا تھا آپ ہمیں لینے آ جائیں گے' آپ کدھر رہ گے؟ میرے اللہ انہیں جلدی بھیج دو ورنہ ادق ل

مر جاے گا۔ وہ بضیر پانی کے سفید رات میں مر جائے گا۔" وہ پھر سے رونے لگی۔

برف باری پھر سے شروع ہو گئی یوں جیسے وہ کبھی ختم نہیں ہو گی۔ پریشے نے امید کا ٹمٹما۔۔

آنکھوں میں سجائے دھند میں لپٹے آسمان پر دور تک نگاہ ڈالی۔ اس کی پلکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

"کوئی ہے؟" اس نے زور سے چلا کر کہا۔ "کوئی ہے جو ہماری مدد کرے' ہمیں اس برفیلے پہاڑوں سے نکالے؟ خدا کے لیے کوئی تو آئے ورنہ ادق مر جاے گا۔" اسکی آواز پہاڑوں میں گونجی اور ٹکرا کر واپس آ گئی۔

"مت کرو وہ آتے ہی ہوں گے۔" بند آنکھوں سے وہ بڑبڑایا۔

پریشے نے نفی میں سر ہلایا اور نڈھال سی ہو کر پیچھے برف سے ٹیک لگالی اور آخری بار دعا کی کوئی آجائے' مگر راکاپوشی پر تو دعائیں بھی قبول نہیں ہوتی تھیں۔

"وہ نہیں آئیں گے افق' کبھی نہیں' ہم نے جانے کتنے دن ان کا انتظار کیا' مگر وہ نہیں آئیں' اب وہ نہیں آئیں گے۔ یہاں سے ہمیں نکالنے کوئی نہیں آئے گا۔ ہمیں ادھر ہی مرنا ہے' آہستہ آہستہ دھیرے دھیرے۔۔۔"

اس نے آنکھیں بند نہیں کیں' بس پھترائی آنکھوں سے دھند میں تقریباً سو میٹر تک نظر جمائے سرمئی سے سفید پن کو دیکھتی رہی۔ پھر برف باری اور تیز ہوگئی تو اس کا پینوراما اور چھوٹا ہوتا چلا گیا۔ طوفان کئیں گھنٹے ہوئے تھم چکا تھا۔ لمحے بھی تھم چکے تھے۔ لوگ کہتے ہیں وقت نہیں ٹھہرتا مگر تو ماز ہومر کہا کرتا تھا' بعض اوقات وقت بھی ٹھہر جایا کرتا ہے۔

زندگی میں چند لمحے ایسے آتے ہیں جب وقت رک جاتا ہے' گھڑیاں جم جاتی ہیں۔

تب کوئی گزرا کل اور آنے والا کل نہیں ہوتا۔

تب صرف آپ ہوتے ہیں اور آپ کی تنہائی۔

وقت کی تفریق اور حساب ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

آپ عجیب سے ٹائم' ٹائم لیس میں پھنسے ہوتے ہیں، جو در حقیقت وہاں ہوتا ہی نہیں ہے۔

ان لمحوں میں پوری کائنات رک جاتی ہے۔

راکاپوشی پر بھی وقت ٹھہر گیا تھا۔

وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی تھی' نہ وہ سوچ پا رہی تھی' نہ وہ وقت کا حساب رکھ پا رہی تھی۔ کتنے بجے تھے' رات کا کونسا پہر تھا' اس کی یادداشت نے کام کرنا ترک کر دیا تھا۔ ہاں بس اسے نیند آ رہی تھی' وہ گہری میٹھی نیند سونا چاہ رہی تھی مگر اسے اپنے لبوں کی قید سے آزاد ہوتے۔۔

الفاظ ہوا میں تحلیل ہوتے سنائی دے رہے تھے۔

"سونا نہیں افق...... سونا نہیں۔ اگر ہم سو گئے تو پھر کبھی نہیں جاگیں گے"۔

وہ سونا چاہتی تھی، نیند، تھکاوٹ اور پیاس سے اس کا برا حال تھا مگر دور اندر کوئی اسے جھنجھوڑ کر اسے جگائے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اسے کہہ رہا تھا کہ وہ نہ سوئے۔ ہاں اندر سے وہ بھی جانتی تھی کہ اگر وہ اس رات سو گئی تو پھر کبھی نہیں جاگے گی۔ اسے سونا نہیں تھا، خود کو اور افق کو جگائے رکھنا تھا۔ وہ وہی الفاظ بار بار کسی غیر ارادی عمل کے طور پر دہراتی، جانے کب اس دنیا سے، سردی اور دھند کی اس دنیا سے اس دنیا میں چلی گئی جہاں کوئی درد، کوئی تکلیف، کوئی خیال، کوئی ذہنی کشمکش، کوئی زماں اور مکاں کی تفریق نہ تھی۔ وہ دنیا، زمان و مکان کی قید سے آزاد تھی۔ وہاں مکمل خاموشی اور سکون تھی۔

وہ سو گئی تھی۔

..........................*

پیر، 22 اگست 2005ء

اس کے ذہن میں اندھیرا تھا۔ سماعتوں میں کوئی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی مگر نگاہوں کے سامنے گہری تاریکی چھائی تھی۔ کمر کے پیچھے برف کی دیوار وہ محسوس کر سکتی تھی پھر اس کی آنکھوں سے تاریکی چھٹنے لگی اور گہرا نیلاہٹ بھرا اندھیرا ان میں بھرنے لگا۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک دفعہ، دو دفعہ، تین دفعہ پھر کئی دفعہ۔ منظر قدرے واضح ہوا تو سامنے دور دور تک پھیلے سلسلہ قراقرم کی جامنی چوٹیوں کی برف نیلگوں روشنی میں چمک رہی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ دھند چھٹ چکی

تھی- گہرے نیلے آسمان پر ستارے بکھرے تھے- جھلملاتے, ہر سو بکھرے چمکتے ستارے- پہاڑوں سے بہت اوپر بہت اوپر تیرتے بادلوں کے پیچھے سے نارنجی شوعائیں جھانک رہی تھیں-

راکاپوشی پر صبح اتر رہی تھی-

گھومتے سر اور چکراتے ذہن کے ساتھ اس نے دونوں ہاتھ برف پر رکھ کر زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی- وہ بامشکل گھٹنوں پر زور دے کر کھڑی ہو پائی- اس کی ٹانگیں جم کر سن ہو چکی تھیں- دماغ پوری طرح ماؤف تھا- افق وہیں بیٹھا تھا- اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ جاگ رہا تھا- پریشے کو کھڑے ہونے کی کوشش کرتے دیکھ وہ مسکرایا-

جلد اتنی خشک ہو چکی تھی کہ مسکراتے ہوئے کھنچنے سے جگہ جگہ سے نکلنے لگتے-

پریشے نے بے یقینی سے خود کو اور پھر اسے دیکھا- وہ زندہ تھی- وہ اب تک مری نہیں تھی اور اب بھی شاید کسی کے پکارنے پر اٹھی تھی- کس نے پکارا تھا اسے؟ اس نے سامنے پھیلے پہاڑی سلسلے پر نظر دوڑائی- دور ان پہاڑوں کے درمیان سے آواز آرہی تھی- برفانی طوفان کے چنگھاڑنے کی آواز مگر وہ طوفان کی آواز نہیں تھی- وہ کوئی دھبا سا تھا, جو ان کی جانب بڑھ رہا تھا- اس نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا- دھبا بڑا ہوتا جارہا تھا- سبز رنگ, درمیان میں چمکتا چاند ستارہ.......

"افق اٹھو... وہ آگ ئے ہیں-" وہ ایک دم زور سے پھٹی آواز میں چلائی- اس کی بے حد خشک جلد سے خون نکلنے لگا مگر وہ پرواہ کیے بغیر اس سبز ہیلی کاپٹر کو دیکھتے چلانے لگی, جو فضہ کا سینہ چیرتے ہوئے ان کے قریب پہاڑ کے سامنے کی جانب بڑھ رہا تھا-

افق اٹھو........ میں نے کہا تھا نہ وہ آجائیں گے- وہ آ گئے ہیں- وہ خوشی سے رونے لگی تھی- وہ ہمیں چھوڑ کر نہیں. گئے......... دیکھو سامنے وہ آ گئے ہیں-

وہ کھڑی تو تھی ہی, اب اس نے پوری قوت سے دونوں بازو ان کی جانب ہلائے پھر منہ کے گرد ہاتھوں کا پیالا بنا کر ان کو آواز دینے لگی-

"ہیلپ........ ہیلپ-" وہ انہیں دونوں ہاتھوں کو ہلاتی اپنی جانب بلا رہی تھی- سبز ہیلی کاپٹر کی ایک جھلک نے اس میں جیسے نئی روح پھونک دی تھی-

ہیلی کاپٹر بہت چھوٹا سا تھا- اس میں دو سر مئی یونیفارم میں ملبوس پائلٹ بیٹھے تھے- ایک کے چہرے پر گلاسس تھے اور قدر درمیانی عمر کے دکھائی دیتے تھے- وہ ہیلی کاپٹر اڑا رہے تھے- وہ سمجھ گئی کے وہ کانل فاروق تھے- ان کا معاون پائلٹ نوجوان تھا اور اس کے چہرے پر گلاسس نہیں تھے- اس نے پریشے کو ہاتھ سے اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا-

چلو افق....... اٹھو- نقاہت کے باوجود اس نے افق کو کندھے سے پکڑ کر اٹھانا چاہا-

"تم جاؤ ان کے قریب-" بہ وقت تمام وہ بولا-

اس کی سمجھ میں نہیں آیا کے وہ کیا کرے-وہ افق کو چلنے کا کہہ رہی تھی اور وہ اسے آگے بھیج رہا تھا-دوسری جانب وہ معاون پائلٹ مسلسل اسے اپنی جانب آنے کا اشارہ کر رہا تھا-

جاوناں-افق نے بیٹھے بیٹھے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے دھکیلا پریشے نے اپنی حفاظتی

رسی کھولی پھر افق کی کھولنی چاہی۔وہ کھل کے نہیں دے

رہی تھی۔اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے اس نے چاقو نکال کر رسی کاٹنے کی کوشش کی۔اس کے اردگرد دستانوں پر برف گرنے لگی۔رسی کاٹنے کے ہی نہیں دے رہی تھی۔اس نے گردن موڑ کر بے چینی سے ہیلی کاپٹر کو دیکھا معاون پائلٹ نے اپنی طرف دروازہ کھول دیا وہ ہاتھ میں چھوٹا سا کیمرہ پکڑے مووی بنا رہا تھا۔

لرزتے منجمد ہاتھوں سے رسی کاٹ کر ہیلی کاپٹر کی طرف جانے لگی وہ جگہ کسی منڈیر کی طرح لگ رہی تھی۔

برف کا پل اصراط

وہ ہیلی کاپٹر کی جانب بڑی جو اس کے قریب ابھی تک چکر لگا رہا تھا اس کے پنکھے برف کے بہت قریب تھے مگر وہ وہاں لینڈ نہیں کر پا رہا تھا

پریشے کے قدم من من بھاری ہو رہے تھے

اس کو قریب آتے دیکھ کر مووی بنانے والے نے کیمرہ رکھ دیا اور بازو اس کی جانب بڑھایا وہ اس کو اندر آنے کا کہہ رہا تھا۔

پریشے نے اسے اور پھر پلٹ کر افق کو دیکھا جو اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اندر جانے کا اشارہ کر رہا تھا وہ واپس پلٹی مینیجر اسے اندر انے کا کہہ رہا تھا۔

میرا ساتھی زخمی ہے پہلے اسے اٹھاؤ وہ زور سے چلائی۔ مگر ہیلی کاپٹر کے بھاری پروں کی گڑ گڑ میں آواز دب جاتی۔

مینیجر بلال نے سمجھنے والے انداز میں کہا اور اندر انے کا اشارہ کیا وہ ایک پل لو ہچکچائی پھر اس کا بازو تھام لیا اور ایک ہی پل میں وہ ہیلی کاپٹر میں تھی۔

سر ہم گئے۔۔ سر ہم گئے کلمہ پڑھ لیں مینیجر بلال ہنس کر دروازہ ہیلی کاپٹر کا بند کر دیا

میرا ساتھی زخمی ہے اسے سہارہ دے کر لانا پڑے گا وہ چل نہیں سکتا اتنا شور تھا کہ وہ چیخ کر بھی بولے تو سنائی نہیں دیا مینیجر بلال نے اسے ہیڈ فون دیا

یو او کے میم؟ اسے پہن لیں

اس نے ہیڈ فون مگر پہنا نہیں۔ بس وہ پھٹی نگاہوں سے شیشے کے اس پار برف پر افق کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے سر برف پر رکھ کر انکھیں موندلی تھی۔ تب دفعتاً اسے احساس ہوا افق دور ہوتا جا رہا ہے۔ ہیلی کاپٹر ہوا میں بلند ہو رہا تھا اس کے اندر جیسے الارم سا بجا۔

وہ میرا ساتھی اسے بھی تو اٹھائیں مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ اس کی بے چین نگاہیں افق پر جمی ہوئی تھی وہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا وہ گردن کیوں نہیں سیدھی کر رہا۔ اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔

اسے مت چھوڑ کر جائیں مینیجر وہ زخمی ہے اسے اٹھالیں

جیسے جیسے ہیلی کاپٹر اوپر اٹھ رہا تھا پروں کی آواز اور زیادہ ہو گئی تھی۔ اس کے اگے والی سیٹ سے ایک پائلٹ بولا لڑکی چیخ کیوں رہی ہو؟

سر ان کو کوئی شاک ہے یا نفساتی اثر

وہ دوسرا لڑکا تمہارا خیال ہے وہاں ہے

آئی تھنک سر وہ مر چکا ہے

اچھا باڑی تو دینی پڑے گی ترک گورنمنٹ کو

شور بہت تھا اس کے کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے سر چکرا رہا تھا اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ دیے۔ وہ کیا کہہ رہے تھے سننا نہیں چاہتی تھی اس کی نظریں افق پر تھی وہ چیخ چیخ کر اس کہنا چاہتی تھی وہ آنکھیں کھولے اس جھنجوڑنا چاہتی تھی اس کو گھسٹ کر ہیلی کاپٹر میں لانا چاہتی تھی اس کو اپنا شور زور دار سنا۔

وہ زندہ ہے خدا کے لیے اسے بچا لو وہ زندہ ہے اسے پکارو وہ آنکھیں کھولے گا۔۔ مینجر بلال نے موڑ کر اسے دیکھا ہیڈ فون کی طرف اشارہ کیا پہن لو جو اسکی گود میں پڑا تھا اسے سنائی نہیں دے رہا تھا اس کی

آنکھوں کے اگے اندھیرا چھا گیا۔ گہرا سیاہ دھند

اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی پلکوں کی ادھ کھلی درازوں سے نیلا آسمان جھانک رہا تھا وہ کسی چیز میں لیٹی ہوئی تھی اور کچھ لوگ اس چیز کو حرکت دے کر کہیں لے جا رہے تھے اس سے آنکھیں نہیں کھول رہی تھی وہ چیخ چلا رہی تھی تم نے اسے مار دیا اسے مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

وہ پتہ نہیں کسی پر چلا رہی تھی سوئی کی نوک اسے چبھی پھر گہرا اندھیرا اور غنودگی تھی

کوئی اس کے بہت پاس محسوس ہوا دھمی خوبصورت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ کوئی اس کے بہت قریب تھا اس کے بالوں کو چھوا گرم سانسوں کی تپش اسے گردن پر محسوس ہوئی

اس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دی

وہ کسی ہسپتال کا کمرہ تھا سفید بستر سفید چھت سفد ساڑھی میں نرسیں اس نے اٹھنے کی کوشش کی اس نے دائیں طرف دیکھا جو تھوڑی دیر پہلے اس کے پاس بیٹھا تھا اب وہ وہاں نہیں تھا وہ بستر پر اکیلی تھی۔

Happy second birthday Dr parisha

دوسری زندگی مبارک ہو ڈاکٹر پریشے

اس نے دیکھا پاس ہی آرمی یونیفارم میں کرنل مبارک دے دیے رہا تھا

تھنک یو سر اس کو اپنا گلہ بیٹھا محسوس ہوا اسے زکام بھی تھا۔

کیسی ہیں لٹل بریو گرل

بالکل ٹھیک اس کے جسم میں اب کہیں درد نہیں تھا اس نے خود پر نظر ڈالی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔

مجھے کیا ہوا تھا؟

کچھ نہیں نفسیاتی جھٹکا تھا جو ظاہر ہے کسی ساتھی کے مر جانے پر ہوتا ہے

اس کی کلائی سوجی ہوئی تھی چھوٹے موٹے زخم بھی تھے۔

کسی ساتھی کے مر جانے کے الفاظ پر چونک گئ۔

مم میں بے ہوش تھی کیا کتنی دیر؟

تین دن تک اج 25 اگست میم وہ مسکرائے وہ مسکرا بھی نہیں سکی

تین دن میں کیسے بے ہوش رہ سکتی ہوں۔ آپ کو بے ہوش رکھنا پڑا

مینیجر بلال نے بتایا کہ سم فرینڈ ان راگا پوشی ان ڑائیڈ

ڑائیڈ؟ وہ سانس نہیں لے پائی

آپ کے انکل انٹی اور ایک کزن اسلام آباد سے آئے ہوئے ہیں۔

اسلام آباد سے؟؟ تو میں کدھر ہوں؟؟؟

آپ گلگت سی ایم ایچ میں آپ کو شاید یقین نہیں آپ زندہ بچ گئی آپ کا مونٹین کلامبنگ تاریخ کا۔۔۔۔۔

پلیز میرے کزن کو بلادیں میں نے اس سے بات کرنی ہے اس نے ان کی بات کاٹی اور آرام کرنے کا کہہ کر باہر نکل گئے۔

ڈائیڈ۔۔وہ۔۔۔وہ کسی کی بات کر رہے تھے۔۔۔افق۔۔۔افق نہیں نہیں ہرگز نہیں

اس کو آخری منظر یاد آگیا افق کا چہرہ بند آنکھیں ڈھلکی گردن اس کا دل ڈوبنے لگا۔

ہلکی سی آہٹ ہوئی نشاء اندر داخل ہوئی

کیسی ہو پری وہ اس کے پاس آکر بولی؟

نشاء افق کیسا ہے اس نے بے قراری سے پوچھا۔

وہ خاموشی سے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ہلکی سی جنبش سے بولی تم ٹھیک ہو جاؤ گی پری شکر تمہارے ہاتھ پاوں فررسٹ بائٹ سے بچ گئے

نشاء میں نے تم سے کچھ پوچھا افق کیسا ہے؟

وہ زور سے بولی اس کا اپنے قدم برف پر کھڑے لگ رہے تھے ابھی نشاء نے کچھ کہے گی اور اس کے نیچے کچی برف پھٹ جائے گی

تم آرام کرو پری ہم پھر بات کریں گے تمہاری طبعیت۔۔

نشاء خدا کے لیے بتاؤ افق کیسا ہے کوئی جیسے اس کے جسم سے جان نکال رہا تھا نشاء چپ کھڑی وہ بول کیوں نہیں رہی پریشے کا دل گھبرانے لگا

خدا کے لیے بتاؤ وہ اسے بچانے گے تھے کہ نہیں بتاؤ میرا دل پھٹ جائے گا۔

نشاء نے سر ہلایا وہ ٹھیک ہے

پریشے نے سر تکیے پر گرا کر شکر کیا وہ لوگ ارسہ کی بات کر رہے تھے

نشاء نے کہا کہ مگر وہ۔۔۔

مگر کیا

وہ سانس روک کر اسے دیکھ رہی تھی

مگر وہ چلا گیا۔

چلا گیا کہاں؟

واپس ترکی میں نے اسے روکنے کی کوشش کی نہیں رکا اس نے کہا میں نے پری سے وعدہ کیا تھا میں نے بولا بھی میں ماما پاپا انکل سے بات کروں گی مگر وہ چلا گیا

تم نے اچھا نہیں کیا پری اس کے ساتھ وعدہ کر کے

پھر کیا کرتی؟ اس کے اندر جیسے بہت زور سے کچھ ٹوٹا اسکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اچھا ہوا چلا گیا میں اس کے لئے پاپا کو دکھ نہیں دے سکتی تھی

کب گیا؟ اس نے روندی آواز سے پوچھا

کل جانے سے پہلے تمہیں دیکھنے آیا تھا اس کی ٹانگ کافی خراب تھی مگر ضائع ہونے سے بچ گئی ہاتھ پیر فرسٹ بائٹ تھے مگر ضائع نہیں ہوئے تھے

تم جاتے اس کی شکل دیکھتی تمھارا دل پھٹ جاتا تم نے اس توڑ دیا ہے وہ کتنا شکست زدہ لگ رہا تھا۔ دیکھ کر لگ نہیں رہ تھا یہ وہی زندہ دل افق ہے جس کے ساتھ سات دن سوات میں گزارے تھے وہ کبھی ایسا نہیں تھا پری تم نے اس کے ساتھ برا کیا۔

اس یاد آیا وہ بے ہوشی میں بھی افق کی تپش سانسوں کو محسوس کیا تھا اسکی لمس اس کا چھونا مگر کیا کہہ رہا تھا وہ یاد نہیں آرہا تھا۔

مجھے اس بارے میں ڈاکٹر احمت فون پر بتایا تھا افق کو انہوں نے بیس کیمپ میں اتارا تھا وہ کل گلگت آیا مجھے ملا اور اسلام آباد کی فلائٹ سے گیا شام کو

سیف بھائی کو تماری پھوپھو نے اپنے طریقے سے بتایا پاپا کو بھی تم بے فکر رہو کوئی نہیں پوچھے گا سیف بھائی کو بھی نیوز پیپر سے پتہ چلا ان کی تنگ نظری کو تو جانتی ہی ہو پاپا نے سب ہینڈل کر لیا انہیں افق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ارسہ کی ڈیتھ کے اثرات تم سے کچھ نہیں پوچھیں گے

ارسہ کے والدین؟

وہ آئے افق سے ملے افق نے انہیں اس کا ادھورا ناول لکھا دے دیا جس کا اختتام خوشگوار ہونے والا تھا مگر شاید اب نہیں ہو۔

میں جانتی ہوں ارسہ ہماری کہانی لکھ رہی تھی وہ دھیرے سے بولی مجھے حیرت ہے افق اتنا زخمی سب سے ملتا پھر رہا اور میں بے ہوش

اس۔لئے کے وہ ارسٹک نہیں تھا نشاء ہنسی

وہ ہنس بھی نہیں پائی۔

©©©©©©©©©©©©©©

#بارہویں_چوٹی

جمعہ 26 اگست 2005

ہیلی کاپٹر سبز گھاس پر اس کا انتظار کر رہا تھا اس نے ہاتھوں سے بال سنوارے اور بر آمدے میں نکل آئی

اس کا کچر گھر میں تھا

اسے گلگت سے اسلام آباد ہیلی کاپٹر میں جانا تھا کرنل فاروق جا رہے تھے وہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔

ہیلی کاپٹر کے پاس مینیجر بلال کھڑا تھا

ہیپی سیکنڈ برتھ ڈے میم وہ خوش دلی سے مسکرایا۔

وہ بھی جواباً مسکرائی کے میں اس کو کتنا غلط سمجھ رہی تھی۔ وہ اس بھول گئے ہوں گے مگر انہوں نے بھلایا نہیں تھا وہ اسے وقت پر بچانے آ گئے تھے

میں نے اپنے ریسکیو کی ویڈیو دیکھی تھی آج- مجھے میجر خالد نے دیکھائی- بہت امیزینگ کام کیا آپ نے- اتنا مشکل ریسکیو کیسے کر لیا آپ نے؟ میں اب تک آمیزڈ (ششدر) ہوں"-

"ارے میم! جو کیا اللہ نے کیا- پاک فوج نے بس ہمت کی- ویسے امید ہے اب آپ مجھے شکریہ نہیں کہیں گی"-

وہ شرمندہ سی ہو گئی- "دراصل میں پریشان ہو گئی تھی- آپ بیس کیمپ سے اچانک کیوں گئے تھے؟"

"میم! ہم فیول کے لئے گئے تھے اور ہنزہ باہر تین دن موسم ٹھیک ہونے کا انتظار کرتے رہے جیسے ہی آسمان صاف ہوا ہم آ گئے"-

"مگر آپ نے افق ارسلان کو ہیلی کاپٹر میں کیوں نہیں بٹھایا؟ یہ اچھا خاصا بڑا ہیلی کاپٹر ہے-" اس نے سامنے کھڑے ہیلی کاپٹر کی جانب اشارہ کیا-

"یہ وہ نہیں ہے، جس نے آپ کو ریسکیو کیا تھا- آپکو ٹھیک سے یاد نہیں وہ "لاما" تھا، اس میں ہم ارسلان کو کیسے بٹھاتے، وہ تو بلکل مچھر تھا" -

"کون ارسلان؟"

"نہیں میڈم! ہمارا ہیلی! لاما مچھر ہوتا ہے-" وہ ہنسا، "وہ زیادہ وزن نہیں اٹھا سکتا- تین سے زیادہ بندے اس میں نہیں بیٹھ سکتے- کرنل زبیر اور میجر عاصم نے اپنی گلہری، آئی مین اپنے Square سے ارسلان کو ریسکیو کیا- اس دفعہ راکاپوشی پر ہم نے دو ہیلی کاپٹر بھیجے تھے، جیسے بلتورو پر ریسکیو آپریشن کرتے ہوئے بھیجتے ہیں" -

پریشے نے غور سے سبز رنگ کے ہیلی کاپٹر کو دیکھا- "ہاں، یہ وہ مچھر تو نہیں لگ رہا"

"ارے میم! اسے کچھ مت کہیں، یہ مائنڈ کرے گا" -

وہ ہنس دی، "میجر بلال، یہ ہیلی کاپٹر ہے-" جیسے وہ کہنا چاہ رہی تھی کہ "یہ انسان نہیں ہے"-

"جناب یہ شیر جوان ہے-" اس نے ہنستے ہوئے سبز رنگ کی دھات کو تھپکی دی-

"اینی ویز میجر بلال، میں میجر عاصم سے مل نہیں سکی- ان کو میری طرف سے شکریہ کہہ دیجئے گا"-

"راجر میم!" پھر یک دم بولا، "ہاں، میجر عاصم آپ کا پوچھ رہے تھے- شاید کوئی چیز تھی، آپ کی ان کے پاس..

"نہیں کچھ بھی نہیں تھا- اچھا خدا حافظ ایک دفعہ پھر شکریہ-" وہ بات کاٹ کر ہیلی کاپٹر کے کھلے دروازے سے اندر چڑھنے لگی-

میجر بلال نے اب قدرے الجھ کے کچھ کہنا چاہا- شاید اسے کوئی الجھن تھی مگر پریشے کو علم تھا کے وہ کوئی قیمتی شے چھوڑے نہیں جا رہی- وہ جو کھو چکی تھی، اس کے بعد اگر کچھ رہ بھی گیا تھا تو اسے پرواہ نہیں تھی- وہ اندر بیٹھ گی- میجر فاروق تیار ہی تھے، سو دروازہ بند کر دیا-

ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہونے لگا- اس نے ہیڈ فون کانوں پہ چڑھا لئے - شور نسبتاً" کم ہو گیا-

وہ کھڑکی میں چھوٹے ہوتے گلگت اور دور ہوتے پہاڑوں کو دیکھنے لگی، جن کے درمیان بڑی تمکنت اور غرور سے پربتوں کی دیوی کھڑی تھی-

"Thank you raka poshi!," اس نے چمکتی دیوار کو کس بات کا شکریہ ادا کیا تھا، وہ خود بھی نہیں جانتی تھی-

دور دور تک پھیلے یہ وہ پہاڑ تھے، جن کی پیشانیوں جھک کے آسمان چوم رہا تھا- وہ واقعی عظیم پہاڑ تھے اور ان کے درمیان میں قراقرم کا تاج محل کھڑا تھا، جس کی سفید مرمریں دیواروں پر محبت کی ایک خاموش داستان لکھی تھی- وہ بلاشبہ آگرہ کے تاج محل سے زیادہ سفید اور خوبصورت تھا-

اس نے ایک آخری نظر قراقرم کے کوہساروں پر ڈالی-

"الوداع قراقرم - الوداع ہمالیہ - مجھے تم عظیم چوٹیوں کی قسم! میں زندگی میں پھر کبھی تم ظالم پہاڑوں میں نہیں آؤں گی-

اس نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں - کتنے دنوں بعد آج اس کی کمر کے پیچھے برف نہیں تھی-

"تو یہ تھا کہانی کا اختتام - آخر اس موڑ پر آکر قراقرم کی پری اور کوپیا کی کہانی بالآخر ختم ہو گئی -" وہ بند آنکھوں سے آفسردگی سے مسکرائی-

لیکن قراقرم کی پری اور کوپیا کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔

....

محبت جیت ہوتی ہے

مگر یہ ہار جاتی ہے

کبھی دل سوز لمحوں سے

کبھی بے کار رسموں سے

کبھی تقدیر والوں سے

کبھی مجبور قسموں سے

محبت ہار جاتی ہے

اسلام آباد واپسی پر اسے ہر اس بندے سے لیکچر ملا

جیسے اس کو توقع تھی پھوپھو ندا ماموں ممانی اور سب سے بڑھ کر سیف سے

تمہیں اندازہ ہے تمہاری زندگی ہمارے لیے کتنی قیمتی ہے وہ اسے کتنی دیر کوہ پیما کی ہلاکت اور نقصانات بتاتا رہا جس پر وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی تھی آخر اس نے جھنجوڑ کر بولا۔ پریشے نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی

آپ کے لیے میری زندگی اہم ہے یا میں آپ کی زندگی ہوں. ؟ سیف کچھ بول نہ سکا۔

اگر آپ کا لیکچر ختم ہو گیا ہو تو اب میں جاؤں؟

پریشے تم ایندہ۔۔۔۔

پہاڑوں کا نام نہیں لو گی کلائمنگ جیسی فضول سپورٹ

میں حصہ نہیں لو گی اور میری ہر ای میل کا جواب دو گی۔ یی ناں؟

تو میں یہ باتیں سن چکی ہوں جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی وہ میز پر پڑے کاغذ فائل میں جوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی

۔

سیف اتنا بے وقوف نہیں تھا کے اس کی سرد مہری محسوس نہ کرتا۔ مگر وہ اس کی سب باتوں کو اپ سٹ ہونا سمجھ رہا تھا۔

مجھے دیر ہو رہی ہے وہ پرس اٹھے باہر چلی گئی

پاپا آج ہی پہنچے تھے یہ پریشے کو بعد میں پتہ چلا انہیں سن معلوم ہوا تھا مگر جانے کیوں ارسہ کی موت کے سبب وہ پریشے کی ذہنی حالت محسوس کرتے کچھ نہیں پوچھا کوئی باز پرس نہیں کی کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی اخبار میں انہوں نے خبر پڑھ لی تھی مایاناز گلائمنبر افق ارسلان کو انہوں نے نظر انداز کر دیا اہمت نہیں دی جیسے وہ خود پہلے پڑھ کر اہمت نہیں دیتی تھی۔

پاپا اس معاملے میں بہت احساس تھا چوں کہ وہ سلامت واپس آگئی تو انہوں نے کچھ نہیں کہا

مگر وہ بالکل ٹھیک نہیں تھی اندر سے بھی باہر سے بھی وہ زندگی بھر اتنی خاموش اور الگ تھلگ نہیں تھی پھوپھو نے دیکھا تو یقین نہیں آیا یہ وہی پریشے ہے جو 5 اگست کو ہنزہ گئ تھی

اس کی گوری رنگت ماند پڑگئی تھی وزن 20 22 پونڈ کم ہو چکا تھا سب کیا سمجھ رہے تھے کوئی اصل بات نہیں جان پایا تھا اصل مرض نہیں پتہ تھا

پریشے جہاں زیب کو عشق ہو گیا تھا۔

منگل 6 ستمبر 2005

اس روز ندا اپا آئیں تو اسے اپنے گھر لے گی۔ کسی اور وجہ سے یا چھٹی کی وجہ سے سیف گھر پر ہی تھا اسے ندا آپا کے ساتھ آتا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک آگئی جس سے پریشے کو نفرت تھی

میں چمک آگئی, جس سے پریشے کو نفرت تھی-

کیسی ہو پری؟ وہ اس کا سر سے پیر تک جائزہ لے کر مسکرایا-

پریشے نے سنجیدگی سے اسے دیکھا, سیف! آپ کو نہی لگتا کہ میں اب بڑی ہو گئی..... ہوں- آپ کو مجھے پورے نام سے پکارنا چاہیے-

اس کی بات پر سیف ہنس پڑا, مگر اس کی پیشانی پر پڑے بل دیکھ کر اسے خاموش ہونا پڑا-.... آپا آپ بھی سن لیں, آئندہ پریشے کو پری نہیں کہنا- وہ خاموشی سے سیف کو دیکھتی رہی, جیسے اسے اس مزاق پر ہنسی نہیں آئی-

اوہ پری آئی ہے- پھپھو بھی کمرے سے باہر نکل آئیں, آج تو فریش لگ رہی ہو-

جی پھپھو! بس ڈائیٹ تھوڑی ہیلدی رکھی ہوئی ہے- وہ بیٹھ گئی ندا آپا اندر سے بری کے سامان والے شاپر اور ڈبے اٹھا لائیں-

"سیفی بتا رہا تھا تم نے پمز میں جاب شروع کر دی ہے"؟

"جی پھپھو"!

"کب سے جا رہی ہو"؟

چند دن ہوئے ہیں- اسے اب اس تفتیش سے الجھن ہو رہی تھی-

خیر سے کتنی تنخواہ دیتے ہیں؟

اس کو وہاں بیٹھنا مشکل لگ رہا تھا-اس نے کن انکھیوں سے سیف کو دیکھا,جو بہت دھیان سے اس سوال کے جواب کا منتظر تھا-

اس نے آہستگی سے اپنی تنخواہ بتائی-

ہاں یہ اچھی ہے-ویسے بھی بیٹا اچھی بیوی وہ ہوتی ہے,جو شوہر کے شانہ بہ شانہ کام کرے-وہ بھی تو اس کے لیے کماتا ہے-یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ شادی کے بعد بھی ملازمت کرتی رہے-

اور نہیں تو کیا اچھا پری!یہ دیکھو,یہ جناح سپر سے فرینچ ویلوٹ کا لے کر آئی ہوں,پورے پانچ ہزار کا ہے-انہوں نے نیوی بلیو ویلوٹ پر فیروزی ستاروں والا ڈوپٹہ سامنے پھیلایا-وہ قدر بے توجہی سے وہ سارا سامان دیکھتی رہی-

سیف بھی ساتھ بیٹھا کپڑوں کے بارے میں,دکان داروں کی بے ایمانی کے بارے میں

مسلسل تبصرہ کر رہا تھا جیسے عموماً عورتیں کرتی ہیں۔ان کی کلاس بدلی تھی لیکن اس کلاس میں رہنے کا سلیقہ ابھی بھی نہیں آیا تھا۔

دفعتاً"اس کے موبائل کی بیپ بجی اس نے موبائل نکال کر روشن اسکرین کو دیکھا۔وہاں کوئی غیر شناسا نمبر سے میسج آیا ہوا تھا۔اس نے میسج کھولا۔"کیا میں آپ سے بات کر سکتا ہوں۔آپ فارغ ہیں؟"میسج رومن اردو میں تھا تاکہ لکھنے والے کی جنس واضح ہو۔اس نے کوفت سے اسے ڈیلیٹ کر دیا'جب سے موبائل کمپنیوں نے نرخ سستے کیے تھے ایسے میسیجز۔۔۔اور غیر شناسا نمبر سے کالز آتی رہتی تھیں۔دنیا جہان کے فارغ اور لوفر لڑکے

ایسے کام کر کے لڑکیوں سے دوستی کہ خواہش مند ہوتے تھے۔ اس نے "ہو آر یو؟" لکھ کر جواب بھی نہیں دیا اور موبائل رکھ دیا۔

"کس کا مسیج تھا۔؟" سیف نے فورا" پوچھا۔

"پاپا کا۔" اس نے یہ کہنے سے احتراض کیا کہ کسی کے ایس ایم ایس کے بارے میں پوچھنا غیر اخلاقی حرکت ہے۔

"اچھا یہ والا دیکھو' وہ بریزے کا ہے" انھوں نے بازو پر ایک اور ہلکا سا گرین کپڑا اچھیلایا۔ وہ "ہوں اچھا ہے" کہہ کر خاموش ہو گئی۔

اسی اثنا میں روشنان اور سنی جانے کہاں سے وارد ہو گئے۔

"ماما دیکھیں سیفی ماموں ہمارے لیئے منا پلی لائیں ہیں۔" روشنان منا پلی کا گتہ 'کارڈز اور گوٹ ماں کو دیکھانے لگی۔

"بھلا اتنے چھوٹے بچے یہ گیم کھیلیں گے؟" ندا آپا نے کہا' پریشے کو بے اختیار کچھ یاد آیا۔

رات کی تاریکی' جلتے آلاو سے اڑ کر گم ہوتی چنگاریاں' لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز' ماہو ڈھنڈ کے خاموش پانیوں پر چڑھی چاندنی کی تہ دور دور تک پھیلا سبزہ زار۔۔۔

اس نے سر جھٹکا' اس کو مزید وہاں بیٹھنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہ آٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا ڈیوٹی ٹائم ہے' ڈاکٹر وسطی بہت خفا ہوں گے' مجھے جانا ہو گا۔" بہانا اسے سوجھ گیا تھا۔

پیر'12 ستمبر 2005ء

جیولری شاپ کا شیشے کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر داجل ہوئی۔ سیف اس کے عقب میں تھا۔

وہ اعتماد سے چلتی شوکیس کے سامنے سیٹوں کی لمبی قطار میں سے ایک کرسی کھینچ کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی۔ سامنے بیٹھا سیلز مین پروفیشنل خوش اخلاقی سے اس کی جب متوجہ ہوا'' جی میڈم ''۔

سیلزمیں کے پیچھے والی دیوار شیشے سے ڈھکی ہوئی تھی' چمکتے شیشے کی دیوار۔۔۔ اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے سر جھٹکا اور آئینہ میں ایک نظر خود پر ڈالی۔ لمبے اور سیدھے بالوں کو آدھا باندھ کر اس نے کیچر لگایا ہوا تھا۔ قیمتی پھتروں سے مزین کیچر جس کا دور نگار پھتر ڈھیلا تھا۔ کیچر سے چند لٹیں نکل کر اس کے گالوں کو چھو رہی تھیں۔ چند دنوں سے کھانے پینے کی احتیاط سے اس کا چہرا خاصا ترو تازہ اور گال بھرے بھرے لگ رہے تھے۔

سیف اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس کو دیکھ کر دور بیٹھا ادھیڑ عمر سنار لپک کر اس کی طرف آیا۔

"جی سیٹھ صاحب' کوئی یونیک چیز دکھائیں ہماری ہونے والی دلہن کو شادی کے دن پہننے کے لیے۔"

اس کو سیف کا متعارف کروانے کا انداز برا لگا تھا مگر وہ خاموش رہی۔

سنار سیٹھ جھٹ سیاہ مخملیں ڈبوں میں سجے چمکتے دمکتے سونے کے سیٹ شوکیس پر رکھنے لگا۔ دوسرا لڑکا اس کی ھمدد کر رہا تھا۔

پریشے ایک ایک کر کے ہر سیٹ کو مسترد کرتی رہی۔ اسے اس سب میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ تو پاپا اور پھپھو نے کہا تھا کہ وہ سیف کے ساتھ اپنی پسند کی شاپنگ کر آئے تو وہ چلی آئی تھی۔

سیف نے بہت سے ڈبے کھلوا لیے۔ وہ جیولر کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ یقیناً" وہ پہلے یہاں آتا رہا تھا۔ ندا آپا کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا' جب ان کی شادی ہوئی تھی تو سیف اتنی مہنگی جیولری افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ یقیناً" وہ پچھلے چند برسوں میں یہاں آتا رہا تھا۔ جانے کتنی عورتوں کو زیورات دلوانے۔ شاید اسی لیے اس نے دکاندار پر واضح کیا تھا کہ وہ لڑکی اس کی ہونے والی بیوی ہے۔ سو وہ محتاط رہے۔

ایک لمحے کو بھی اس کا دل نہیں چاہا تھا کہ وہ جیولرز سے سیف کے چکروں کے متعلق پوچھے۔ اسے سیف اور اس کے افیئرز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر پاپا جانتے بوجھتے اپنی آنکھیں بند کر رہے ہیں تو وہ بھی اپنی آنکھیں اور دل کب کا بند کر چکی تھی۔

"یہ فیروزی پتھر والا تو بہت اچھا ہے۔ یہ لے لو۔" اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے بالوں پر لگایا ہوا کیچر۔۔۔

کیچر اتارا، سیاہ آبشار کمر اور چہرے پہ گرتی چلی گئی۔

آپ کے پاس اس طرح کا کوئی دوسرا پتھر ہو گا یا آپ اس پتھر کو جوڑ دیں۔ یہ کسی بھی لمحے اکھڑ جائے گا۔ پریشے نے کیچر شو کیس پہ رکھتے ہوئے دو رنگے پتھر کی جانب اشارہ کیا۔

یہ بلکل گرنے والا ہے۔ اس کیچر کو پھینک دو میں تمہیں نیا لے دونگا۔ سیف نے لاپرواہی سے کیچر اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینکنا چاہا۔ کسی چیتے کی تیزی سے پری نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کیچر چھینا۔

ہاتھ مت لگائیں اسے۔ یہ بہت کیمتی ہے، سمجھے آپ"؟

کسی متاع عزیز کی طرح اسے مٹھی میں بند کیے پریشے نے سیفطکو غصیلی نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اس کے رد عمل پر ششدر رہ گیا۔ "پریشے تم،"اس نے آہستہ آواز میں کچھ کہنا چاہا۔ میں گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں آپ کو آنا ہے تو آ جائیں، نہی تو میں ٹیکسی سے چلی جاوں گی۔

بالوں کو پوری طرح کیچر میں جکڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کھٹ کھٹ چلتی گلاس ڈور دھکیل کر باہر نکل گئ۔ سیف جیولر سے معزرت کرتا کچھ ہیران اور کچھ دبے دبے غصے کے ساتھ اس کے پیچھے باہر نکل گیا۔

جیولر نے استہزایا انداز میں سر جھٹک کر ساتھ والے لڑکے کو بتایا۔ بیگم صاحبہ شادی پر خوش نہیں ہیں، چچ چچ.......

لڑکا دانت نکوسنے لگا، جیولر پھر سے اپنی سیٹ سنبھال کر رجسٹر پر جھک گی جب کے لڑکا شو کیس رکھے زیورات کے مخملیں ڈبیں بند کرنے لگا۔

..............................*

منگل، 13 ستمبر 2005ء

وہ ہسپتال جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ اوورآل بازو پر لپیٹا، سٹیتھو سکوپ پاکٹ میں گھسایا، جلدی جلدی جوتوں کی سٹریپس بند کیں، بالوں کو اسی طرح اسی کیچر میں جکڑا اور پرس کندھے پر ڈال کر باہر نکل آئی۔

گاڑی کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے نشاء کو گیٹ سے اندر آتے دیکھا۔

تم ہسپتال جا رہی ہو؟ وہ اس کی تیاری اور اجلت بھرے انداز کو دور سے ہی پہچان گئی تھی۔

ہاں، کہو کوئی کام ہے؟ وہ گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے کھڑی ہونے لگی۔

میم آپ کے جہیز کی شاپنگ کرنی ہے آپ کو ممی بلا رہی ہیں۔

اوہو نشاء مامی کی چوائس بہت اچھی ہے وہ خود کر لیں گی تم ہیلپ کروا دینا تمہیں ان کی پسند ناپسند کا علم تو نہیں ہے۔

مگر اب ہم جوتے لینے جا رہے ہیں تمہیں ہی جانا ہو گا

یار ادھر پنڈی اسلام آباد سے کہاں جوتے اچھے ملتے ہیں اور میرے پاس بہت جوتے ہیں اچھا تم رہنے دو میں لیٹ ہو رہی اس نے فکر مندی سے گھڑی دیکھی۔

بے وقوف لینے تو پڑے گے آخر شادی تمہاری ہے۔

اس کے چہرے پر سایہ سا گزرا اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی دروازے پر

پری۔۔ وہ اس کے پاس آ گئی اگر فیصلہ کر لیا ہے تو کمپرومائز کرنا سیکھو۔ سیف جیسا بھی ہے اسے قبول کرو اور دل سے کرو۔

دل ایک پھکی سی مسکراہٹ اسکے لبوں کو چھو گئی دل تو کئی دور قراقرم کے پہاڑوں میں رہ گیا اب تو یاد بھی نہیں کس جگہ کھویا تھا اسے۔

کوئی فون کوئی خط کوئی رابطہ نہیں کیا اس نے ؟

وہ جانتی تھی نشاء کس کی بات کر رہی ہے۔

میں نے اسے فون نمبر دیا کب تھا

ای میل ؟

احمت کی وائف کی آئی تھی میں نے جواب نہیں دیا۔ مجھے ترکی کے واسیوں سے رابطہ نہیں رکھنا۔ وہ سر جھٹک کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ کھلے شیشے پر جھکی پریشے نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا

خوش رہ کرو پری ورنہ لوگ جان جائیں گے۔

جانے دو اس نے اگنیشن میں چابی گھومائی۔ نشاء پیچھے ہو گئی تو اس نے گاڑی باہر نکال لی۔

ہاتھوں کی لکیروں میں کیا تلاش کرتے ہو

ان فضول باتوں میں کس لئے الجھتے ہو۔

جس کو ملنا ہوتا ہے

بن لکیر دیکھے ہی

زندگی کے رستوں پر

ساتھ ساتھ چلتا ہے

پھر کہاں بچھڑتا ہے

یہ اسی دن کی بات ہے جب اسے بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لایا گیا تھا۔ جہاں زیب صاحب کی طبعیت اچانک خراب ہو گئی وہ آفس سے جلدی گھر آ گئے تھے جیسے ہی گاڑی سے نکلے ان کی حالت بگڑ گئی تھی

وہ اپنے سب کام چھوڑ کر بھاگم بھاگ وہاں پہنچی۔ جب گھر پہنچی ممانی نشا پہلے سے موجود تھے اور پاپا۔۔۔۔۔وہ اس کے آنے سے پہلے جا چکے تھے اس کے ملنے کا انتظار بھی نہیں کیا

اسے نہیں معلوم وہ کتنے دن کھائے پیئے روتی رہی اس کے بہت غم تھے کس کس کا ماتم کرتی۔

اس نے اپنی پہلی اور آخری محبت کو جس کے لیے چھوڑا وہ دنیا میں اسے تنہا کر کے چھوڑ گیا۔

وقت چھے سال پھر پیچھے چلا گیا جب کسی نے سر پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تھا کھوکھلے دلاسے جھوٹی تسلیاں آج بھی دے رہے تھے۔

اس نے بہت لوگوں کو پاپا کے سرہانے بین کرتے دیکھا ان میں ندا آپا بھی تھی اور پھوپھو بھی وہ سب کو بھیگی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور جانچ رہی تھی ان کے آنسوں کی حقیقت کو سمجھتی تھی وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس بھر دنیا میں پاپا کا

دکھ تھا وہ خود تھی۔ اس کی زندگی میں دو لوگ تو تھے دو ہی مرد ایک پاپا ایک ارسلان ایک پہلے چھوڑ گیا اور دوسرے اب وہ اب پھر سے اکیلی رہ گئی تھی

وقت کا کام ہے گزرنا وہ گزرتا گیا

رو کر یا ہنس کر

بھلا وقت کہاں ایک سا رہتا ہے۔

سو پریشے جہاں زیب کی زندگی کا بھی وقت گزر رہا تھا چن دن اس نے بہت ماتم کی جیسے اب زندگی ختم ہو گئی ہے مگر گزرتے دنوں کے ساتھ اس نے خود کو سنبھال لیا۔

وہ پھر کمزور ہو گئی تھی بولنا ہسنا ترک کر دیا تھا زندگی کو بہتی ناو میں چھوڑ دیا تھا۔

اب اتنے بڑے بنگلے میں رہ کر کیا کرتی۔ شادی تو جہان زیب صاحب کی وفات سے فلحال ملتوی ہو گئی تھی اس نے ماموں کے یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

ویسے ماموں اسے اکیلے کہاں رہنے دے رہے تھے اس کے سوچنے سے پہلے لے آئے تھے

چند دن اس نے بند کمرے میں گزار لیے۔ پھر ایک روز نشاء اس کے پاس آئی سمجھانے لگی۔

زندگی میں غم آتے رہتے ہیں میں صبر کا تو نہیں کہہ سکتی مگر خود کو سنبھالو۔

میں کوشش کر رہی ہوں

میری مانوں تو ہسپتال پھر سے جوائن کرلو۔

ہاں یہی سوچ رہی تھی کہ مصروف رہو گئی تو صبر آجائے گا۔وہ زبردستی مسکرائی۔

پری اب تم زندگی کو نیے سرے سے شروع کرو

نشاء بہت آرام سے بول رہی تھی۔

جو جیسے ہو رہا ہونے دو۔نشا مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔پاپا نے

میرے لیے اچھا ہی سوچا ہو گا۔اس لیے مجھے مزید کوئی فیصلہ نہیں کرنا۔مجھے سیف قبول ہے کے کہنے سے قبل اس کا مطلب سمجھ کر پریشے نے کہا۔نشاء احتجاجاً کچھ کہنے لگی مگر پھر اس قصے کو کچھ وقت کے کے چھوڑ دیا۔

پریشے بھی اس معاملے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے ہسپتال جانا شروع کر دیا حالات معمول پر آنے لگے تھے اس کو انتظار تھا نشاء پھر کوئی اس بارے میں بات کرے گی مگر اس نے نہیں کی۔

ماموں ممانی نشاء کی محبتوں کے قرض اٹھائے وہ زندگی گزار رہی تھی اسے شاید صبر آگیا تھا یا پھر سمجھوتہ کر لیا تھا ۔

جمعہ 30 ستمبر 2005

وہ ہسپتال اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔سامنے والی نشت پر ایک عورت اور ایک نو عمر لڑکی اس کی طرف دیکھ رہے تھے وہ تیز تیز پنسل چلا رہی تھی جیسے وہ سیدھی ہوئی۔کاغذ اس عورت کو دیا بچی کی خوراک کا خیال رکھیں ۔یہ ویسے بھی کم عمر ہے گھر جا کر کام نہیں کرواتے رہنا۔عورت نے شکریہ ادا کیا اور سہمی ہوئی بچی سب سن رہی تھی سستا سازیوار پہنے۔

اس دوران اس کے موبائل کی گھنٹی بجی

اس نے فائل کو کے صفحے پلٹتے ہوئے مصروف انداز میں ہیلو کہا۔

ڈاکٹر پریشے جہاں زیب بات کر رہی ہیں جی؟

مردانہ اور غیر شناسا تھی۔اس نے کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا پنڈی سرکاری ہسپتال نمبر تھا

جی بات کر رہی ہوں آپ کون؟

ڈاکٹر صاحبہ میں رائزنگ پاکستان سے بول رہا ہوں ہم آپ کو اپنے شو میں انوائٹ کرنا چاہتے ہیں کوئی پروڈیوسر بات کر رہا تھا

اچھا مگر کس سلسلے میں

آپ کو ابھی چند ہفتے پہلے راگا پوشی سے ریسکیو۔۔۔

سوری مجھے کوئی انٹرویو نہیں دینا۔وہ کہہ کر فون بند کر کے دوبارہ فائل دیکھنے لگی۔

چند لمحوں بعد دوبارہ گھنٹی بجی

اس نے نمبر دیکھا وہی نو سے شروع ہونے والا تھا

جی ؟؟

ڈاکٹر صاحبہ ہم آپ کو انٹرویو کے لئے بہت اچھا۔۔۔۔

رونگ نمبر میں وہ پریشے جہاں زیب نہیں ہوں بائے اس نے کال کٹ کر دی۔اسی لمے پھر گھنٹی بجی اس نے نمبر دیکھا بھی نہیں اور فوراً کان سے لگا کر غصے سے بولی جی فرمائیے

اسلام عیلکم ڈاکٹر پریشے اس بار آواز مردانہ رو بدار تھی

اپ کو کیا پرابلم ہے

آپ کو یاد ہو گا آپ کو راگاپوشی سے پاک آرمی نے۔۔۔

گناہ کر دیا تھا پاک آرمی نے معافی چاہتی ہوں میں بچ کر زمین پر آ گئی خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیں میں اگلی بار بچ کر آنے کی غلطی نہیں کروں گی۔

اب مجھے کال مت کیجئے گا۔کھری کھر سنا کر کال منقطع کر دی اور موبائل رکھ دیا۔

اتنے دن ہو گئے پھر بھی لوگ بھولے نہیں ابھی۔۔۔بڑبڑاتے ہوئے اس کی نگاہ کلینڈر پر پڑی جو اسے سعد بک بینک سے مفت ملا تھا

اس نے گھڑی دیکھی رات کے 8 بج رہے تھے وہ اٹھی جانے کے لئے کلینڈر کے صفحے پلٹے وقت نے اسے اکتوبر میں لا کھڑا کیا

وہ جو چیز بھول جانا چاہتی تھی نا جانے کیوں کالی بلی کی طرح اس کا رستہ روک لیتی تھی۔

اس نے کلینڈر اٹھا کر دراز میں ڈالا اور کھڑی ہو گئی

اس کا موبائل ابھی تک آف تھا...

©©©©©©©©©©

#تیرھویں_چوٹی

ہفتہ آٹھ اکتوبر 2005

سفید دودھ سے ی برف پر دراڑیں پڑ رہی تھی دراڑ کے نیچے برف سلیب ہو کر بشیب میں گرنے لگی۔ ہر سو برفیلی سفید دھول میں افق کئ گم تھا وہ چلا کر افق کو پکار رہی تھی

وہ کئ نہیں تھا ارد گرد کے پہاڑوں سے قہقہے تھے

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی

اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے بے یقینی کے عالم میں چہرے کو چھوا۔ وہ بستر پر تھی راگاپوشی میں نہیں تھی اپنی آرام گاہ میں تھی

اس نے چہرے کو دوپٹے سے صاف کیا چند منٹ لگے خود کو نارمل کرنے میں وہ خوف زدہ کرنے والے خواب اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

اس نے گھڑی پر نگاہ دوڑائی پونے نو ہونے والے تھے

او خدا مجھے تو آٹھ بجے تک ہسپتال پہنچنا تھا وہ تیزی سے واش روم کی طرف بھاگی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے بالوں میں کیچر لگائے الٹے سیدھے جوتے پہنے پانچ منٹ میں باہر آگئی ممانی اور نشاء سامنے نظر آرہی تھی ماموں شاید آفس جا چکے تھے

اس نے دیکھا ٹیبل پر ناشتہ نہیں اس نے جلدی سے فریج سے دودھ کا ڈبہ نکال کر منہ سے لگایا ہی تھا کہ اسے یاد آیا آج تو روزہ ہے

اسے خود پر ہنسی بھی آئی اور شرمندگی بھی اس نے واپس فریج رکھ ہی رہی تھی زمین زور سے ہلی۔

اس کے ہاتھ سے جوس دودھ کا ڈبہ گر گیا اس نے لڑکھڑاتے ہوئے قریبی میز کو مضبوطی سے تھام لیا زمین نے زوردار جھٹکے دیے اور سکونت چھا گئی

مجھے خواب اور چکر بہت آنے لگے ہیں خود کو کوسنے لگی پیکٹ اٹھا کر فریج میں رکھا۔ پرس اٹھا کر نکل گئی۔

اس کا جواب دیر سے آنے پر ڈاکٹر واسطی کے سوال کے جواب سوچ رہا تھا۔

ہسپتال میں معمول کا تھا وہ تیزی سے سامنے آنے والے ڈاکٹر واسطی کی طرف بڑھی

وہ سر میں آنے ہی والی تھی کہ میری کار۔۔۔

ٹھیک ہے آپ جلدی سے ایمر جنسی میں جائیں وہ جلدی میں بول کر اگے بڑھ گئے وہ حیران سر نے ڈانٹا نہیں وہ مڑی تو سامنے ٹی وی سکرین پر نظر پڑی

کی نیوز فلیش تھی جس سے اسے علم ہوا کہ چند منٹ قبل اس کا سر نہی چکرایا تھا-

....................*

ایک حشر برپا تھا-اسے نہی معلوم تھا کہ وہ کتنے گھنٹوں سے مریضوں میں گھری تھی-ایک ٹانگ ایمر جنسی میں تھی تو دوسری جنزل وارڈ میں-زخمیوں کو لانے کا سلسلہ کئی گھنٹوں تک تھا بلکہ اب تو کشمیر سے بھی زخمی لائے جا رہے تھے-راولپنڈی, اسلام آباد کے تمام ہسپتال بھرے ہوئے تھے-ہر چند منٹ بعد سٹریچر پر زخمی لائے جا رہے تھے-کوئی خون میں لت پت, کوئی جسمانی اعضاء سے مہروم تو کسی کا چہرہ مسنخ ہو کر سیاہ ہو چکا تھا, عجب منظر تھا-

یہ صرف مارگلہ ٹاورز تک محدود نہی رہا تھا, بلکہ کشمیر کے چناروں تک یہ قیامت خیز حلاکت ہو گئی تھی-

مانسہرہ, ایبٹ آباد, باغ, وادی نیلم, وادی جہلم, گڑھی ڈوپٹہ, گڑھی ہدیکل, بانا, کاڈھاکا, اور ایسے نام والے بہت سے شہر اور گاؤں جو آدھے پاکستان نے زندگی بھر تھے-سیاستدان اور وزیر تو مارگلہ ٹاورز کے ملبے پر کھڑے ہو کر تقریر کر کے اور فوٹو بنوا رہے تھے-مگر ہسپتالوں میں ایمر جنسی نافز تھی-جانے کتنی دیر بعد وہ زرا جو ک. ر سیدھی کرنے کو کمرے میں ایک طرف رکھے صوفے پر جا کر بیٹھی تو قریب بیٹھے کسی ڈاکٹر کا فقرہ کانوں میں ٹکرائے-

یہ سب ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔

اس کا یکدم پارہ ہائی ہو گیا۔ گناہوں کی سزا ہے تو اللہ سے معافی مانگیں۔ اور اپنی اصلاح بجائے ادھر بیٹھ کر دوسروں کو نصیحت کرنے کے۔ تبدیلی ہمیشہ میں سے شروع ہوتی ہے، تم سے نہیں۔ غصے سے کہہ کر وہ اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلتی راہداری کا موڑ مڑتے ہوئے کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

سوری میں............ اسی بگڑے موڈ میں سوری کرتے کرتے وہ رک کر اس نوعمر لڑکے کو دیکھنے لگی جس سے وہ ٹکرانے والی تھی۔ بہت جانی پہچانی شکل تھی۔

ڈاکٹر پریشے، کیسی ہیں آپ؟ اس نے آستینیں کہنی تک چڑھا رہی تھیں اور غالبا مریض کو مارگلہ ٹاورز سے لانے میں رضاکارانہ طور پر مدد کر رہا تھا۔

ٹھیک ہوں تم وہی ہو نہ جس کے ابا

جی جس کے ابا کے بارے میں آپ نے پیش گوئی کی تھی کہ انہیں ترقی ملے گی، جب کہ وہ پچھلے ہفتے ریٹائر ہو گئے ہیں۔ وہ مسکرا کر بولا۔

تو مجھے تو حسیب نے کہا تھا۔ وہی بڑا امپریس تھا جنرل صاحب سے، میں تو نہی تھی۔ ظاہر ہے، ان جیسا ہینڈسم کو کمانڈر پنڈی کو کبھی نہی ملا۔

اچھا ہٹو راستے سے - وہ رکھائی سے کہ کر اس کے ایک طرف سے نکل کر آگے بڑھ گئی - وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگا, اس وقت تک جب تک وہ راہداری کے اخری سرے سے آگے غائب نہ ہو گئی اور پھر سر جھٹک کر خود بھی مخالف سمت کو ہو لیا -

..................*

بدھ ,12 اکتوبر 2005ء

کچھ پتا چلا تمہارے کزن کا, فرح؟ ہسپتال جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے اس نے فون کان سے لگائے پوچھا - فرح اس کی کولیگ ڈاکٹر تھی اور 18 اکتوبر کے زلزلے کے بعد اکٹھے کام کرنے کے باعث دونوں میں اچھی خاصی دوستی بھی ہو گئی تھی -

نہیں یار, ان کا اپارٹمنٹ دوسرے فلور پر تھا اور مارگلہ ٹاورز کے دوسرے فلور پر تو آٹھ فلورز گر پڑے ہیں -

اچھا, میں نے تمہیں فون اس لیے کیا تھا کہ مظفر آباد میں پیرا میڈیکل اسٹاف کی ضرورت ہے - میں نے وولینٹیر کر دیا ہے - تم چلو گی؟

نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں - ویسے تم جاؤ گی کیسے؟

آرمی ہیلیکاپڑر پر اور کیسے؟ روڈز تو ابھی تک بلاک ہیں - لین ڈ سلائیڈنگ بھی خاصی ہوئی ہے - چلو پھر بات ہو گی -

پریشے نے الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا اور جلدی جلدی تیار ہو کر باہر نکل گئی - رات تین بجے وہ آکر سوئی تھی, سو آج دیر سے آنکھ کھلی تھی -

اسلام علیکم پھپھو! ماموں! آپ ابھی تک آفس نہی گئے؟ پھپھو بھی ماموں کے ہمراہ لاونچ میں ہی بیٹھی تھیں-وہ بہ یک وقت دونوں کو مخاطب کر کے بولی-

بس نکلنے لگا ہوں-تم نے سحری نہی کی؟

بس اٹھ نہی سکی مگر نیت کرلی تھی-وہ اپنی ازلی لاپرواہی سے بولی-ماموں واقعی جانے ہی والے تھے سو اٹھ کر چلے گئے-وہ مروتا کچھ دیر کے لیے پھپھو کے پاس جا کہ بیٹھ گئی-

تو ظاہر ہے اب بھائی کی وجہ سے لیٹ ہی کریں گے مگر تیاری تو بہر حال کرنی ہے۔

"میں پٹیالہ والوں سے دونوں سیٹ اٹھانے جا رہی ہوں' تم بھی ساتھ چلو۔ پھر آگے مہندی کا پسند کرنا ہے' وہ تم خود ہی پسند کرنا۔ اب مجھے کیا پتا آج کل کی لڑکیوں کی پسند کا۔" وہ حیرت سے منہ کھولے انھیں دیکھنے لگی۔

"میں تمھیں لینے ہی آئی تھی۔" انھونے وضاحت کی۔

"کس کے لیے پھپھو! ملک پر آفت ٹوٹی ہوئی ہے لوگ مر رہے ہیں اور آپ لوگوں کو مہندی کے جوڑے کی پڑی ہوئی ہے۔؟" اسے سخت صدمہ پہنچا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر زلزلہ ہم تو نہیں لائے۔ یہ دکھ سکھ رو چلتے ہی رہتے ہیں۔ اب ان کے لیے اپنی خوشیاں بھی حرام کر لیں۔" پھپھو کو اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"دکھ سکھ چلتے نہیں رہتے دکھ تو آتے ہیں اور ٹھہر جاتے ہیں۔ جانے کتنے بوڑھ اور بچے اس زلزلے میں جان ہار گئے۔ فرض کریں'ہم تب بھی خوشیاں مناتے اگر ان مرنے والوں میں'میں یا سیف ہوتے؟"

"خدانہ کرے سیف کیوں ہوتا؟"وہ دہل کر بولیں۔

پریشے انھیں دیکھ کر رہ گئی۔ انھوں نے صرف سیف کا نام لیا تھا۔ انھیں صرف سیف پیارا تھا۔ یہ نہیں "خدانہ کرے تم اور سیف کیون ہوتے؟"وہ کسی گنتی میں بھی نہ تھی۔

"کم از کم پاپا کا کفن تو میلا ہونے دیا ہوتا پھپھو!"وہ بیزی سے کہہ کر باہر۔ نکل آئی اور پھر کتنی دیر کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ شاید اس دنیا میں کسی کے لئے اہم نہیں تھی'سوائے اس شخص کے جو اسے قراقرم کی پریکہتا تھا جس نے محبت بھی کی تھی اور اظہار بھی کیا تھا۔

ہسپتال کے سارے راستے وہ روتی آئی تھی اور پھر ہسپتال پہنچ کر اس نے فوراً ڈاکٹر فرح کو ڈھونڈا۔

"تم مظفر آباد جا رہی ہو ناں؟ تو پھر مجھے بھی ساتھ لے چلو۔"اس نے فرح کو ملتے ہی اس کے ساتھ جانے کا فیصلہ سنا دیا۔ جو وہ سارے راستے کرتی آئی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر ابھی چلو"فرح نے مصروف سے انداز میں کہا اور آگے کو بڑھ گئی۔

وہ۔۔۔وی آج پھر۔۔۔ایک دفعہ ان پہاڑوں میں واپس جا رہی تھی جن کی شکل نہ۔۔۔

دیکھنے کی قسم اس نے کھائی تھی۔ تین ماہ قبل بھی وہ پھپھو اور ندا آپا کے لگائے زخموں سے نجات کے لئے پہاڑ آ گئی تھی۔

آج پھر اس نے فرار حاصل کرنے کا وہی طریقہ سوچا تھا۔

جمعہ 14 اکتوبر 2005 مظفر آباد

وہی بارشوں کا موسم

وہی سردیوں کی شامیں

وہ دلربا گھاٹیں

وہ سانس لیتی خوشبو

وہی موڑ مڑاتی سڑکیں

وہی پرسکون جگہ ہے

ہے فرق بس زرا سا

وہ گزشتہ موسم میں میرہمنوا تھا

جانے وہ اب کہاں ہے۔

جانے وہ کہاں ہے

وہ ایک سکول کی عمارت کے نیچے کھڑی تھی۔اس کے پشت پر سبزہ زار جس کے آخری کنارے پر کھڑے ہیلی کاپٹر

کے پروں کی گڑگڑاہٹ اس حاطے میں موجود بیسویں لوگوں کو کان پر ہاتھ رکھنے پر مجبور کر رہی تھی

چھت کے ٹوٹے ٹکروں کے نیچے جانے کتنے بچے زندہ تھے۔ریسکیو رضا کار اور فوجی مسلسل سکول کا ملبہ ہٹا کر بچے نکال رہے تھے

وہ دور کھڑی خوموشی سے دیکھ رہی تھی کیچر میں لگے بال ہوامیں اڑ رہے تھے۔کسی ب

بچے کو سٹریچر پر ڈال کر دو فوجی جوان کیمپ لے جا رہے تھے۔

موڑ کر اسٹریچر پر موجود معصوم بچے کو دیکھتی رہی۔

ہلی کاپٹر کی جانب سے کیمو فلاج یونیفارم میں ملبوس ایک آرمی آفیسر تیزی سے دو جوانوں کو آواز دے رہا تھا۔

میں نے کہا تھا کہ دس سے بیس کلو والے پیکٹ بنانے ہیں 'ایزی ڈراپ کے لیے مگر انھوں نے --بولتے بولتے وی یک لخت رک کر پریشے کو دیکھنے لگا۔پریشے نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور واپس منہ عمارت کی جانب موڑ لیا۔اسے کیپٹن کا انتظار تھا جس کے ساتھ اس کو میڈیکل کیمپ جانا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ سمارٹ سا آفیسر ابھی بھی اسے ہی دیکھ رہا ہے۔اس نے مڑ کر دیکھا۔وہ اب پری کی جانب اشارہ کر کے کیپٹن سے کچھ پوچھ رہا تھا۔کیپٹن چند لمحوں بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔وہ آفیسر پھر سے اسے دیکھنے لگا۔وہ پریشے کے لیے قطعا" انجان تھا۔وہ اگر کسی آرمی والے کو جانتی بھی تھی تو وہ وہی تھے' جنھوں نے اسے راکاپوشی سے ریسکیو کیا تھا۔وہ ان آفیسر ان میں سے نہیں تھا۔

جب کیپٹن بشیر آیا تو وی اس کے ہمراہ وہاں سے جانے لگی۔

کیپٹن بشیر سے اس کا تعارف وہیں مظفر آباد میں ہوا تھا۔وہ بہت سادہ' مودب اور انچا لمبا تھا۔اس کا باپ فوج میں صوبے دار رہا تھا۔وہ اپنے گاوں کا تیسرا لڑکا تھا جو فوج میں گیا تھا اور اس بات پر بے حد فخر تھا۔

پریشے وہاں آرمی کے فیلڈ ہسپتال میں ہی رہ رہی تھی۔بشیر اس دوران اس کی ہر ممکن مدد کرتا تھا۔اتفاق سے اسے ایک دن پریشے نے اپنا "لیزان آفیسر "کہا تو ڈاکٹر فرح نہت حیرت سے بولی۔

"کیا مطلب ؟"

"کچھ نہیں' یہ ماونٹین کلائیمبرز اور پاکستان آرمی کا آپس کا مزاق ہے۔"وپ ہنس کر بو کی تھی اور پھر کام میں مگن ہو گئی۔اس سے زیادہ وہ کسی سے فری نہیں ہوتی تھی۔

"سنو کیپٹن بشیر ! یہ آدمی میرے بارے میں کیا کہہ رہا تھا؟"اس کے ہمراہ چلتے ہوئے پریشے نے پوچھا۔

"آپ کا نام وغیرہ پوچھ رہے تھے۔میں نے بتا دیا۔"

"اچھا۔"(جانے کون تھا)اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"ویسے میڈم میں نہیں جانتا یہ کون تھے۔ ایوی ایشن کے تھے شاید اور۔۔۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اٹس اوکے۔" لمبی وضاحت سے بچنے کے لئے وہ بولی تو کیپٹن بشیر فورا" خاموش ہو گیا۔

یہ سویلین ڈاکٹر بہت موڈی تھی، وہ اندازہ کر چکا تھا۔

جمعہ، 21 اکتوبر، 2005

"کتنا خراب ہو رہا ہے زخم، او گاڈ!" وہ بڑبڑاتے ہوئے بچی کی پٹی کھولنے لگی۔ اس کا گھر مسمار ہو گیا تھا۔ وہ 8 اکتوبر کو ہی نکالی گئی تھی، مگر ابتدائی طبی امداد کے طور پر اس کا زخم چائے کی پتی سے بند کیا گیا، جو اب اسے خراب کر رہی تھی۔

ادھر باغ میں بھی سب لوگوں کے زخم اسی طرح بند کیے گئے تھے۔ جو بے حد نقصان دے تھے، خیر اور کرتے بھی کیا۔ وہ اب زخم صاف کرتے ہوئے افسوس کر رہی تھی۔

وہ کل ہی باغ سے واپس آئی تھی۔ وہاں روز تقریبا" ڈیڑھ سو مریض دیکھتی تھی، جو چھ چھ کلومیٹر سفر کر کے کیمپ تک پہنچتے تھے۔ جانے کتنے دنوں سے اسکی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

وہ اس وقت مظفر آباد کے نیلم سٹیڈیم میں نصب فیلڈ ہسپتال کے ایک خیمے میں تھی۔ اس کے سامنے اور اس کے دائیں طرف چند اور مریض بھی بیٹھے تھے

دفعتاً" کیپٹن بشیر خیمے کا کپڑا ہٹا کر اندر آیا۔

" میڈم !ویکسین آگئی ہے۔" اسنے پیکٹ اس کی میز پر رکھا- پریشے نے سر اٹھا کر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

" اتنی جلدی ؟ابھی تو کہا تھا"-

" یہ دراصل یونسف کے جو ڈاکٹرز تھے،وہ لائے ہیں-ساتھ میں ہائی انرجی بسکٹ بھی ہیں۔"

" اچھا اوراس اسکول کا پورا ملبہ ہٹا"-

" تقریباً" برٹش ٹیم آئی ہوئی ہے"-

"ہوں-" وہ سر جھٹک کر کام میں مصروف ہو گئی-برٹشر،یونیسف،جانے کتنے غیر ملکی آئے ہوئے تھے-

ایک دم اس نے چونک کر سر اٹھایا-" کیپٹن بشیر !" وہ جانے لگا تھا اسکی آواز پر جاتے جاتے پلٹا-

"یس میڈم ؟"

آپ نے کہہ بہت سے غیر ملکی آئے ہوئے ہیں-ترکی سے کوئی نہیں آیا؟" اس کے بظاہر سرسری سا پوچھا-

"جی آیا تھا" -

وہ حیرت سے ایک پل کو ساکن ہو گئی-

"کون؟" وہ سانس روکے اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"میڈم طیب اردگان آیا تھا، شوکت عزیز کے ساتھ کل پورے علاقے کا دورہ کیا"۔

اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔"اچھا۔" وہ پھر سے بچی کے زخم پر جھک گئی۔

کیپٹن بشیر نے باہر جانے کے لیے خیمے کا پردہ اٹھایا۔تب پریشے نے پھر اسے پکارا، "سنو کیپٹن"

وہ خیمے کا کپڑا ہاتھ میں لیے، رک کر اس کی بات سننے لگا۔

"اگر ترکی سے کوئی آئے تو مجھے بتانا۔" جانے کس امید پر اس نے کہہ ڈالا۔

"کسی نے آنا ہے کیا؟"

"نہیں، آنا تو نہیں ہے۔ آنا تو کسی نے نہیں ہے۔" وہ اداسی سے سر جھٹک کر بچی کی پٹی کرنے لگی۔

کیپٹن بشیر کچھ نہ سمجھتے ہوئے باہر نکل گیا۔ خیمے کا کپڑا اس کے پیچھے ہلتا رہ گیا"

....

پیر 22 اکتوبر 2005ء

فیلڈ ہسپتال سے کچھ دور وہ ایک پتھر پر خاموشی سے بیٹھی خنک ہوا کی سرسراہٹ سن رہی تھی۔

اس نے سفید اوور آل پہن رکھا تھا، بال کیچر میں مقید تھے، پاؤں میں سفید اور ہلکے گلابی جوگرز تھے۔

جن کے رنگ اب پھیکے پڑ گئے تھے۔اس کی زندگی کی طرح۔

آج بارش سے کچھ دیر پہلے کا موسم تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح اداس ہو گئی تھی۔ آج سارا دن وقفے وقفے سے آفٹر شاکس (درمیانے درجے کے زلزلے) آتے رہے تھے۔ سامنے کھڑا پہاڑ تو ایک جھٹکے کے دوران حقیقتاً" دو ٹکڑوں میں ٹوٹنے کو تھا۔ آج اس کی چوٹی برف بھی پڑی تھی۔ وہ اس ڈھلتی شام میں وہاں تنہا بیٹھی گنگنا رہی تھی۔

"ہم لیلی ہیں ہم مجنوں ہیں۔"

یہ گیت افق بیس کیمپ میں ہنزو کٹر پورٹرز کو سناتا تھا۔ اور اوپر جب وہ برفانی غار میں تھا تب بھی وہ تھک کر یہی گنگناتا تھا۔

وہ اسے بھولا ہی کب تھا۔ وہ تو ہر پل' ہر لمحہ اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ کہیں برف دیکھتی تو برفانی غار میں چت لیٹا افق اسے یاد آجاتا۔ وہ بارش دیکھتی تو وائٹ پیلس کی سیڑھیوں پر بیٹھا موروں کو یہی لیلی مجنوں والا ترک گیت سناتا افق یاد آجاتا۔ وہ خواب میں آکر اسے کہتا۔

"پری کیوں پریشان ہو؟ مجھے درد نہیں ہو رہا۔" اور وہ جانتی تھی اسے درد ہو رہا ہے۔ کبھی وہ کہتا۔ "میرے ساتھ چلو میں تمہیں ترکی لے جاوں گا۔" اور وہ نیند میں رونے لگتی۔

اس نے اپنے ہاتھ پر اس جگہ دیکھا' جہاں تین ماہ قبل ماہوڈھنڈ کے کنارے افق نے سانتیا بانت لگایا تھا۔ اب وہ معمولی خراش وہاں نہیں تھی۔ مگر درد اندر ہی اندر "درد" بہت ہوتا تھا۔ ج یہ درد شدت اختیار کر لیتا تو وہ رو دیا کرتی تھی۔ "افق۔۔۔ واپس لوٹ آو۔۔۔ میرا زخم۔۔۔ مجھے سانیتا بانت لگا دو۔۔۔ اسی بہانے ہی لوٹ آو۔

وہ اب بھی اس کے ساتھ تھا' اس کے بہت اندر کہیں موجود تھا۔ اس کے ساتھ سانس لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ہنستا تھا' اس کے ساتھ روتا تھا۔

اس کے خیالات میں مخل ہونے والی آواز بھاری بوٹوں کی دھمک تھی۔ جو اسے اپنی پشت پر سنائی دی تھی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ وہی اس روز والا آرمی آفیسر تھا جو اسے گھور رہا تھا۔ کھلتی رنگت' گیرے نقوش' کافی ہینڈسم سا میجر کے رینک کا آفیسر تھا۔

آ"پ ڈاکٹر پریشے جہاں زیب ہیں۔؟" وہ آٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ بات آپ اس روز کیپٹن بشیر سے معلوم کر چکے ہیں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"معلوم نہیں' کنفرم کیا تھا۔ آپ نے مجھے پہنچانا میں میجر عاصم روف ہوں۔ میں نے ہی ارسلان کو راکاپوشی سے ریسکیو کیا تھا۔

"اوہ۔" اس کے ماتھے سے بل غائب ہو گئے۔ "اچھا۔" پھر وہی یادیں۔ "خدایا یہ دومانی میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتا۔" اصل میں میجر صاحب! میں نے آپ کو سرسری سا ایک دو دفعہ ہی ریکھا تھا۔

اسی لیے پہچان نہیں پائی۔" وہ مروتا" کہنے لگی۔

"اٹس او کے میم۔! مجھے آپ سے ملنا تھا۔ آپ سی ایم ایچ میں بے ہوش تھیں اور جس دن ہوش آیا مجھے اسی صبح سی او نے فارورڈ ایریاز میں بھیج دیا۔ میں ان فیکٹ تین دن وہاں موسم خراب ہونے کی وجہ سے اپنے ہیلی کاپٹر کے ساتھ پھنس کر رہ گیا' جب واپس آیا تو آپ جا چکی تھیں۔"

"میں چلتی ہوں' مجھے کچھ مریض دیکھنے ہیں۔ تھینکس اینی ویز۔" اسے اس کی تفصیلات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سو رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی پلٹ کر جانے لگی۔

میم میرے پاس آپ کی ایک امانت تھی۔ افق ارسلان نے یہ آپ کے لیے دیا تھا کہ آپ کو ہوش آئے تو دے دوں۔"

وہ بے حد تیزی سے میجر عاصم کی جانب گھومی تھی۔

"کیا۔۔۔ کیا دیا تھا افق نے؟" اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

"اس روز آپ کو دیکھا تو یہ میرے پاس نہیں تھا' ورنہ دے دیتا۔ کل اسلام آباد گیا تھا تو لے آیا۔" اس نے والٹ سے ایک چھوٹا سا خط کا لفافہ نکال کر پریشے کی جانب بڑھایا جسے اس نے تیزی سے پکڑا۔

لفافے کے کونے میں سبز رنگ کا آرمی کا کوئی نشان بنا تھا اور اوپر گلگت کنٹونمنٹ کا ایڈریس لکھا تھا جسے وہ جی ایچ کیو سے آیا ہو۔

"یہ لفافہ اس نے مجھ سے لیا تھا۔" اس کے لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھنے پر میجر عاصم نے وضاحت کی۔

پریشے نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ چھوٹی سی وہ ٹیپ اتاری۔ میجر عاعم اتنا مہزب تھا کہ پریشے کو یقین تھا' افق کے ٹیپ لگانے کے بعد وہی پہلی دفعہ اسے کھول رہی ہے۔

لفافے کے اندر ٹشو میں لپٹی تصویر تھی۔

دور تک پھیلا سبزہ' دائیں طرف جھیل' بائیں طرف گھوڑا' گھوڑے کے ساتھ پریشے اور پریشے کے اس طرف افق۔ وہ ہنستے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ سیاہ گھڑی کے ڈائل کا اہرام چمک رہا تھا۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا۔ "گھوڑا' پریشے کے دائیں طرف ہے۔"

اس نے تصویر کو پلٹا پیچھے سفید کاغز چپکا کر ہاتھ سے دبز روشنائی سے انگریزی میں لکھا تھا' زندگی کے سفر میں بچھڑنے سے پہلے۔۔۔

ملن کے آخری شام کے ڈھلنے سے پہلے

اور ایک دوسرے کی سانسوں اور

دھڑکنوں کی آخری آواز سے پہلے

جس کے بعد تم میری دنیا سے دور چلے جاؤ گے

تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا

کہ اس رات کے انے والی ہر صبح

ٹھنڈی ہوا اور بارش کے بعد گلی مٹی

پہاڑوں پر دودھ سی برف دیکھ کر

تم مجھے یاد کرنا

کہ میرا تم پر تمارا مجھ پر قرض ہے

اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے

اسے یاد تھا برف کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے افق بیٹھا تھا۔

تمہیں بھی مجھ سے وعدہ کرنا ہے پھر اس نے گہرے کرب سے آنکھیں موندلی کچھ نے بولا بھی تھا اس میں بولنے کی وعدہ لینے کی سکت بھی نہیں ہے

آر یو اوکے ڈاکٹر پریشے ؟؟

اس کی پرواہیس دینے ڈاکٹر عاصم اندر آیا اس نے روتے دیکھ کر تشویش سے پوچھا

کب دی یہ اس نے آپ کو۔؟ ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کر کے وہ زبردستی مسکرائی۔

جب آپ سے ملنے ہسپتال آیا تھا۔ آپ بے ہوش تھیں وہ کمرے سے باہر آیا مجھ سے لفافہ پن پنسل اور کاغذ مانگا

پھر اس نے پاکٹ سے تصویر نکالی اس کی پشت پر کچھ لکھا ٹیشو میں لپیٹا لفافے میں ڈال کر مجھے دیا اور آپ کو خود دینے کی تاکید کی تھی ورنہ میں کام سے اسکردو گیا ڈاکٹر خالد یا کسی کو دے کر آپ تک پہنچا سکتا تھا میں نے پارسل بھی نہیں کیا حالانکہ میرے پاس آپ کا اڈریس موجود تھا آپ کو کال بھی کی میسج بھی کیا مگر کسی غلطی فہمی کی بنا پر آپ نے بات نہیں سنی پھر پنڈی سے انا ہی نہیں ہوا اور ملاقات نہیں ہوئی آج اتفاق س آپ مل گئی بہت معزرت دیر لگ گئی۔

مجھے آپ کی کال کا بالکل یاد نہیں تھینک یو سو مچ ڈاکٹر عاصم

وہ خوش دلی سے مسکرایا مائی پلیزر میم

اس نے دوبارہ ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ کیوں رو رہی تھی وہی ڈیسنٹ آرمی مین

آپ کی وائف بچے ٹھیک ہیں پریشے نے اخلاقاً پوچھا

جی مہوش بالکل ٹھیک ہے بچے بھی پنڈی ہوتے ہیں وہ پھر مسکرا کر چلا گیا۔

وہ وہی کھڑی سوچنے لگی کیا افق کو وعدیاد کرنے کی ضرورت تھی کیا وہ اسے بھول سکتی تھی

©©©©©©©©©©©

آخری_چودھویں_چوٹی__

اور 23 اکتوبر 2005

زلزلے کے متاثرافراد کوانجکشن لگارہی تھی

فرح ابھی اسلام آباد واپس جارہی تھی تم چلو گی یاادھر مزید رہو گی۔؟

تم جارہی ہو تو میں بھی چلتی ہو تم بائے ائیر جارہی ہو؟

ہاں ابھی بشیر آکر بتائے گا کے ہیلی کاپٹر فارغ ہے کے نہیں اسی اثنا میں کیپٹن اندر آیا

میم ابھی ہیلی کاپٹر آنے ہی والا ہے کرنل طارق کچھ لوگوں کواس میں لارہے ہیں۔

بس آتے ہی ہوں گے۔"

وہ جھک کر بچے کوٹیکا لگارہی تھی۔ پھر بے حد فکر مندی سے ساتھ بیٹھیاس کی ماں سے اس کے بارے میں سوالات کرنے لگی'کیوں کہ اسے تیز بخار تھا۔

کیپٹن بشیر نے ایک لمحے کو سوچا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو بتائے کہ جولوگ کرنل فاروق کے ہیلی کاپٹر پر مظفرآباد آرہے تھے'وہ ترکی سے آئے تھے'کیوں کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے ترکی دے آنے والے لوگوں کے متعلق پوچھاتھا'مگر ایک تووہ اتنی مصروف تھی اور دوسرے اس نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ ترکی سے آناتوکسی نے

نہیں ہے اور پھر ڈاکٹر صاحب کو اگر ترکی سے آنے والوں میں کوئی دلچسپی ہو گی تو وہ یقینا "ترک ڈاکٹرز سے ہو گیع۔ کیپٹن بشیر بغیر کچھ کہے وہاں سے چلا گیا' کیوں کہ آنے والے ڈاکٹرز نہیں بلکہ انجینئرز تھے۔

آدھے گھنٹے بعد یہ بشیر ہی تھا جس نے دونوں کو کرنل فاروق کے پہنچنے کی اطلاع دی۔

"آپ سامان وغیرہ پیک کر کے جلدی آجائیں' کیوں کہ کرنل صاحب نے فورا" واپس جانا ہے۔ پلیز میڈم دیر مت کیجیئے گا' کیوں کہ کرنل صاحب کو غصہ پورے یونٹ میں مشہور ہے۔"

"ہاں میں فورا" اپنا سامان اس خیمے سے لے آوں' جہاں رات ہم سوئے تھے۔" وہ اس خیمے سے نکل آئی۔ اس کا رخ چند گز کے فاصلے پر موجود اس میدان کے سب سے آخری سبز خیمے کی طرف تھا جس میں وہ اور فرح اتنے دن سے تہ رہی تھیں۔

وہاں کھلا سا میدان تھا' ایک طرف خیمہ بستی تھی اور دوسری جانب خالی قطعہ اراضی پر ہیلی کاپٹر نیچے اتر رہا تھا۔ اس کے پنچے ابھی گھاس سے چند فٹ دور تھے۔

وہ اس آخری خیمے میں چلی آئی۔ جلدی جلدی سامان سمیٹا' بالوں کو ایک دفعہ پھر اوپر کر کے کیچر میں باندھا۔ کسی چیز کے چٹخنے کی آواز بھی سنائی دی مگر وہ دھیان دیے بغیر شال لپیٹے بیگ کندھے پر ڈالے باہر آگئی۔

فرح اس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

"چلو۔"

وی دونوں ساتھ ساتھ ہیلی کاپٹر کی جانب بڑھنے لگیں۔ جن میں اکثریت فوجی جوانوں کی تھی'جو ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

چند گوجی جوان ان مریضوں کو ہیلی کاپٹر میں چڑھا رہے تھے جس کو انہیں سرجری امداد کے لیے اسلام آباد لے کر جانا تھا۔بشیر نے قریب سے گزرتے جوان کو روک کر ہدایت دی۔ toki" کی ٹیم کو اس آخری خیمے میں لے جاوابھی وہی خولی ہے۔"

وہ دونوں سر نیچے کیے تیز ہوا سے بچتی آگے پچھے ادر داخل ہوئیں۔ مریض پہنچ چکے تھے'دروازہ بند ہو گیا۔اس کے کیچر کے ایک طرف لگا دور نگا پتھر غائب تھا۔

"اب کہاں ڈھونڈ و اسے ؟" کبھی سستی میں ایلفی سے بھی نہیں جوڑا۔وہ کپڑے جھاڑنے لگی۔اندر روشنی خاصی کم تھی۔اسے پتھر کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"فرح اس کا پتھر گر گیا ہے۔وہ کونے والے خیمے میں گرا ہو گا'میں لے آوں ؟"

ب"ے وقوف ہیلی اڑنے لگا ہے۔کرنل فاروق کے غصے کے قصے نہیں سنے ؟خواہ مخواہ ان کو غصہ مت دلاو۔"

"مگر فرح وہ قیمتی پتھر تھا اور۔۔۔"

"لوگوں کو گھر بار لٹ گیا اور تمھیں پتھر کی پڑی ہے ؟ایک پتھر کے لیے کرنک صاحب سے دوبارہ ہیلی کاپٹر اتر واو گی ؟"فرح بلکل نشاء کی طرح گھر کتی تھی۔وہ خاموشی سے پیچھے ہو کر بیٹھ گئی'مگر جانے کیوں اس لمحے اس

کا دل چاہا کہ وہ کرنل فاروق سے ہیلی اتارنے کی درخواست کرے صرف ایک منٹ کے لیے' بس وہ اپنا پتھر لے آئے۔

صرف پتھر نہیں اس لمحے اسے مظفر آباد کے شہر خموشہ کی اداس اور سوگوار فضہ میں "کچھ خاص" محسوس ہوا تھا۔ کچھ ایسا جو ان پچھلے بہت سارے دنوں میں جو اس نے وہاں گزارے تھے نہیں تھا۔ وہ اس وقت ہیلی کاپٹر سے نیچے اترنا چاہتی تھی۔ وہ مظفر آباد چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر محض مروت میں وہ خاموش بیٹھی رہی۔

پریشے اور فرح کو ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر کیپٹن بشیر تیز قدموں سے واپس آیا۔ جس جوان کو اس نے ٹو کی ٹیم کو خیمے میں بیٹھانے کو کہا تھا' وہ ان تین افراد کے ہمراہ اس آخری خیمے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ تینوں افراد کی بشیر کی جانب پیٹھ تھی۔

"وہ ان کے قریب آیا۔"

"اسلام علیکم سر!۔"

تینوں ایک ساتھ پلٹے۔

پہلا ترک انجینئر اچھی قد و قامت کا مالک تھا۔ بال سیاہ گوری رنگت یورپی نقوش بشیر نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ آئی ایم کیپٹن بشیر۔ اسکی انگریزی پورے گاؤں میں بہترین تھی۔

کیپٹن جینک ---ترک انجینئر نے گرم جوشی سے ہاتھ تھاما کیپٹن بشیر دوسرے کی جانب بڑھا۔ وہ قد میں باقی سب سے چار پانچ انچ چھوٹا تھا۔ بال گھنگریلے اور سنہری مائل تھے سر پر پی کیپ الٹی پہنی ہوئی تھی جس پر سفید مارکر سے کچھ لکھا تھا۔ جینیک اس نے خوشی سے بشیر سے ہاتھ ملایا

اب تیسرے کی جانب بڑھا جو اندھیرے میں تھا اس نے جب سیدھا ہو کر دیکھا اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی

افق حسین ارسلان اس نے اپنا تعارف کروایا اس میں ایسی بات ضرور تھی جس سے کیپٹن بشیر متاثر ہوا۔

شاید بہت ہینڈ سم تھا شاید اسکی شخصیت میں مقناطیسیات تھی

آپ کو انجینیرنگ کور والوں سے بس تھوڑی دیر میں ملواتا ہوں تب تک آپ تھوڑی دیر آرام کریں وہ جلدی میں کہہ کر واپس پلٹ گیا۔ وہ تینوں پھر خیمے میں گھسے اور زمین پر بیٹھے افق بیٹھتے بیٹھتے رک گیا اور اس کی نگا ایک چھوٹے سے پتھر پر پڑی جھک کر اٹھا اور بغور دیکھنے لگا

اس پتھر کا سائز اس کے انگوٹھے سے دگنا تھا۔ اس میں لکیر پڑی تھی اس نے کچھ دیر سوچا اور وہ جیب میں رکھ کر باہر نکل آیا

ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا تھا۔

کچھ چاہئے تھا مسٹر ارسلان؟ کیپٹن بشیر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اسے باہر آتا دیکھ کر قریب آیا

نہیں پھر آخری خیمے کی طرف اشارہ کیا یہ فوج کا ہے یہاں کوئی آیا تھا؟

میرا خیال ہے سر یہ امداد میں آیا تھا

اچھا زیادہ مسلہ تو نہیں مگر پھر بھی مجھے لگ رہا ہے اس کی شیٹ سردی کو روکنے کے لئے ناکافی ہے

نہیں سر سارے کافی گرم ہیں اور ان میں پیرا شوٹ لائنرز ہیں۔

مجھے نازک مت سمجھنا کیپٹن مگر پہلے رہنے والوں کو شکایت تو نہیں ہوئی وہ سرسری سا تھا۔

نہیں جنہیں ٹھرایا انہوں نے زکر بھی نہیں کیا۔

وہ شاید کسی ایسی جگہ کے ہوں انہیں محسوس نہ ہوا ہو

نہیں سر وہ دونوں اسلام آباد کی ڈاکٹر تھی کیپٹن نے زہین میں زور دے کر نفی میں سر ہلایا

پمپز ہسپتال۔ وہ بڑبڑایا اور پھر وہ پتھر نکال کر دیکھا

یہ کس کا ہے مجھے خیمے کے فرش سے ملا۔

یہ تو ڈاکٹر صاحبہ کے کلپ میں تھا میں غور نہیں کرتا مگر ڈھیلا تھا میں نے ان سے کہا بھی تھا کہ گرنے والا ہے قیمتی ہے خیال رکھیں مگر گر گیا۔

وہ ڈاکٹر اب کہاں ہیں اس نے عام سا پوچھا؟

وہ تو بالکل ابھی ہی اسلام آباد چلی گئیں۔

ترک کے چہرے پر پھیلتی مایوسی بشیر کو حیرت ہوئی

سر یہ آپ مجھے دے دیں میں اسلام آباد گیا تو انہیں دے دونگا

تم کب جاؤ گے

آج 23 ہے میں دو دن بعد 26 کو جاؤں گا

مجھے بھی ساتھ لے چلنا میں ان کو خود لوٹا دوں گا یہ قیمتی پتھر میرے پاس امانت رہے گا۔اس نے پتھر جیب میں ڈالا چہرے پر سنجیدگی تھی۔

عجیب بندہ ہے ابھی اسلام آباد سے آیا اور ابھی جانے کی بات کر رہا ہے اس نے دل میں سوچا

سنا تھا ترکی سے سب سے خاص انجینئر آیا مگر یہ تو۔۔۔۔پر سانوں کی

سب اپنا کام ختم کر کے سوئے بھی تھے مگر افق بنا سوئے کام میں لگا رہا بشیر کو تو بہت عجیب سا لگا

مرد ہونے کے باوجود کیپٹن بشیر نے اس جیسی خوبصورت آنکھیں نہیں دیکھی تھی۔

کورک کی ہر لڑکی اسے دیکھنے کی خواہش کرتی مگر وہ آدمی جانے کس مٹی کا بنا تھا عورت سے بات کرنا دور سر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا یہ خاموش سادہ دو اتنا بولنے والے ان کی دوستی کیسے ہو گئی۔

اس نے دو دن میں بشیر سے دو بار بات کی جب وہ دینے آیا تھا دوسری بار خیمے کے متعلق

ترکی میں ہر لڑکی کو پیدا ہوتے ہی قیمتی سونے کی چیز دی جاتی جو اس کی قیمتی متاع ہوتی ہے۔

ترک لڑکی مر سکتی ہے مگر اپنا وہ زیور کسی کو نہیں دیتی کتنی غیریب ہو اسے فروخت نہیں کرتی وہ چند منٹ کے وقفے سے کہنے لگا 28 اکتوبر کو پاکستان زلزلے میں بچوں کے سکول فنڈ جمع ہوئے ایک چھوٹی بچی کا باپ غیریب تھا اس نے اپنی وہ چوڑیاں فنڈ میں دی جو اسے بچپن میں ملی تھی ہم نے وہ متعلقہ افراد تک پہنچا دی۔

ہم پاکستانی ہونے کے ناتے ترک پر فخر ہے۔

منگل 25 اکتوبر 2005

وہ ماموں کے ایک دوست سے ملنے سی ایم ایچ آئی ہوئی تھی صبح کا وقت تھا آسمان صاف تھا بادل ابھی اسلام آباد سے دور تھے

وہ تیزی سے جا رہی تھی سڑک کے دونوں طرف دیکھا ایک درخت کے پاس مینیجر نعمان کو دیکھا

انہوں نے کئ دن کیمپ میں ساتھ گزارے تھے اب سی ایم ایچ میں ملنا اتفاق نہیں تھا وہ سی ایم ایچ آیا پریشے کا

اس سے ٹکراؤ لازم تھا۔

کیسے مزاج ہیں ڈاکٹر صاحبہ خریت سی ایم ایچ وہ چند قدموں کی دوری پر تھا اس کے قریب آ گیا۔

خریت سے ہسپتال کون آتا ہے مینجر صاحب بریگیڈیئر باجوہ کی مسسز کی حیادت کو آئی ہوں آپ کب آئے

مظفر آباد سے ؟

آج ہی صبح صبح پہنچا اور آپ کے سامنے ہوں

کیسی گزر رہی ہے مظفر آباد میں ؟

بس میم کام ہو رہا ہے کوشش تو سب کرتے اللہ سے بہتر کرے گا۔ آپ ٹھیک ہیں ؟

آئی ایم فین اور کیپٹن بشیر وغیرہ سب ٹھیک ہیں ؟

الحمد للہ سب ٹھیک ہیں۔ کچھ فارنرز بھی آئے ہوئے ہیں جو پہلے بھی تھے مگر میں جن سے مل کر آرہا ہوں ان کے جزبے نے حیران کر دیا۔ وہ بولنے کا شوقین تھا شاید۔

مسسز باجوہ کو دوسرے ڈائپانمنٹ تک لے گئے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا میں پتہ کرتا ہوں روم آجائیں تو آپ کو بتادوں گا۔

ارے منیجر نعمان میں خود دیکھ لوں گی آپ خوامخواہ تکلیف نہ کریں۔ صرف اس لیے کے وہ اس کے ساتھ کیمپ میں تھی خیال کر رہا تھا وہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

کوئی بات نہیں آپ بیٹھیں میں دیکھ کر آتا ہوں۔

نہیں میں ادھر ہوں۔ آج موسم بہت اچھا ہے اس نے سر اٹھا کر دیکھا عین اس کے اوپر بادل کا ٹکڑا روئی کی طرح تیر رہا تھا وہ اداسی میں مسکرائی اور میں ویسے بھی اچھے موسم کی دیوانی ہوں۔

اچھا پھر میں آتا ہوں دیکھ کر

وہ وہی ٹیک لگائے درخت سے بیٹے لمحے یاد کرنے لگی

جب وہ دونوں ساتھ ساتھ وادیوں اور چشموں میں پھرتے تھے ایسے ہی ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے اور ایسی ہی گھاس تھی۔ ہم گھٹیا جھاڑتے تھے افق کی پینٹ پر سرخ کیڑا گرا تھا۔

اس نے آنکھیں موند لی اس کے لب دھیرے دھیرے گنگنانے لگے۔ وہ گیت جو کبھی بارش میں بھگتے ہوئے چوڑی سڑک پر افق سنایا کرتا تھا

نہ کچھ کہو ہمیں

اس راہ کے ہم مسافر ہیں

ہم عشق میں پاگل ہیں

نہ کہو کچھ ہمیں

ہم لیلیٰ ہیں ہم مجنوں ہیں

شاید لیلیٰ نے قیس سے اتنی محبت نہیں کی جتنی پری نے اپنے کوہ پیما سے مگر آج بھی تہی داماں تھی

وہ جانے کتنی دیر ترک گیت گاتی رہی کے کسی ہٹ سے آنکھ کھولی۔

منجر سڑک پر کھڑا مسکرا رہا تھا

آپ نے غلط پروفیشن چوز کیا ڈاکٹر صاحبہ آپ تو بہت اچھا گا لیتی ہیں پھر میڈکل میں کیوں آئی؟

نہیں یہ تو بس ایسے ہی۔ وہ جھٹ سے اٹھ گئی زرد پتوں کا ڈھیر اس کی گود سے نیچے گرا۔

بر گیڈیئر کی وائف روم آچکی ہیں آپ ان سے مل لیں

وہ پھر ایک لحظے کے توقف سے سوچتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ویسے ڈاکٹر صاحبہ یہ گیت خاصا مشکل ہے کیا؟

نہیں تو۔۔ اس نے ہنس کر سر جھٹکا چند پتے ٹوٹ کر اور گرے۔ آپ یہ پاکستان میں کسی کے منہ سے نہیں سنے گئے۔

ارے نہیں میڈم یہی گیت کل میں نے افق ارسلان کو گاتے سنا تھا۔۔ وہ ساکت کھڑی منیجر نعمان کو دیکھ رہی تھی

کس کو؟؟؟ اس نے بے یقینی سے پوچھا شاید اس کی سماعت کو دھوکہ ہوا ہے۔

افق ارسلان کو آپ نہیں جانتی وہ ترک انجینئر ہے ناں اس کی بات کر رہا ہوں۔

آپ مسسز باجوہ سے مل لیں وہ تو اس دنیا کو بھول گئی

ککو کون سا ترک انجینئر؟؟ اس نے شاید غلط سنا اسے غلط فہمی ہوئی

افق ارسلان نام ہے اس کا

وہ آپ کو کہاں ملا وہ پلک جھپکانا بھول گئی

وہی مظفر آباد میں وہ ریلیف کے لیے ترکی سے آیا ہے وہ کل یہی گا رہا تھا شاید ترک گیت ہے وہ جس طرح اس کا دیکھ رہی تھی وہ الجھ گیا

مگر مگر میں نے تو مظفر آباد میں کوئی ترک انجینئر نہیں دیکھا اس کی آواز پھنسی ہوئی نکل رہی تھی

وہ اسی روز آیا تھا اسی ہیلی کاپٹر میں کرنل طارق کے ہمراہ اسی لیے اب میجر نعمان کو واضح بے چینی ہو رہی تھی۔

اسی ہیلی کاپٹر میں وہ دور کھو گئی کے آنے والے لوگوں کو وہ دیکھ نہیں پائی تھی

آر یو او کے ڈاکٹر جہاں زیب؟

وہ چونکی نہیں وہ اس کا پورا نام کیا ہے؟

میجر نعمان نے گہری سانس بھری۔۔ افق حسین ارسلان۔ اب وہ کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ اسے جانتی تھی اب کنفرم کرنا چاہ رہی تھی۔

یہ حسن حسین ارسلان کی خون پسینے کی کمائی ہے جیسے ہم یوں کوہ ہمالیہ میں جھونک رہے ہیں۔

اس کے زہین میں بہت پہلے کا افق کا فقرہ کونجا

افق ارسلان اس نے زیر لب دوہرایا

عجیب بے چینی تھی

مینیجر نعمان وہ کیسا دکھائی دیتا ہے؟ وہ کھوئے لہجے میں پوچھنے لگی۔

آ۔۔۔ وہ سوچ کر بتانے لگا۔ خاصا لمبا مجھ سے بھی دو انچ لمبا بال براؤن ہیں اور آنکھیں

اور آنکھیں وہ سانس روک کر جواب کا انتظار کرنے لگی۔

کوئی لائٹ کلر تھا

ہنی کلر؟

شاید ایسا ہی تھا سوری غور نہیں کیا یہ لڑکیوں کا شعبہ ہے وہ ہنس دیا وہ سوچ میں گم تھی۔

وہ انجینئر ہے ناں تو سر پر کیپ تو لیتا ہو گا

مینیجر نے اثبات میں سر ہلایا

اس کی کیپ پر کچھ لکھا ہو گا وہ تصدیق کرنا چاہا رہی تھی اس کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا وہ اس کا کوہ پیما ہی

ہے

نہیں کچھ نہیں لکھا تھا

اچھا اسے مایوسی ہوئی وہ افق کی کیپ پر تو لکھا تھا مگر وہ افق کی کیپ تو نہیں تھی وہ تو۔۔۔

اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو گا دو انجینئر؟ وہ بے تابی سے بولی ہاں دو انجینئرز اس میں ایک کے سر پر

کیپ تھی اس پر وائٹ کلر سے طیب اردگان کے حق میں نعرہ درج تھا۔ جینیک یقین آ گیا اس کو۔

اب کسی شک کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

تیسرا کون ہے ڈاکٹر ہے

وہ بھی انجینئر ہے کین

ان کے ساتھ کوئی ترک ڈاکٹر نہیں ہے؟

میں نے نہیں دیکھا شاید ہو۔ آپ جانتی ہیں انہیں اپنی پرابلم؟

بہت تحمل سے جواب کے بعد رہ نہیں سکا

میرا کچھ کھو گیا تھا ان پہاڑوں میں وہی ڈھونڈ رہی وہ خود سے بولی

کیا گرا تھا وہ جیم اسٹون جو خیمے میں گرا تھا؟

پریشے نے چونک کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا دیا

ہاں وہی

وہ کیپٹن بشیر کے پاس ہے بلکہ انفکٹ ان انجینئر کے ہاس ہے شاید وہ ان کے ساتھ کل آئیں

پتھر کو؟

نہیں اس انجینئر افق ارسلان کو جس نے اپ کا قیمتی پتھر اپنے ہاس رکھ لیا ہے میں بتانا بھول گیا وہ آپ کو مل جائے گا ڈونٹ وری آپ اب مسسز باجوہ سے مل لیں وہ کیا کہہ رہا تھا وہ کچھ سن نہیں پا رہی تھی

وہ جب وہاں سے آ رہی تھی اس محسوس ہو رہا تھا کوئی آیا ہے جو اس کی زندگی تھا وہ بھی اسی جگہ تھا جہاں وہ اس وقت مظفر آباد کھڑی تھی او خدا وہ کیوں چلی آئی تھی وہاں سے

نعمان کیا کہہ رہا تھا وہ کل بشیر کے ساتھ آ رہا مگر کل کو ابھی بہت گھنٹے

پڑے ہیں وہ کل کا انتظار نہیں کر سکتی اسے عجیب بے چینی ہونے لگی اسے اسے افق کے پاس جانا ہے ابھی اسی وقت

اس نے سر اٹھا کر دیکھا نعمان کب کا جا چکا تھا وہ تقریبا بھاگتے ہوئے ہسپتال میں داخل ہوئی

ریسپشن میں دو لڑکا لڑکی بیٹھے تھے وہ ان کی جانب لپکی۔

ڈاکٹر نعمان کدھر ہیں؟

رائٹ سائیڈ جائیں لیفٹ میں وہ اور کچھ بھی کہہ رہی تھی مگر پریشے پورا سنے بغیر بھاگی

وہ اگے جا کر دیکھا وہ کسی سے بات کر رہے تھے بھاگ کر ان کے پاس پہنچی

مینجر نعمان وہ پھولی ہوئی سانس سے کہنے لگی مینجر نعمان نے دوسرے کو ہاتھ سے روکا اور بھیج دیا اس کی طرف موڑا

ریلیکس ڈاکٹر صاحبہ مسسز باجوہ نہیں ملی کیا

بھاڑ میں جائیں مسسز باجوہ وہ کہتے کہتے رکی اپنی تنفس بحال کرتے بولی

آج کوئی ہیلی کاپٹر مظفر آباد جا رہا ہے؟

وہ تو روز آتے جاتے ہیں ملبہ ابھی نہیں ہٹا یا آپ کو کیا مظفر آباد جانا ہے؟

جی پلیز مجھے ابھی جانا ہے

ابھی تو۔۔وہ سوچ میں پڑ گیا شاید ہمارے کرنل مانسہرہ جا رہے ہیں تو مجھے رستے میں مظفر آباد چھوڑ دیں وہ بے تابی سے بولی

مظفر آباد مانسہرہ کے راستے میں نہیں پڑتا۔ آپ کو کوئی ایمرجنسی ہے کیا؟

ہاں وہ میرا پتھر

تو کل وہ لوگ آئیں گے ناں

مگر کل میں دیر ہے میرا پتھر قیمتی تھا چاہئے مجھے

مجھے ابھی ان سے بات کرنی ہے

بات کرنی ہے تو میں ابھی کروا دیتا ہوں

وہ کیسے پریشے کو حیرت ہوئی

غالباً کئی برس پہلے بیل نامی نے ایک چیز ایجاد کی تھی جسے فون کہتے ہیں۔

ہاں پتہ ہے مگر وہاں سگنل نہیں تھے ناں اب کچھ آنے لگے نہیں بھی ہو تو آرمی رابطہ تو ہے ناں آپ کی بات کروا دیتا ہوں

وہ چلا گیا پریشے وہی اضطرابی حالت میں انگلیاں مروڑنے لگی

اس کے پر ہوتے اڑ کر مظفر آباد اس وقت پہنچنا چاہتی تھی مجھے اس حال میں اس سے ملنا تھا دیکھنا تھا میں کیوں چلی آئی

پتہ نہیں بیس منٹ کب ہوں گے وہ افق کی آواز سنے گی اس کی روح پیاسی تھی

جانے اب وہ کیسا ہو گا ویسے ہی ہنستا ہو گا اس کا دل بے قراری میں ایسے تھا ابھی باہر آ جائے گا۔ بیس منٹ ہوئے کہ نے وہ اور انتظار نہیں کر سکتی تھی وہ منیجر نعمان کے روم کی طرف آئی جہاں وہ گیا تھا

اتنی بے قراری تھی وہ قوائد کو بھلا کر بغیر دستک داخل ہو گئی۔

منیجر نعمان میز پر رکھے فون کا ریسور کان سے لگائے بات کر رہا تھا۔

ہاں میں انہیں بلاتا ہوں بلکہ وہ آ ہی گئی۔ اس نے ہاتھ سے پریشے کا اشارہ کیا وہ خواب کی کیفیت اس تک چلی آئی۔

آپ نے کس انجینئر سے بات کرنی ہے ؟اس نے ماوتھ پسٹ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا

اووفق ارسلان اس کی آواز کپکپائی

ہاں افق ارسلان سے بات کراؤ منیجر نعمان نے ریسیور اس کی جانب بڑھایا اور کمرے سے باہر نکل آیا اور دروازہ بند کر دیا

کتنی دیر وہ سوچ میں تھی اسے کیا افق سے کہنا ہے جانے وہ افق ہے بھی کے نہیں۔

وہ بولنا چاہا رہی تھی مگر الفاظ لب پر ٹوٹ رہے تھے

دوسری طرف گہری سانس لے رہا تھا پھر اس کو آواز آئی

پاری شے ؟؟

اس لمے پوری کائنات رک گئی تھی

وہ آواز لاکھوں میں شناخت کر سکتی تھی۔ وہ اس کا افق ہی تھا۔ اس کے قدم لڑکھڑا گے اس نے میز کو مضبوطی سے تھام لیا۔

پری بولو نا میں سن رہا ہوں

وہ بے اختیار رو پڑی

افق۔۔

پری۔۔۔ وہ اداسی میں مسکرایا تھا

تم تم۔۔ کہاں ہو افق اس نے مشکل سے میز تھام کر پوچھا آنسو گر رہے تھے

میں ہمالیہ کے آسماں کے نیچے ہوں۔

ایک دفعہ پھر ہمالیہ کا آسماں دونوں کے بیچ آچکا تھا وہ پھر ان پہاڑوں میں آچکا تھا جہاں سے وہ اسے کھینچ کر لائی تھی۔

تم رو رہی ہو پری وہ بے چین سا ہو گیا

اس نے جواب نہیں دیا بے آواز روتی رہی۔

پری رومت آنکھیں صاف کرو وہ بہت دور تھا مگر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے پشت سے چہرہ صاف کیا

اب بتاؤ کیسی ہو جانے کیسے سمجھ چکا تھا اس نے آنکھیں صاف کرلی۔

بہت تہی داماں ہوں میں افق بہت ویران جانے اتنی ویرانی میرا مقدر کیوں بن گئی میں بالکل خالی ہاتھ ہوں میں نے وہ سب بھی کیا جو کسی لیلیٰ ہیر نے نہیں کیا ہو گا سوہنی کا تو گھڑا ٹوٹا تھا میرا سب کچھ دمانی کی دھند میں بکھر گیا پھر بھی منزل نہیں ملی میں نے۔۔۔ میں نے تو عشق میں صحرا کا سمندر پار کیا تھا وہ پھر رونے لگی تم۔۔ تم مجھے کیوں چھوڑ کر چلے گئے تھے افق

تم ہی نے کہا تھا بہت آہستہ بولا

میں نے کہا تھا؟

تم نے عہد لیا تھا گلیشیر پر دمانی گواہ ہے تمہیں یاد نہیں؟

میں نے عہد لیا تھا میں نے کہا تھا میں نے تو اور بھی بہت کچھ کہا تھا میں نے تمہیں کیمپ سے چلے جانے کو کہا تھا بات مانی تھی میری صرف یہی بات کیوں ماننا یاد رہا۔؟

مجھے کیوں چھوڑ گئے میں ہسپتال جاگی تو میں اکیلی تھی آج بھی میں اکیلی ہوں تم نے میرے ہوش آنے کا بھی انتظار نہیں کیا اور چلے گئے

وہ تھکے لہجے میں بولا میں نے اپنی خوشی سے وہ وعدہ نہیں نبھایا تھا

تم نے تو کہا تھا تم رہ لو گی۔

ہاں کہا تھا

پھر میں نہیں رہ سکی آنسو اسکی گردن پر پھیل چکے تھے۔

پھر خاموشی چھا گئی چند لمحے سرکے ادق نے کہا پری۔

وہ لب سی اسی طرح روتی رہی

پری میں رکنا چاہتا تھا میں صرف اور صرف تمہارے لیے گیا تم نے پاپا کے لیے کہا تھا نا

تمہیں پاپا سے زیادہ تو نہیں تھا نا میں نہیں چاہتا تھا میں ہوش میں آکر دیکھو اور کچی ڈور ٹوٹ جائے۔

ہاں تم کیوں رکتے میرا انتظار کرتے میں تمہارے لیے میں تمہارے لیے ہمالیہ کے پہاڑوں سے لڑی تھی۔ تم کیوں لڑتے میرے لئے افق تم نے محبت کی ہوتی تو وہ بچوں کی طرح رو کر دو مہنوں کا غبار نکال رہی تھی

وہ زخمی دل کے ساتھ مسکرایا ہاں واقعی میں نے محبت نہیں کی تھی میں نہیں کر سکا کوشش بہت کی صرف محبت کر سکوں مگر میں نے تم سے محبت نہیں کی تھی پری میں نے تم سے عشق کیا تھا۔ محبت کی ہوتی تو تمہیں باپ کے بارے میں بغاوت پر مجبور کرتا. محبت کی ہوتی واپس نہیں آتا میں نے محبت ہی تو نہیں کی

وہ خاموشی سے سن رہی تھی اسے کہ اس نے محبت نہیں عشق کیا تھا۔

افق۔۔وہ کچھ اور نہیں کہہ سکی کہ آنسو پھر امنڈ پڑے

پری تمہارے پاپا

وہ نہیں رہے۔۔وہ بھی مجھے چھوڑ گئے

میں جانتا ہوں

وہ چونکی تم کیسے جانتے ہو؟

وہ بہت مشہور آدمی تھے تم نے ایک دفعہ ان کا پورا نام بتایا تھا ان کے انتقال کی خبر میں نے پڑھی تھی وہ دو ماہ میں نے بند کمرے میں اخبار پڑھنے کا کام ہی تو کیا۔ میں تم سے ان کا افسوس بھی نہیں کر سکا۔

میرے پاس تمارا کوئی نمبر نہیں تھا نہ کوئی تعلق رہ تھا۔

تعلق تعلق تو تھا افق۔۔

وہ تعلق تو دنیا کے آنے سے پہلے کا تھا

اب اس کے دل کا کچھ بوجھ ہلکا ہوا تھا۔

پری کچھ دیر میں افق نے پکارا میں آجاؤں؟

کیا تمہیں اب بھی یہ پوچھنے کی ضرورت ہے

میں کل آرہا ہوں مجھے ویسے بھی تمہارا پتھر دینا ہے

مجھے پتہ ہے منیجر نعمان نے بتایا کہ پتھر بلکہ جیم سٹون تمہارے پاس ہے وہ اب سنبھل چکی تھی میز کو بھی چھوڑ دیا تھا

جیم سٹون؟؟ وہ دھیرے سے ہنسا

اتنے اچھے فوجی دھوکہ کھا گئے تو تم انہیں مت بتانا کے یہ کیچر پر لگا معمولی سا پتھر تھا

نہیں میں کیوں بتاؤں گا میرے لیے یہ قیمتی ہے جیسے وہ تصویر تھی۔

منیجر عاصم نے دے دی تھی وہ؟؟

ہاں مل گئی تھی مجھے وہی گیت بہت اچھا لگتا تھا جو تم نے بالکونی میں سنایا تھا وہ سر جھکائے میز کا کونا کھورج رہی تھی

۔

میں کل آ رہا ہوں اب رونا نہیں

اچھا نہیں روتی۔

افق تم نے آخری دفعہ ہسپتال میں میرے کان میں کیا کہا تھا؟

وہی جو اس تصویر پر لکھا تھا۔

وہ ہنس دی اچھا پھر کسی خیال میں پوچھنے لگی۔ سنو

ہوا بولو

تم کدھر آؤ گے ؟

پہر اسلام آباد

نہیں وہاں مت آنا وہ سوچ کر بول رہی تھی۔

کیوں وہ حیران ہوا

افق تمہیں یاد ہے پہاڑوں کے بیچ مجھے ایک شہزادہ ملا تھا

جب بیچ سڑک شہزادے کو پری ملی تھی وہ مسکرایا

تمہیں یاد ہے مارگلہ کی پہاڑوں پر میں برف میں بیٹھی تھی تم گھوڑا دوڑاتے آئے تھے

ہاں بولا ہی کب ہوں

تو میں چاہتی ہوں ہم وہی ملیں میں پتھر پر تمارا انتظار کروں تم اسی طرح گھوڑا دوڑا کر آؤ میں کہوں کہ تصویر اتار سکتی ہوں پھر میں تمارے کیمرے سے تمہاری تصویر لوں گی۔ ہم اسی جگہ ملیں گے ہم تصور کریں گے تین ماہ ہماری زندگی میں جیسے آئے ہی نہیں۔۔

©©©©©©©®®®®®©©©©©©©

تم کبھی نہیں بدلو گی پریشے جہاں زیب۔ تم ہمیشہ عام چیزوں میں بھی خوبصورتی تلاشتی رہو گی۔ وہ اس کے خوبصورت تخیل پر ہنس دیا۔

تم بھی تو یہی کرتے ہو میں دعا کروں گی گل بھی مارگلہ پر ایسے بادل اتارے۔ جیسے تین ماہ تین دن پہلے اترے تھے۔

میں دعا کروں گا میری پری مجھے اسی طرح سفید اور گلامی رنگ میں ملے تم کل وہی کپڑے پہننا جو اس روز پہنے تھے۔

پریشے نے اپنے جوگرز کو دیکھا کیا وہ یہی پہن کر افق سے ملنے جائے گی۔ نہیں وہ نئے خریدے گی افق کو کون سا ان کا ڈائزائن یاد ہو گا مردوں کو ایسی باتیں یاد کہاں رہتی ہیں بھلا۔

ٹھیک ہے تم بھی وہی جیکٹ پہننا پھر چند لمحے دونوں خاموش رہے دونوں نے کچھ سوچا اور ایک ساتھ بولے اور تم وہی والا۔۔ مگر کچھ یاد آنے پر دونوں خاموش اکٹھے بولے تھے ایک دوسرے کی بات نہیں سن پائے تھے۔

کل تمہارے ماموں کے پاس چلیں گے وہ ابھی پچھلی بات میں ہی تھی بے دھیانی میں بولی وہ کیوں؟؟

تمہیں ٹام کروز نے پرپوز کیا تھا بس وہی لے کر جائیں گے پھر دونوں ہنس دیے اچھا آدمی ہ کر لوں گی میں اسی سے شادی۔

ہاں مگر مجھے قتل کر کے کرنا اس سے وہ جل کر بولا پھر خود ہی ہنس دیا۔

اچھا اب میں فوج کا مزید خرچہ نہیں کرواتی فون بند کرو کل تین بجے ملتے ہیں

میں ریلیف کے لیے آیا ہوں مگر کل کے لئے ٹائم نکال لوں گا۔

میرے لیے سب سے اہم کام تم ہو مجھے یاد ہے رگا پوشی میں تمہارے آنسو گرے تھے وہ آنسو تمہیں لوٹانے ضرور آؤں گا

اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا

آج کتنے عرصے بعد وہ پر سکون تھی

اس نے آنکھیں میچ کر ایک طمانیت بھری سانس لی اور پھر آنکھیں کھول دیں.

وہ کمرہ کتنی خوب صورتی سے آراستہ تھا کھڑکی سے باہر نظر آتا پودا کرنا سر سبز تھا اور فضا کتنی پر سکون تھی وہ باہر نکل آئی.

میجر نعمان اسے تھوڑی دیر بعد مل گیا تھا. ہو گئی بات ؟ اب خوش ہیں ؟

پریشے نے بچوں کی طرح اثبات میں سر ہلایا دیا.

چلیں یہ تو اچھی بات ہے وہ سمجھ چکا تھا کہ معاملہ محض پتھر کا نہیں تھا.

وہ اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی آئی.

آج اسے بہت سارے کام کرنے تھے.

وہ پورا گھنٹہ مظفر آباد کی مسمار کانوں کے قریب متلاشی نگاہوں سے کچھ کھوجتا رہا تھا مگر اس کی وہ شے اسے مل کے ہی نہیں دے رہی تھی.

جانے کب وہ مایوس سا چلتا ہائی کورٹ لانز آ گیا.

ہائی کورٹ میں بھی خیمہ بستی نصب تھی. وہاں ایک جگہ گھاس پر بے تحاشا گرم کپڑوں ٹوپیوں اور موزوں کا ڈھیر لگا تھا. ارد گرد چند لوگ پھر رہے تھے مگر امداد کے اس ڈھیر سے کوئی کچھ نہیں اٹھا رہا تھا پھر بھی اس نے متلاشی نگاہوں سے اس ڈھیر کو دیکھا اس کی مطلوبہ چیز وہاں بھی نہیں تھی.

وہ مایوسی سے پلٹنے لگا تھا جب اسے دور ایک درخت کے تنے کے ساتھ ایک کم عمر لڑکی بیٹھی دکھائی دی جس کے سر پر ہاتھ سے بنا ہیٹ تھا.

اس کی مراد بر آئی تھی.

وہ اسی طرح جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز قدموں سے چلتا ہوا اس تک آیا.

بات سنو! اس کے بالکل سامنے جا کر افق نے اسے مخاطب کیا.

لڑکی نے گردن اوپر اٹھائی. اس کے بال بھورے اور رخسار سیبوں کی طرح سرخ تھے. اس کا حلیہ دیکھا کر افق کو قدرے تذبذب ہوا.

انگریزی سمجھتی ہو؟

ہاں میں یونیورسٹی کی سٹوڈنٹ ہوں۔ دھوپ سے سرخ چہرے پر سوگواریت بکھر گئی۔اب کہاں کی یونیورسٹی اور کہاں کی انگریزی سب کچھ راکھ ہو گیا خیر تم بتاؤ تمہیں کچھ چاہے؟؟

ہاں مجھے تمارا ہیٹ چاہئے۔ وہ اسی طرح اس کے سامنے گردن جھکائے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اور لڑکی ویسے ہی درخت سے ٹیک لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔

میرا ہیٹ؟؟اس نے اپنی سبز آنکھیں حیرت سے سکیڑی۔اس بدرنگ پرانے ہیٹ کا کیا کرو گے۔

مجھے کسی کو گفٹ کرنے کے لیے ہیٹ چاہئے۔ مگر مظفر آباد میں مجھے تمہارے ہیٹ کے سوا کسی کا دیکھائی نہیں دیا۔

یہ تو بہت پرانا ہے تین سال شاید پہلے بنایا تھا لڑکی سر سے ہیٹ اتار کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔

اوہ مطلب تم ہیٹ بنا سکتی ہو بلاشبہ یہ بہت مشکل کام ہے

ہے تو مگر میری پھوپھی نے مجھے سکھایا تھا خیر تمہیں ہیٹ چاہئے؟ میرے گھر میں شاید کوئی رکھا ہو ہو

اس نے اسے دوبارہ سر پر پہن لیا۔

ہاں سادہ سا ہو ایک اوپر کھلا گلاب ضرور ہو جس کی پتیاں سیاہ ہو کر مر جا گئی ہوں

وہ حیرت سے باسی گلاب کا کیا فائدہ؟

میں تمہیں یہ بات نہیں سمجھا سکتا جسے دوں گا اسے باسی گلاب اچھا لگے گا۔

وہ فون پر اسے یہی ہیٹ پہن کر آنے کو کہنا چاہتا تھا مگر اسے یاد آیا کہ وہ ہیٹ تو بہت پہلے اشو میں گر چکا تھا ان دونوں نے عشق میں بہت کچھ کھویا تھا اب اسے پریشے کے حصے کی چیز اسے لوٹانی تھی۔

تم نے اسے وہ ہیٹ کب دینا ہے؟

لڑکی نے دلچسپی سے اسے دیکھا جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالے اونچا لمبا غیر ملکی وجیہہ مرد اسے خاصی دلچسپ لگ رہا تھا

کل سہ پیر.

تو پھر صبح تازہ گلاب ہی لگا دوں گی سہ پیر تک تو وہ مرجھائے گا. میں صبح روشنی ہونے کے بعد گر اں توڑوں گی ایسے وہ جلدی مرجھاتے ہیں منہ اندھیرے توڑو تو وہ زیادہ دیر فریش رہتے ہیں.

واہ تم تو بہت عقل مند لڑکی ہو. شہد رنگ آنکھوں میں ستائش اترا

آئی۔ خیر مجھے کل صبح ہوتے وہ ہیٹ نیلم سٹیڈیم میں کا دیناوہاں جو آرمی کا آخری کونے والا سبز خیمہ ہے ناں وہ ہے وہاں آجاناویسے کتنے پیسے لوگی ہیٹ کے؟؟

لڑکی بہت دکھ سے مسکرائی:"تم کہاں سے آئے ہو"؟

"ترکی سے"

"کیاڈاکٹر ہو؟"

"نہیں انجنیئر ہوں" .

پھر تم پہاڑوں میں بسنے والے لوگوں کی مدد کر وہ میری طرف سے ترکی سے آنے والے انجنیئر کے لیے تحفہ ہو گا. تمہیں شام میں ہی لادوں گئ" .

نہیں ابھی تو ہم کچھ لوگ دور ریموٹ ایریاز امداد لے کر جارہے ہیں شام تک تو شاہد ہئ آئیں. تم صبح آجانااور تحفہ کاشکریہ. وہ کہہ کر پلٹنے لگا.

سنو تم نے وہ ہیٹ دیناکسے ہے؟لڑکی کئ آواز میں تجسس تھا.

افق نے ایک لمحہ کو مڑ لر دیکھا پھر مسکراتے ہوئے شان جھٹکے تہمیں کیوں بتاوں؟

کتنے مہنیوں بعد وہ آج کھل کر مسکرایا تھا. پھر مزید کچھ کہے بغیر وہ وہاں سے چلا آیا.

اس کے دوست اس کا انتظار کر رہے ہوں گے ان سب نے ابھی آگے پہاڑوں میں جانا کا سوچتے ہوئے اس نے اپنے قدم تیز کر دیئے.

آپ کے باس اندر ہیں؟ وہ سی ایم ایچ سے سیدھی ماموں کے آفس گئ تھی اور اب ان کے آفس کے باہر ایک لمحہ کو رک کر ان کی سیکرٹری سے استفسار کر رہی تھی.

جی مگر ابھی وہ دبئ کے لیے نکلنے ہئ والے ہیں آپ کچھ دن.....

"وہ ان سنی کرتی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئ.

دروازے کی سیدھ میں کافی دور آبنوسی میز. کے پیچھے ماموں اپنی چیئر پر بیٹھے میز کی سطح پر رکھی فائل پہ جھکے کچھ لکھ رہے تھے. آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا پھر مشفقانہ انداز میں مسکرائے.

آؤ بیٹا!"انہوں نے فائل ایک طرف رکھ دی. آج آفس میں؟ خیریت؟"

جی بس ایک بات کرنی تھی. وہ طویل کرسی کھینچ کر بیٹھ گئ.

ہوں لہو ویسے اچھے ٹائم پہ آئی ہو میں ابھی فلائٹ کے لیے نکل ہئ رہا تھا. خیر بتاؤ کیا پیو گی چائے یا کافی؟؟

نہیں رہنے دیں. مجھے بس بات کرنی تھی.

چلو بتاؤ کون سی ایسی ضروری بات تھی. وہ اپنا سارا کام چھوڑ کر بہت دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھے.

پریشے نے بمشکل تھوک نگلا. ہمت کر کے تو آ گئی مگر اب بات کیسے کرے؟ شاہد اسے مامی سے پہلے بات کرنی چاہیے تھی یوں براہ راست ماموں سے بات کرنا مناسب نہ تھا لیکن. نہیں ماموں نے آج چلے جانا تھا اور پھر ہفتے بعد ان کی واپسی تھی. وہ اب اور انتظار نہیں کر سکتی تھی.

وہ.....ماموں.....میں دراصل. وہ رکی ہچکچائی اور پھر انگلی سے انگوٹھی نکال کر سامنے میز کی چمکتی سطح پر رکھ دی.

آپ یہ پھپھو کو واپس کر دیں.

نظریں گود میں دھرے ہاتھوں پر جمائے وہ آہستہ سے بولی. اس میں اس وقت نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں تھی. وہ اور افق بعض معاملات میں بہادر اور بعض میں بہت بزدل تھے.

کچھ دیر تک ماموں کچھ نہ بولے تو اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا.

وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے.

آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آیا کہ میں پاپا کی خواہش کیوں پوری نہیں کی؟"

"خواہشات زندگی تک ہوتی ہیں. جو چلے جاتے ہیں ان کی خواہشات کے پورا ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا عموماً ہم لوگ دوسروں کی زندگیوں میں ان کو دکھ دیتے ہیں اور ان کی موت کے بعد ان کے لیے تسبیحات پڑھتے ہیں. تم نے پری اپنے پاپا کی زندگی میں کبھی نافرمانی نہیں کی. ان کی ہر بات پر سر جھکایا ہر حکم کی تعمیل کی. تمہارے پاپا تم سے راضی ہو کر گئے ہیں. تمہاری شادی جس سے بھی ہو اب انہیں فرق نہیں پڑے گا. انہیں صرف اس بات

فرق پڑے گا کہ تم خوش ہو یا نہیں؟"

"آپ لوگ بھی اس رشتے سے ناخوش تھے ناں۔؟" ماموں کی باتوں سے اس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔

"ہم قطعا" خوش نہیں تھے مگر اس میں جہانزیب کا قصور بھی نہیں تھا۔ بھانجے بھتیجے سب ہی کو پیارے ہوتے ہیں۔ نشاء کے منگنی بھی تو میں نے تمہارے مامی کے بھتیجے سے کی ہوئی ہے۔ اپنے رشتوں کے باعث انسان جانتے بوجھتے ہوئے بہت کچھ نظر انداز کر دیتا ہے۔"

"پھر بجی آپ نے پاپا کے انتقال کے بعد یہ رشتہ ختمکرنے کا نہیں سوچا؟"

"میں کئی دنوں سے تمہارے منہ سے یہ سب سننے کا منتظر تھا۔ آج میرا انتظار ختم ہو گیا۔" ماموں شفقت سے مسکرائے۔

"آپ یہ پھپھو کو۔۔۔میرا مطلب ہے کس بنیاد پر۔۔۔" اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"وہ میرا مسلئہ ہے۔"

"لیکن پھر بھی وہ بہت شور مچائیں گی۔" وہ وقتعا پریشان تھی۔

"بیٹا! میری بھی تو کوئی بات ہے ناں؟ اگر اتنا حوصلہ کر کے مجھ پر اعتماد کر کے یہ سب کہا ہے تو میں کہہ رہا ہوں کہ میں سنبھال لوں گا تو تمھیں اس بات میں سوچ کر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے تفکر سے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"تھینک یو ماموں! میں چلتی ہوں۔" پھر وہ گھڑی دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے مڑی۔ "آپ پھپھو سے کب بات کریں گے۔؟"

"دبئی سے واپسی پر۔"

"اچھا۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔

"پری بیٹا۔"

وہ دروازے کے قریب تھی جب انھوں نے اسے پکارا۔ وہ دروازے کی ناب پر ہاتھ دھرے مڑی۔

"جی ماموں"!

"بیٹا اپنے پاپا کے بارے میں کبھی بدگمان نہ ہونا۔ اپنے بھانجوں سے ہر بیٹی کے باپ کو بہت امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اگر تمھیں لگتا ہے کہ راکاپوشی جانے کی اجازت نہ ملنے پر تمھاری ناخوشی محسوس کر کے تمھارے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کر دینے والا باپ زندگی کے سب سے اہم معاملے پر سنگ دل ہو گیا تھا تو تم غلط ہو۔ اسے

اندازہ تھا کہ تم ناخوش ہو مگر اسے بھانجا اتنا پیارا تھا کہ اس کے خیال میں سیف سے شادی کرا کر وہ تمھیں زندگی کی تمام خوشیاں دے رہا تھا۔ تمھارے پاپا کی سوچ ہر مشرقی باپ کی طرح یہی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کا برا بھلا زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے۔ وہ ایک بہترین باپ تھا۔ اس نے ہر حال میں تمھارے لیے بہترین ہی سوچا تھا۔" وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"آئی نو ماموں! میں پاپا سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔ شاید میں سیف سے شادی کر بھی لیتی مگر۔۔۔ بس دل نہیں مانتا۔" وہ اس سے آگے کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی' مگر رک گئی۔ یہ بات اسے ماموں کی واپسی پر کرنی تھی۔

"خدا حافظ ماموں"!

وہ وہاں سے چلی آئی۔ اب اس کا رخ مارکیٹ کی طرف تھا۔

جناح سپر میں ایک ایسی شاپ تھی جہاں سے اکثر وہ غیر ملکی نوادرات خریدتی رہتی تھی۔

"مجھے ترکی کا جھنڈا چاہیے۔"

اس شاپ میں آکر اس نے سیلز مین سے کہا۔

افق کو فون پر وہ وہی مفلر پہن کر آنے کی تاکید کرنے لگی تھی مگر تب اسے یاد آیا تھا کہ وہ مفلر تو بہت اوپر راکاپوشی کی برف میں آنے والی کئی صدیوں کے لیے دفن ہو چکا تھا۔

اب اسے ویسا ہی ایک مفلر افق ارسلان کو گفٹ کرنا تھا۔

"ترکی کا جھنڈا تو نہیں ہے۔" سیلز مین نے چند منٹ بعد بتایا۔

"اچھا۔" اسے مایوسی ہوئی۔ "لیکن آپ منگوا کر تو دے سکتے ہیں ناں! مجھے کل صبح تک چاہیے۔"

"کل تک۔" سیلز مین سوچ میں پڑ گیا۔

"میں دس گنا اوپر قیمت دے دوں گی' مگر مجھے ہر حال میں ترکی کا جھنڈا کل تک چاہیے" اس کو انداز دوٹوک تھا۔

"جی جی۔۔۔ شیور کل صبح آپ اٹھا لیجیے گا

وہاں سے وہ جوتوں کی دکان تک آئی- اپنے پرانے جوگرز سے ملتے جلتے سفید اور گلابی رنگوں والے جوگرز خریدے- اب اسے ہسپتال جا کر اسے استفعی دینا تھا- کل سے وہ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی تھی- نئی زندگی, جس سے اسے گزرے ہوئے تین ماہ اور پہاڑوں کو منہا کرنا تھا-

سامان گاڑی میں رکھ کر اس نے اوپر آسمان کو دیکھا- اب نیلی چادر میں جگہ جگہ سفیدی رنگ رہی تھی- سیاہ بادلوں کا جھنڈ ابھی اسلام آباد سے کافی دور تھا- کاش وہ بادل کل اسی جگہ اور اسی وقت مارگلہ کی پہاڑیوں پر اتریں, جب وہ افق سے ملنے جائے-

ٹھنڈی ہوا اس کے مخالف سمت سے چلی اس کے بال بار بار چہرے پر بکھر رہی تھی- اس نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل, چند لمحوں کے لیے آنکھیں موند کر ہوا کی خشبو سونگھی اور درختوں پر پھدکتی ہواؤں کی سرگوشیاں اور قدموں تلے بولتے پتھروں کی باتیں سنیں اور پھر آنے والے دن کی خوشیوں کا تصور کرتے ہوئے وہ آنکھین کھول کر گاڑی میں بیٹھنے ہی لگی تھی کہ دور کہیں سے اڑ کر آتے دو کوؤں نے اس کے سر کے پچھلے حصے پر اپنی چونچیں ماریں- اس کے لبوں سے کراہ نکلی- اسی پل وہ آسمان پر اڑتے چلے گئے-

وہ سر کا پچھلہ حصہ سہلاتے ہوئے خوفزدہ نگاہوں سے افق پر غائب ہوتے ان کوؤں کا کرتی رہی-

کیا پھر کوئی بری خبر اس کی منتظر تھی یا وہ ضرورت سے زیادہ توہم پرست ہو چکی تھی؟

وہ سر جھٹک کر کار میں بیٹھ تو گئی مگر اب ان دونوں کوؤں کو ذہن سے جھٹکنا اس کے لیے بہت مشکل تھا-

..................*

مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب اتنی اچانک کیسے ہو گیا؟ خیمے میں رکھی چوتھی کرسی کھینچتے ہوئے جینیک نے بے حد حیرت سے پوچھا-

باقی تین کرسیوں پر افق, کنین اور احمت بیٹھے تھے-

میں نے اسے کنیکٹ کیا اور کل میں اس سے ملنے جا رہا ہوں, ڈیٹس اٹ-وہ بظاہر لاپرواہی سے مگر لبوں پر بکھری آسودہ مسکراہٹ چھپا نہیں سکا-

تم خوش قسمت ہو-ایک مجھے دیکھو منگنی سے دو دن پہلے کال آگئی کہ کشمیر جانا ہے-جینیک مصنوعی تاسف سے سر جھٹکا-اس کی منگنی ملتوی ہو چکی تھی اور اس نے خود ہی کی تھی-یہ وہی تھا جو

ان سب کو وہاں لایا تھا-

پھر تم ہمارے ساتھ ان ریموٹ ایریاز میں نہ ہی جاو تو بہتر ہے-احمت نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سنجیدگی سے کہا-دیکھو, ہمیں وہاں ملبے تلے دبے لوگ نکالنے ہیں-تمام عمارتیں آدھی کھڑی ہوں گی اور اگر ریسکیو ورق کہ دوران کسی آفٹر شاک سے پوری کی پوری عمارت تمہارے اوپر گر گئی تو ہم ڈاکٹر پریشے کو کیا جواب دیں گے؟

احمت, بندے کی شکل اچھی نہ ہو تو بات تو اچھی کر لینی چاہیے-افق نے خفگی سے اسے دیکھا-

میری شکل بہت اچھی ہے-آنے کہتیں ہیں مجھ سے زیادہ خوبصورت بچہ اس نے ترکی میں نہیں دیکھا تھا

ہر ماں یہی کہتی ہے - میری ماں بھی یہی کہتی تھی, اصل اوکات تو یونیورسٹی کی لڑکیوں نے بتائی تھی - کینن ہنس کر بولا -

چلو ہم جا رہے ہیں تم نے چلنا ہے ? جینیک سامان بیک پیک میں بند کر رہا تھا -

آف کورس - تمہیں کیا بھول گیا ہے کہ میں اور تم ہمیشہ ہر جگہ اکٹھے جاتے ہیں - وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا -

ہاں, لیکن تمہیں کل اسلام آباد جانا ہے - وہ علاقہ دور ہے, شاید تمہاری کل صبح تک واپسی نہ ہو سکے -

کوئی فرق نہیں پڑتا - اگر دیر ہو گئی تو .... تو میں کل کے بجائے پرسوں چلا جاوں گا لیکن ہمیں ساتھ ہی جانا ہے - یاد ہے ہمارا موٹو تھا کہ افق اور جینیک جنت میں بھی اکٹھے ہی جائیں گے - وہ ہنس کر کہتے ہوئے اپنا سامان سمیٹنے لگا -

بات صرف جینیک کے ساتھ جانے کی نہیں تھی, اس کا دل اندر ہی اندر ان لوگوں کا سوچ کر تڑپ رہا تھا جو اتنے دن گزرنے کے بعد بھی ملبے تلے دبے تھے - آج انہوں نے مظفر آباد سے چند لوگوں کو زندہ نکال لیا تھا, سو اسے امید تھی کہ وہاں کچھ جانیں تو ہو نگی جنہیں وہ ظالم پتھروں سے نکال سکیں گ ۓ -

ان کے گروپ میں کراچی یونیورسٹی کہ کچھ اسٹوڈ نٹس, چند جوان اور وہ چاروں ترک تھے - ہیلی کاپڑ نے انہیں دو پہاڑ دور ایک جگہ اتارا تھا, جہاں سے چھ گھنٹے پیدل سفر کر کے وہ اس بستی

وہاں سے وہ جوتوں کی دکان تک آئی- اپنے پرانے جوگرز سے ملتے جلتے سفید اور گلابی رنگوں والے جوگرز خریدے- اب اسے ہسپتال جاکر اسے استعفی دینا تھا- کل سے وہ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی تھی- نئی زندگی, جس سے اسے گزرے ہوئے تین ماہ اور پہاڑوں کو منہا کرنا تھا-

سامان گاڑی میں رکھ کر اس نے اوپر آسمان کو دیکھا- اب نیلی چادر میں جگہ جگہ سفیدی رنگ رہی تھی- سیاہ بادلوں کا جھنڈ ابھی اسلام آباد سے کافی دور تھا- کاش وہ بادل کل اسی جگہ اور اسی وقت مارگلہ کی پہاڑیوں پر اتریں, جب وہ افق سے ملنے جائے-

ٹھنڈی ہوا اس کے مخالف سمت سے چلی اس کے بال بار بار چہرے پر بکھر رہی تھی- اس نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل, چند لمحوں کے لیے آنکھیں موند کر ہوا کی خشبو سونگھی اور درختوں پر پھدکتی ہواؤں کی سرگوشیاں اور قدموں تلے بولتے پتھروں کی باتیں سنیں اور پھر آنے والے دن کی خوشیوں کا تصور کرتے ہوئے وہ آنکھین کھول کر گاڑی میں بیٹھنے ہی لگی تھی کہ دور کہیں سے اڑ کر آتے دو کوؤں نے اس کے سر کے پچھلے حصے پر اپنی چونچیں ماریں- اس کے لبوں سے کراہ نکلی- اسی پل وہ آسمان پر اڑتے چلے گئے-

وہ سر کا پچھلہ حصہ سہلاتے ہوئے خوفزدہ نگاہوں سے افق پر غائب ہوتے ان کوؤں کا کرتی رہی-

کیا پھر کوئی بری خبر اس کی منتظر تھی یا وہ ضرورت سے زیادہ توہم پرست ہو چکی تھی؟

وہ سر جھٹک کر کار میں بیٹھ تو گئی مگر اب ان دونوں کوؤں کو ذہن سے جھٹکنا اس کے لیے بہت مشکل تھا-

..................*

مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب اتنی اچانک کیسے ہو گیا؟ خیمے میں رکھی چوتھی کرسی کھینچتے ہوئے جینیک نے بے حد حیرت سے پوچھا-

باقی تین کرسیوں پر افق, کنین اور احمت بیٹھے تھے-

میں نے اسے کنیکٹ کیا اور کل میں اس سے ملنے جا رہا ہوں, ڈیٹس اٹ- وہ بظاہر لاپرواہی سے مگر لبوں پر بکھری آسودہ مسکراہٹ چھپا نہیں سکا-

تم خوش قسمت ہو- ایک مجھے دیکھو منگنی سے دو دن پہلے کال آگئی کہ کشمیر جانا ہے- جینیک مصنوعی تاسف سے سر جھٹکا- اس کی منگنی ملتوی ہو چکی تھی اور اس نے خود ہی کی تھی-

ان سب کو وہاں لایا تھا-

پھر تم ہمارے ساتھ ان ریموٹ ایریاز میں نہ ہی جاو تو بہتر ہے- احمت نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سنجیدگی سے کہا- دیکھو, ہمیں وہاں ملبے تلے دبے لوگ نکالنے ہیں- تمام عمارتیں آدھی کھڑی ہوں گی اور اگر ریسکیو ورق کے دوران کسی آفٹر شاک سے پوری کی پوری عمارت تمہارے اوپر گر گئی تو ہم ڈاکٹر پریشے کو کیا جواب دیں گے؟

احمت, بندے کی شکل اچھی نہ ہو تو بات تو اچھی کر لینی چاہیے-افق نے خفگی سے اسے دیکھا-

میری شکل بہت اچھی ہے-آنے کہتیں ہیں مجھ سے زیادہ خوبصورت بچہ اس نے ترکی میں نہیں دیکھا تھا ہر ماں یہی کہتی ہے-میری ماں بھی یہی کہتی تھی, اصل اوکات تو یونیورسٹی کی لڑکیوں نے بتائی تھی-کینن ہنس کر بولا-

چلو ہم جا رہے ہیں تم نے چلنا ہے? جینیک سامان بیک پیک میں بند کر رہا تھا-

آف کورس-تمہیں کیا بھول گیا ہے کہ میں اور تم ہمیشہ ہر جگہ اکٹھے جاتے ہیں-وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا-

ہاں, لیکن تمہیں کل اسلام آباد جانا ہے-وہ علاقہ دور ہے, شاید تمہاری کل صبح تک واپسی نہ ہو سکے-

کوئی فرق نہیں پڑتا-اگر دیر ہو گئی تو........ تو میں کل کے بجائے پرسوں چلا جاوں گا لیکن ہمیں ساتھ ہی جانا ہے-یاد ہے ہمارا موٹو تھا کہ افق اور جینیک جنت میں بھی اکٹھے ہی جائیں گے-وہ ہنس کر کہتے ہوئے اپنا سامان سمیٹنے لگا-

بات صرف جینیک کے ساتھ جانے کی نہیں تھی, اس کا دل اندر ہی اندر ان لوگوں کا سوچ کر تڑپ رہا تھا جو اتنے دن گزرنے کے بعد بھی ملبے تلے دبے تھے-آج انہوں نے مظفر آباد سے چند لوگوں کو زندہ نکال لیا تھا, سو اسے امید تھی کہ وہاں کچھ جانیں تو ہونگی جنہیں وہ ظالم پتھروں سے نکال سکیں گ ۓ-

ان کے گروپ میں کراچی یونیورسٹی کہ کچھ اسٹوڈنٹس, چند جوان اور وہ چاروں ترک تھے - ہیلی کاپڑر نے انہیں دو پہاڑ دور ایک جگہ اتارا تھا, جہاں سے چھے گھنٹے پیدل سفر کر کے وہ اس بستی

پہنچے تھے' جہاں 8 اکتوبر کے بعد کوئی نہیں آیا تھا۔

وہ چھوٹا سا گاوں نما قصبہ تھا' جس تک پہنچنے کے زمینی راستے لینڈ سلائڈنگ کے باعث بند ہو چکے تھے۔ ہر سو عمارتوں کا ملبہ بکھرا تھا۔ کیا گھر اور کیا اسکول' سب سے منہدم ہو چکا تھا۔

وہ ایک بڑی عمارت تھی جو آدھی منہدم ہو چکی تھی اور باقی آدھی سلامت کھڑی تھی۔ 8 اکتوبر کے بعد شاید کوئی شخص اس کے قریب نہیں پھٹکا تھا' وجہ اس کا آدھا کھڑا حصہ تھا جو اتنا کمزور تھا کہ محض ایک آفٹر شاک ہی اسے زمین بوس کرنے کو کافی تھا۔

" یہ اتنی بڑی عمارت ہے' غالبا" گورنمنٹ کا کوئی ادارہ ہے۔ یقینا" اندر بہت سے لوگ ہوں گے اور ہو سکتا ہے کچھ زندہ بھی ہوں۔ "

افق کے پیچھے جب کوئی بھی اس عمارت میں داخل نہ ہوا تو وہ باہر نکل کر ان تمام لوگوں سے کہنے لگا۔

"اتنے دن بعد تو شاید ہی کوئی زندہ ہو۔" ایک لمبے لڑکے نے مایوسی سے کہا۔

"مگر آج انھوں نے مظفر آباد دے کچھ لوگ نکالے ہیں۔ اس لیے میں اندر جو رہا ہوں' کسی نے آنا ہے تو آئے اور جو آفٹر شاک کے ڈر سے باہر رکنا چاہتا ہے وہ رک جائے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر اپنے آلات لیے اندر داخل ہوا۔ فوجیوں اور ترکوں نے اس کی تقلید کی۔

وہاں ہر طرف ملبہ بکھرا تھا۔ شاید کوئی اسکول تھا جس کے آدھے سے زیادہ کمرے منہدم ہو چکے تھے' کچھ کی چھتیں بھی آدھی گر چکی تھیں۔

جس کمرے میں وہ داخل ہوا اس کی چھت آدھی سے زیادہ زمین بوس ہو چکی تھی۔ وہ اور ایک جوان زمین پر بکھرے پتھر اٹھانے لگے۔ تھوڑی دیر بعد اسے بڑے بڑے پتھروں اور سریے کے ٹکڑوں کے درمیان چند کاغذ دکھائی دیئے۔ اس نے جھک کر وہ کاغذ اٹھائے اور انہیں آنکھوں کے قریب لایا۔ ان پر اعداد میں کچھ لکھا تھا۔

"یہ دیکھو' کیا لکھا ہے؟" افق نے سامنے موجود جوان کی جانب وہ کاغذ بڑھایا' جس نے ٹارچ اس پر کرتے ہوئے پڑھنا شروع کیا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ کلاس کے سارے بچے بہت چیخ رہے ہیں۔ مجھے بھی رونا آرہا ہے مگر میں رووں گی نہیں۔ مجھے پتا ہے ابھی کوئی مجھے بچالے گا۔ ابھی ابو آجائیں گے۔ وہ یہ ڈیسک ہٹادیں گے جو میرے اوپر گرا پڑا ہے۔"

کچھ سطور چھوڑ کر لکھا تھا۔

"میری ٹانگ میں بہت درد ہو رہا ہے۔ کچھ نظر بھی نہیں آرہا' یہاں بہت ڈراونا سا اندھیرا ہے' شاید رات ہو رہی ہے۔ ابو ابھی تک نہیں آئے۔ پلیز اللہ میاں ابو کو بھیج دیں۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ سارے بچے رو رہے ہیں۔ کسی کے ابو نہیں آرہے۔ پلیز کوئی مجھے یہاں سے نکالے۔ مجھے بھوک لگی ہے' مجھے کھانا کھانا ہے۔"

"اب بچے نہیں چیخ رہے۔ میں نے مریم کو آواز دی ہے مگر وہ بولتی نہیں ہے۔ کشمالہ کہہ رہی ہے مریم مر گئی ہے اور اب وہ کبھی نہیں بولے گی۔ کشمالہ زور زور سے رو رہی ہے۔ مجھے بھی رونا آرہا ہے۔ لکھا بھی نہیں جارہا۔ اللہ میاں پلیز ہمیں یہاں اکیلا مت چھوڑیں۔ ہمیں نکال لیں۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔" پڑھتے پڑھتے اس جوان کا گلا رندھ گیا۔

"احمت۔۔۔ احمت۔۔۔!" افق باقیوں کو آوازیں دینے لگا' احمت اور۔ جینک بھاگتے ہوئے ادھر آئے۔

"آو جلدی کرو یہ ملبہ ہٹاو۔ شاید مریم اور اسکی بہن زندہ ہوں۔"

وہ جانے کس امید پر پتھر ہٹانے لگا۔ شاید وہ لڑکی زندہ ہو' شاید وہ نہ مری ہو۔ اس نے کاغذ یقیناً" پتھروں کر درمیان سراغوں سے اوپر پھینکا ہو گا اور وہ پتھروں میں پھنس گیا ہو گا۔

وہ تیزی سے ملبہ صاف کر رہے تھے۔ افق کے کپڑے مٹی اور گرد سے اٹ چکے تھے۔ سخت سردی کے باوجود پسینے آ رہے تھے۔ لاشوں کی تعفن زدہ بو ہر جگہ پھیلی تھی۔ تھوڑا نیچے ہی ملبہ ہٹانے پر ایک گوری چٹی' خوبصورت بچی کی لاش ملبی میں پھنسی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پینسل جکڑی ہوئی تھی۔

افق کا دل خراب ہونے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پاتے وہ جینک اور احمت کے ساتھ اس بچی کی لاش نکالنے لگا۔ اس کی کچلی ہوئی ٹانگ پر ایک بھاری پتھر تھا۔ وہ تینوں جھک کر وزنی پتھر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس پل زمین نے زور دار جھٹکا کھایا۔

اس دے قبل کہ ان میں سے کوئی سیدھا ہوتا' کمرے کی آدھی کھڑی چھت زور سے ان پر آن گری۔

سر میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ مجھے اس پر پچھتاوا نہیں ہو گا۔ اپنے استعفیٰ پر ڈاکٹر واسطی کی تحفظات سن کر وہ اطمینان سے مسکرا بولی۔ اس کے باوجود اگر آپ کبھی واپس آنا چاہئیں تو ہمارے ہسپتال کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔

شیور مگر پتہ نہیں اب واپس کب ہو شاید میں بیرونِ ملک چلی جاؤ اپنی ویز شکریہ سر۔

وہ اپنا استعفیٰ دے کر وہاں سے چلی گئی آج اس کا آخری دن تھا پھر یہاں نہیں آنا تھا ان چند گھنٹوں میں وہ مریضوں کو مکمل توجہ دے رہی تھی۔

رات میں ڈاکٹر کامران کے ساتھ زخمی ہونے والے شخص کی مرم پٹی کر رہی تھی جسے نرس نے خون چڑھانے کا کہا تھا۔

بلڈ لگا دیا ہے؟

پریشے نے قریب آتی نرس سے سوالیہ نگاہ سے دیکھا

جی او پوزیٹو لگا ہے

او نیگٹو نہیں تھا وہ جاتے جاتے سوچ میں پلٹی

نہیں او نیگٹو اور او پازیٹو دونوں ختم ہیں بلیڈ بینک میں

ڈاکٹر کامران نے دوائی لکھ کر ساتھ کہا یہ انجکشن لے آئیں نرس جا چکی تھی پریشے نے ان سے پرچی لے لی سر دیں میں لے آتی ہوں حالانکہ اس کی ڈیوٹی آور ہو چکی تھی۔ وہ نسخہ لے کر فارمیسی سے لے کر ریسپشن کی طرف

بڑی۔ اس نمبر پر کال کرنی ہے اسی اثنا میں کسی نے دروازہ دھکیلا نرس سے بات کرتے اس نے پلٹ کر دیکھا وردی والے فوجی تیزی سے سٹریچر اندر لا رہے تھے

سنیں صاحب کیا ہوا کون لوگ ہیں یہ؟ وہ کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔

یہ فوجی ہیں ریسکیو ورک کر رہے تھے کہ چھت ان پر گر گئی ایک ہمارا جوان تھا وہی شہید ہو گیا زخمیوں کو یہاں لے آئے۔ دو نے رستے میں دم توڑ دیا اور یہ شدید زخمی ہے۔

جو فوجی سٹریچر دھکیل رہا تھا وہ بھوکھلایا ہوا تھا۔

وہ واپس پلٹی نرس کو سمجھانے لگی اس نمبر فون کرو

دوائیوں والا شاپر لے کر وارڈ کی طرف بھاگی جہاں ڈاکٹر کامران نے انجکشن منگوائے تھے

اس نے مر جانے والے کی سٹریچر پر ایک نظر ڈالی چہرہ سفید چادر سے ڈھکا ہوا تھا اسے بہت سے کام کرنے تھے مگر اسے جیسے احساس ہوا اس نے وہ سٹریچر روک کر چادر اٹھا کر دیکھا

مرنے والے کا چہرہ خون میں لت پت تھا سینے پر رکھی اس کی پی کیپ تھی

پریشے نے پی کیپ اٹھائی نیلی پی کیپ لال سرخ ہوئی تھی خون سے بے چارہ وہ واپس پی کیپ رکھنے ہی والی تھی اسے ٹھٹکنے پر مجبور کیا۔

اس نے کیپ کو پلٹا جس پر ہاتھ سے لکھا Hail to Tayyip Erdogan

زمین آسمان اس کی نگاہوں میں گھومنے لگے۔

وہ لڑکھڑائی کیپ اس کے ہاتھ سے دور جاگری

ہیل ٹو طیب اردگان اس نے بے یقینی سے دوہرایا پھر تیزی سے مرنے والے کا چہرہ اپنی طرف گھمایا

وہ افق نہیں تھا حالنکہ وہ کیپ افق پہنتا تھا وہ اس کے دوست جینک کی تھی

جینک افق کے بغیر کئ نہیں جاتا۔ احمت کا فقرہ اس کے دماغ میں گونجا۔

مرنے والا جینک تھا اور جینک افق کے بغیر کئ نہیں جاتا جینک ادھر تو افق کہاں ہے۔ اس نے نرس کو دیکھا وہ دوسری میت کی سٹریچر دھکیل رہی تھی

وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی چادر ہٹانی چاہی مگر اس میں ہمت نہیں تھی کانپ رہی تھی نرس نے کچھ سمجھتے ہوئے میت کے چہرے سے کپڑا اتارا۔

اس کا سانس رک گیا وہ افق نہیں تھا وہ احمت دوران تھا جو بہت ہنستا تھا۔ احمت۔۔۔ او خدا

نہیں احمت نہیں وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ روکنے لگی دو قدم پیچھے ہٹی۔فوجی لوگ تیسرا سٹریچر لا رہے تھے

اسے جاننے کی ضرورت نہیں تھی تیسرا کون وہ بے اختیار ان کی جانب بھاگی۔دوائی کا شاپر ایک سرا اس کے ہاتھ سے نکل گیا دوائی ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے فرش پر گر رہی تھی رکو۔۔رکو اس کی آواز پر وہ جوان رکا

وہ لپک کر سٹریچر تک آئی زخمی کا چہرہ اپنی طرف کیا وہ رک رک کر سانس لیتا ہوا افق ارسلان تھا اف یہ تو بہت زخمی اسے جلدی سے ادھر لاؤ وہ کانپتے ہاتھوں سے اس کے ساتھ سٹریچر دھکیلتے ایمرجنسی میں آئی

ڈاکٹر واسطی پیپلز جلدی انہیں دیکھیں ورنہ یہ مر جائے گا

جلدی کریں خون بہت بہا گیا ہے اسے فوری طبی امداد دیتے ہوئے ڈاکٹر واسطی نے نرس سے کہا اس کا بہت خون بہہ گیا اس کا گروپ چیک کر کے بلڈ کا بندوبست کریں

بلڈ گروپ پریشے نے چونک کر دیکھا مجھے پتہ ہے اس کا گروپ او نیگٹو ہے وہ بنک کی طرف بھاگی اسے یاد آیا یہ تو ختم ہے خدایا اب وہ خون کہاں سے لائے۔افق کو شدید خون کی ضرورت تھی اب وہ کہاں سے لائے

اس نے سوچنے کی کوشش کی اس کے عزیز رشتے دار کسی کا اس گروپ میں ہے تب اس کے زہین میں خیال بجلی کی طرح کورا

سیف ہاں سیف کا گروپ او نیگیٹو ہے

وہ بھاگ کر استقبالیہ میں آئی نرس کسی سے بات کر رہی تھی اس نے نرس سے ریسیور جھپٹا اور سیف کو کال ملائی وہ اتی بری طرح ہراساں تھی کے بھول گئی اس کے پاکٹ میں بھی فون ہے سیف کا نمبر ڈائل کر رکھا تھا دماغ ماؤف تھا تیسری گھنٹی پر سیف نے ہیلو کیا۔

سیف پلز پمر میں ایمر جنسی ہے بلڈ چاہیے

سیف کیا ہوا پری امی تو ٹھیک ہیں وہ ہائی بی پی کی مریضہ تھی اس کا دماغ ان کی طرف گیا۔

مگر ایک زخمی گروپ او نیگیٹو ہے اس سخت خون کی ضرورت ہے

تو ہسپتال سے لو نا زلزلے میں اتنا تو دیا گیا تھا

جو تھا لگ گیا اگر ہوتا تو تمہیں کہتی تم بس فورا آ جاؤ

پریشے میں مصروف ہوں میں نہیں آ سکتا

سیف خدا کے لیے وہ مر جائے گا تمارے آفس کے قریب ہی تو ہے صرف افق کی زندگی کے لیے ایک بار پھر اس کی منت کی

کہانا نہیں آ سکتا کسی دوسرے ہسپتال سے لے لو سارے شہر میں ختم ہو گیا کیا وہ بے زار ہو کر بولا

مگر ہمیں فوری چاہئے

یار کیا مسلہ ہے میں میٹنگ میں ہوں اچھا ایک گھنٹے تک آتا ہوں

گھنٹے تک نہیں سیف اس کے پاس وقت نہیں ہے وہ مر جائے گا میں تمہاری منت کرتی ہوں آ جاؤ سیف

تو میں نے کون سا زخمی کیا ہے میں مصروف ہوں ورنہ آ جاتا دو کروڑ کا منافع مل رہا مجھے اس سے یہ کھونا نہیں چاہتا اب مجھے تنگ مت کرنا بائے

وہ ریسیور پکڑے ساکت کھڑی رہ گئی۔

نہیں سیف کو میری بات سمجھ نہیں آئی شاید دوبارہ اکسپلین کروں تو آ جائے اس نے کال ملائی اس نے کٹ کر دی. پھر ملائی موبائل آف کر دیا

پریشے کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا

دو کروڑ کے لیے سیف اس کی زندگی نہیں بچا سکتا اپنے سیروں خون سے دو بوتلیں دے سکتا تھا

دو بوتلیں

دو کروڑ

افق پاکستانی روپے سے ارزان تھا

سیف کے لیے چند منٹ نہیں تھا جو پریشے کی ساری زندگی تھا وہ آپریشن تھیٹر میں آخری سانسیں لے رہا تھا

میرے خدا اتنا اچھا انسان اس نے کسی کا کیا بگاڑا تمہارے دوسرے لوگ نوٹ گن رہے اس بچالو خدا اسے بچالو
وہ دل ہی دل میں دعا کرتی استقبالیہ سے افق تک آئی

ڈاکٹر اس پر جھکے تھے وہ زخمی بے سدپڑا تھاڈاکٹر واسطی نے پریشے سے پوچھا خون ملا؟

اس نے مایوسی سے سر ہلایا

اس کے ذخم بہت گہرے خون ملا تو شاید یہ بچے ورنہ مشکل ہے

سر آپ میرا سارا خون لے لیں مگر اسے بچالیں وہ رو دینے کو تھی

آپ کا گروپ کیا ہے؟

اوپازیٹو

مگر سسٹر کہہ رہی تھی مریض کو او نیگٹو ہے آپ کا بلڈ نہیں لگ سکتا ڈاکٹر پریشے آپ کی ڈیوٹی ختم آپ گھر آرام کریں۔

اس نے ان کی ٹھیک سے بات بھی نہیں سنی باہر جینک کھڑا تھا اس سے پوچھا اس نے بی پازیٹو آخری امید بھی ٹوٹی وہاں سے بھاگی اسے دوسرے ہسپتال سے بلڈ منگوانا تھا ہر حال میں افق کو بچانا تھا۔

بیچ کارڈر میں اسے کسی نے روک لیا

ڈاکٹر پریشے وہ جانی پہچانی شکل کا 17 18 سال کا لڑکا تھا۔ آپ کو او نیگٹو خون چاہیئے آپ کسی سے فون پ مانگ رہی تھی میرا او نیگٹو ہے۔

کسی نے اس کے مردہ جسم میں روح پھونک دی

میرے ساتھ آؤ وہ لڑکے کو کھینچ کر آپریشن تھیٹر لے آئی مل گیا بلڈ سر

اس لڑکے کو دوسرے بیڈ پر لیٹا اور نالیاں جوڑی وہ ایک ایک قطرہ پیوست افق کے جسم میں داخل ہو رہا تھا وہ پلکیں بھی نہیں جھپک رہی تھی کئ خون کی بوتل غائب نہ ہو جائے۔ منظر بدل نہ جائے اسے خوف آرہا تھا۔

پریشے ریلیکس کریں آپ پچھلے کئ گھنٹوں سے ڈیوٹی کر رہی ہیں۔ پریشے کو اس حال میں دیکھ کر ڈاکٹر گرین ماسک کے پیچھے سے بولا۔

وہ ان کو کیسے بتاتی کے وہ شخص اس کی زندگی ہے ایک وقت تھا اس کی بس ٹانگ زخمی تھی اور وہ اس کے لیے

چار راتیں ٹھیک سے سوئی نہیں تھی اب بھلا کیسے جا سکتی تھی۔

خون بوند بوند افق کے جسم میں داخل ہو رہا تھا ای سی جی مشین پر اس کے دل کی دھڑکن ترچھی لکیروں میں ظاہر ہو رہی تھی پریشے کا دل ڈب رہا تھا۔

اس سے مزید نہیں دیکھا گیا وہ باہر چلی گئی

اب فوجی بھی نہیں تھے جانے کہاں چلے گئے تھے اس نے فرش پر گرا اپنا روپٹہ اٹھا کر کندھے پر ڈالا

وہ کانپ رہی تھی افق کو اگر کچھ ہو گیا وہ کیا کرے گی کہاں جائے گی

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے خدا اسے بچا لو اس کی دعا دم توڑ گئی آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

ایک دم کیا ہو گیا وہ اتنے خوش خیال میں گھر جانے والی تھی اسے تو کل افق سے ماگلہ کے پہاڑیوں پر ملنا تھا اسے منا کیا تھا پمز میں نہیں آئے ملنے پھر کیوں آ گیا تھا

اسے پتہ بھی نہیں چلا کب وہ فرش پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

زندگی کیوں اس کے ساتھ ہمیشہ ایسے کرتی ہے کیوں اسے خوشیاں راس نہیں آتی۔

تین برس بعد جو خوشی اسے ملی تھی کل افق اس کا ہونے والا تھا یہ خوشی کیوں اللہ نے اتنی جلدی چھین لی

اتنا قریب آکر کیوں وہ پھر سے دور جا رہا ہے۔

میں ضرور آؤ گا یاد ہے تمہارے آنسو راگا پوشی میں گرے تھے وہ تمہیں لوٹانے ہیں۔

وہ ٹھیک کہتا تھا وہ آنسو لوٹانے صبح سے پہلے آگیا تھا

اب رونا نہیں پری آنکھیں صاف کرو

اس کا کہا گیا فقرہ اس کے کان میں گونجا وہ آنکھیں صاف کرتی اٹھ گئی۔

لڑکا خون دے چکا تھا اس نے اپنی استین نیچے کرتے ہوئے پری کو دیکھا وہ چند قدم چل کر اس کے قریب آیا وہ

اسے پہچان گئی

وہ حسیب کا دوست تھا وہ اس روز ہسپتال میں ملی تھی۔

روئیں مت وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ قریب آکر بہت آہستگی سے اس نے کہا پری نے چونک کر بھیگا چہرہ صاف کیا۔

اتنے عرصے بعد وہ کھو جانے کے لیے نہیں ملا آپ کو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے پہچان لیا یہ افق ارسلان ہے

۔وہ اتنی سرگوشی میں بول رہا تھا کہ پریشے کے علاوہ کوئی سن نہیں پا رہا تھا۔

کیا واقعی وہ ٹھیک ہو جائے گا؟

جی اور اب آپ کو آپی بول سکتا ہوں وہ مسکرایا

وہ مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا دیا بعض دفعہ ہم کسی کو کتنا غلط سمجھتے ہیں

وہ اس کے قریب سے ہو کر باہر نکلا پریشے نے اسے آواز دی سنو اس نے مڑ کر دیکھا جی؟

تمہارا نام کیا ہے؟ وہ پھر سے بھول گئی تھی

معصب عمر وہ کہہ کر رو کا نہیں چلا گیا

وہ افق کے پاس آگئی آس پاس کتنے لوگ ہیں کسی کو نہیں دیکھ پا رہی تھی

اس کی نگائیں افق کے چہرے اور بند آنکھوں پر جمی ہوئی تھی

وہ اس کے سرہانے کھڑی بائیاں ہاتھ کافی حد تک محفوظ رہا وہ اس کو تھام لیا

اس کے ہاتھ میں وہی گھڑی تھی مگر چکنا چور

وہ دل میں سوچ رہی آنکھیں کھولتا کیوں نہیں کچھ کہتا کیوں نہیں

افق اٹھو افق سونا نہیں ہے

سو گئے تو اٹھ نہیں سکو گے میں نے منا کیا تھا نا پھر کیوں سو رہے ایک دفعہ اپنی پری کے لیے آنکھیں کھولو دیکھو کتنے قریب ہے تمہارے افق پیپلز اٹھو آنکھیں کھولو۔

تم نے کہا تھا ہم پھر کبھی وائٹ پیلس گئے تو نیلی ٹائلوں والے اس فوارے کے پیچھے چھپایا گیا آدھا بگو گوشہ تلاش کریں گے۔ افق اس سبز بگو گوشے کو تو پرندوں نے نہیں کھایا وہ سب ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ اٹھو نا افق اپنی پری کے لیے مجھے ایک دفعہ پھر تیسری منزل کی بالکونی پر افق ارسلان گیت سنائے گا۔ وہ گیت جس میں جامنی پہاڑ اور اناطولیہ کی گلیوں کا زکر ہے وہ جس میں بچھڑنے اور وعدے کا زکر ہے مجھے وہ گیت سننا ہے افق اٹھو نا اب میں تمہیں کوئی وعدہ کوئی عہد نہیں لوں گی میں تمہیں اب کئ نہیں جانے دوں گی۔ تمہیں اپنے اس عشق کا واسطہ جس کا اظہار تم نے کبھی نہیں کیا۔ اٹھ جاؤ

اس کی پلکوں پر آنسوں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے افق ماسک میں سانس لے رہا تھا آواز نہیں تھی ای سی جی مشین میں دل کی دھڑکن کی لکیریں ابھرتی مچلتی دکھائی دے رہی تھی

وہ ان لکیروں کو دیکھ رہی تھی جو ان ظالم پہاڑوں کی طرح لگ رہے تھے جو افق کی ماں کے بیٹے نہیں لوٹاتے تھے ۔بہت ظالم اور بہت خوبصورت کوہ ہمالیہ کے پہاڑ۔

کیا بگاڑا تھا تمارا ان سب نے تم بہت خونی ظالم ہو بہادر فوجی کا اخراج لیتے ہو۔

اردگرد برف گر رہی تھی وہ دور تک پہاڑی سلسلے پر نظریں جمائے بیٹھتی تھی۔

افق اس کے سامنے تھا وہ اس سے کہہ رہی تھی سونا نہیں خدا کے لیے مت سونا پھر کبھی نہیں جاگ پاؤ گے۔اٹھو بس ایک بار اپنی پری کو دیکھو۔وہ آتے ہی ہوں گے۔بس وہ آجائیں گے۔ہمیں ایک اور سفید رات نہیں گزارنی پڑے گی۔

ماضی حال سب آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔اونچے پہاڑوں جیسے ان پر ہنس رہے تھے۔

افق اٹھو یہ اٹھتا کیوں نہیں ہے۔یہ بولتا کیوں نہیں اسے اٹھاؤ خدارا۔کوئی اسے اٹھائے میں نے راتوں کو جاگ کر اس کی خیریت مانگی ہے۔وہ اسے شانے سے جھنجوڑنے لگی۔اسے اٹھانا چاہتی تھی کہ پیچھے سے کسی نے روکنا چاہا۔

ایسے مت کرو پریشے

اسے اٹھیں ڈاکٹر واسطی یہ کیوں نہیں اٹھ رہا۔اسے اٹھائیں ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا وہ بہت رونے لگی۔

مت کرو پریشے ایسے مت کرو وہ مر جائے گا کوئی اسے کہہ رہا تھا

یہ نہیں مر سکتا یہ کیسے مر سکتا ہے میں نے اسے اپنے حصے کا گرم پانی دیا اس کے لئے برف میں پیدل سفر کیا

خود سرد راتیں کاٹی تھی اسے گرم کر کے سلایا تھا طوفان میں برف بھاری میں اسے کندھے پر اٹھا کر لایا تھا پھر بھی آپ کہتے ہو مر جائے گا اللہ اتنا ظالم نہیں ہے۔اس نے کیا بگاڑا تھا کسی کا یہ نہیں مر سکتا میں نے اسے خون لا کر دے دیا تھا پھر بھی کیوں مرے گا وہ زمین پر گھٹنوں کے پل بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی

رو دی تھی۔

وہ ایک دفعہ پہلے ہسپتال کے کمرے میں جاگی تھی تو اکیلی تھی۔

آج پھر زندگی اسی موڑ پر آ گئی تھی۔وہ پھر سے ہسپتال کے کمرے میں تھی۔وہ پھر سے اکیلی ہونے جا رہی تھی۔ وہ اس کو چھوڑ کر جا رہا تھا۔بستر پر لیٹا شخص مر رہا تھا اور وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

روتے روتے اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔بہت سے لوگ افق پر جھکے ہوئے تھے۔کوئی اسے کمرے سے جانے کو کہہ رہا تھا مگر وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

"افق۔۔۔!تمھیں کچھ نہیں ہو گا۔۔۔پلیز۔!آنکھیں کھولو۔۔۔مجھے چھوڑ کر مت جاو۔میں مر جاوں گی۔"

وہ پھر سے اس کے سرہانے کھڑی ہو گئی۔وہ ابھی تک آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

"ڈاکٹر وسطی۔۔۔ سر! یہ بچ جائے گاناں؟ اسے کچھ نہیں ہو گاناں؟" آنسوؤں سے اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ وہ بکھری بکھری سی روتے ہوئے ڈاکٹر وسطی سے پوچھ رہی تھی۔

"شاید۔" کسی ڈاکٹر نے کہا۔ وہ پر یقین نہیں تھے۔ وہ پر امید بھی نہیں تھے۔

"افق۔!" وہ اسکے چہرے پر جھکی۔ "افق! آنکھیں کھولو پلیز افق!" وہ اسے پکار رہی تھی مگر وہ آنکھیں نہیں کھول رہا تھا۔ ای سی جی مشین پر ابھی سیدھی لکیر نہیں آئی تھی۔

"افق۔۔۔! تمھیں تمھارے عشق کا واسطہ ہے۔ آنکھیں کھول دو۔۔۔" وہ آہستہ سے بولی شاید دل میں ہی کہہ رہی تھی' مگر اسے لگا۔ اب افق نے سن لیا ہے۔

بہت آہستہ سے اس نے ایک لمحے کو آنکھیں کھولیں۔ وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ اس کی ادھ کھلی آنکھوں میں کوئی جزبہ' کوئی تاثر' کچھ نہ تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ پھر سی کیوں بے ہوش ہو گیا ہے!" اس نے بے اختیار اس کا چہرہ تھپتھپایا' مگر اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔
"یہ۔۔۔ یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا؟"

"ریلیکس پریشے۔۔۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔"

پتا نہیں کس نے کہا تھا۔ وہ تو بس اس کی بند آنکھوں کو خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"اسے اٹھایئں۔۔اسے کہیں یہ آنکھیں کھولے۔"

"پریشے!اب وہ ٹھیک ہے۔وہ سو رہا ہے۔"ڈاکٹر وسطی نے اسے شانوں سے پکڑ کر افق کے قریب سے ہٹانا چاہا۔

"وہ سو رہا ہے؟"اس نے بے یقینی سے دہرایا۔وہ۔۔۔"وہ بچ جائے گاناں؟"

"ہاں وہ بچ جائے گا۔تم باہر جا کر بیٹھو۔"

مگر وہ پھر بھی اس کے سرہانے کھڑی رہی۔اس نے ابھی تک ادق کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔وہ اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔بس وہ خوف زدہ نگاہوں سے ای سی جی مشین پر ابھرتے 'ڈوبتے پہاڑوں کو دیکھتی رہی۔وہ اب ٹھیک سے چل رہے تھے۔اب انہیں سیدھی لکیر نہیں بننا تھا۔

ایک سکون سا اس کے رگ وپے میں اترنے لگا۔

اس کا افق زندہ تھا۔وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں گیا تھا۔وہ اس کے قریب ہی تھا۔وہ اس کا ہاتھ پکڑے نڈھال سی وہیں فرش پر گھٹنوں کے بل گر گئی۔وہ کتنی دیر افق کے سرہانے روتی رہی تھی؟اسے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔

اور تب اس نے ڈاکٹرز کو دیکھا۔وہ افق کا بایاں پاؤں کاٹ رہے تھے۔

"یہ۔۔۔کیا۔۔۔؟"وہ سانس نہیں لے سکی۔

اس کا بایاں پاوں بری طرح کچلا گیا تھا اور وہ سب اسے بہت آرام سے کاٹ رہے تھے۔ وہ ان کے ہاتھ روکنا چاہتی تھی' ان کی منتکرنا چاہتی تھی کہ خدارا وہ افق کا پاوں نہ کاٹیں' اگر اس کا پاوں کٹ گیا تو وہ گھوڑا کیسے دوڑائے گا؟ پہاڑوں پر کیسے چڑھے گا؟ کوہ پیماوں کو اپنے انہیں قدموں پر ہی تو ناز ہوتا ہے اور وہ سفاک ڈاکٹرز افق ارسلان سے اس کے قدم چھین رہے تھے۔

"نہیں خدا کے لئے ایسا نہ کرو' وہ اپنا ادھورا وجود دیکھ کر مر جائے گا۔" وہ انہیں روکنا چاہتی تھی مگر روک نہیں سکی۔

باہر صبح طلوع ہو رہی تھی۔ چڑیوں نے مدھر نغمے گانا شروع کر دیے تھے۔ وہ طویل سیاہ' خوفناک رات اب ختم ہو چکی تھی۔ ایک لمبی مسافت اپنے اختتام کو پہنچ گئی تھی۔

ڈاکٹرز کافی دیر ہوئی وہاں سے جا چکے تھے۔ افق اب ٹھیک تھا۔ اس کو آکسیجن ابھی تک لگی ہوئی تھی۔ لیکن اب خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔

وہ اٹھ کر اس کے بستر پر بیٹھ گئی۔

وہ پر سکون سا سو رہا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کا پاوں کٹ چکا ہے۔

پریشے نے تھکی تھکی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھا اور پھر بے اختیار اس کے ماتھے' اس کے ہاتھوں کو چھوا۔ وہ اس کی موجودگی کا یقین کرنا چاہتی تھی اور اب اسے یقین آ چکا تھا۔

"میں اب تمہیں کبھی ہمالیہ اور قراقرم کے پہاڑوں میں جانے نہیں دوں گی۔ میں دنیا کے بہترین ہسپتالوں میں تمھارا علاج کرواں گی۔ ایک دن تم بلکل ٹھیک ہو جاوں گے۔ پھر ہم ترکی چلے جائیں گے اور اہک نئ زندگی شروع کریں گے۔ ہمیں اب زندگی بھر ان ظالم پہاڑوں کی شکل نہیں دیکھنی۔ ان پہاڑوں نے احمت کو' ارسہ کو اور خینیک کو ہم سے چھین لیا ہے۔ اب ہم ان میں کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ مجھے ہمالیہ کی عظیم چاٹیوں کی قسم ہے۔ میں تمھیں پھر کبھی ادھر واپس نہیں آنے دوں گی۔"

اس نے افق کی ایک طرف رکھی جیکٹ کی جیب سے وہ نیلا اور سبز دورنگا پتھر نکالا جس کے درمیان میں لکیر پڑی تھی۔ وہ اس پتھر کو دیکھ کر اداسی سے مسکرای۔ اسے بہت کچھ یاد آگیا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اب کبھی گھوڑا نہیں دوڑا سکے گا۔ وہ اب کبھی پہاڑوں کا سفر نہیں کر سکے گا لیکن پھر بھی وہ خوش تھی' وہ پرسکون تھی۔

اس کی زندگی کا سیاہ باب ختم ہو چکا تھا۔ اب اسے ایک نئ زندگی کی شروعات کرنی تھی۔

اس نے نرمی سے افق کے ماتھے پر آئے بال ہٹائے۔

قراقرم کی پری کو بلآخر اس کا کوہ پیما مل ہی گیا تھا۔

دیا تھا۔ شروع میں اسے چلنے میں بہت دقت ہوتی تھی مگر ان گزرے چھ ماہ میں وہ اسکا بہت عادی ہو گیا تھا۔ معمولی سی لنگراہٹ اس کی ٹانگ میں ابھی بھی موجود تھی' مگر وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جا رہی تھی۔ آج نہیں تو آج سے ایک سال بعد ہی سہی اسے یقین تھا کہ وہ ویسے ہی چلنے لگے گا جیسے پہلے چلتا تھا۔ ہاں وہ جانتی تھی کہ وہ دونوں اب کبھی قراقرم نہیں جائیں گے۔

پانچ ماہ پہلے جب وہ اس کے ساتھ شادی کر کے اسے اپنے ہمراہ ترکی لے گیا تھا تب دونوں نے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ لینے والا خود افق تھا۔

"پری! ہم آج ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہیں ہیں۔ آج کے بعد ہم کبھی قراقرم میں واپس نہیں جائیں گے۔ مجھے اب ان پہاڑوں کو کبھی نہیں دیکھنا' جنہوں نے مجھ سے میرے بہترین دوست چھین لیے۔"

اور پھر اس نے افق ارسلان کے ترکی میں ایک نئی زندگی کی بنیاد رکھی تھی۔ اب وہ محض ایک جیولوجیکل انجینئر تھا اور وہ دنیا کے بہت سے نارمل لوگوں کی طرح ناین ٹو فائیو کی جاب کرتا تھا' پہاڑوں سے وہ دونوں اس حد تک خائف تھے کہ وہ تو ماؤنٹ ارارت دیکھنے بھی نہیں گئے تھے۔ یہ شاید پہلی دفعہ تھا' جب افق نے سیاحت اور کوہ پیمائی ترک کر کے مسلسل پانچ مہینے لگاتار آفس جا کر زندگی کو انقرہ کی گلیوں تک محدود کر دیا تھا۔ وہ دونوں کوہ پیما نہیں' بلکہ ڈاکٹر اور انجینئر بن کر اس محدود زندگی میں بھی خوش تھے۔ انہیں اب کسی اور شے کی تمنا نہیں تھی۔ افق کی شدتوں بھری محبت اس کے لیے کافی تھی۔

ہاں بس پچھلے پانچ ماہ میں ایک بے کلی سی' ایک نارسائی سی اس کے وجود سے جھلکتی تھی۔ کہیں کوئی تشنگی رہ گئی تھی' وہ بہت غور بھی کرتی تو بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا۔ سیف اور پھپھو لوگوں نے شروع میں بہت شور مچایا' مگر پریشے نے سیف کے خون نہ دینے والی بات کو ایشو بنا کر منگنی توڑ دی تھی۔ ان لوگوں نے باتیں بھی بہت بنائیں' مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ پاپا کے تمام اثاثوں کا نگران ماموں کو بنا کر ترکی چلی ائی تھی۔ اب تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ نشاء کی بھی شادی ہو چکی تھی' حسیب اور اس کا دوست مزید تعلیم کے لیے لندن جا چکے تھے۔ ہاں سب کچھ ٹھیک ہی تو تھا' پھر بھی اسے لگتا کہ کہیں کچھ مکمل' کچھ ادھورا ہے۔

اپنی سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر اس نے ساتھ بیٹھے افق کے بائیں جوتے پر نگاہ ڈالی۔ اصل حقیقت سے لاعلم کوئی شخص اس کا جوتا دیکھنے پر سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اندر موجود پاؤں مصنوئی ہے۔ پریشے نے جوتے سے نگاہیں ہٹا کر اس کے خاموش چہرے کو دیکھا۔

وہ ابھی تک سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جھلملاتی پرانے دنوں کی یادیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ سنہرے پرانے دن' جب وہ تینوں انقرہ کی گلیوں میں بارش میں بھیگا کرتے تھے۔ جب تینوں کلاس ٹیسٹ میں نقل کرتے پکڑے جاتے اور ٹیچر احمت کی معصوم شکل اقر بھول پن کے باعث اسے چھوڑ دیا کرتی تھی اور افق اور جینیک کو سزا ملتی۔ بعد میں وہ اس سے خوب لڑتے۔۔۔ اور وہ دن جب افق اور جینیک نے اپنا بھانڈا پھوڑنے پر احمت کو یخ پانی سے بھرے تلاب میں پھینک دیا تھا۔ وہ ٹھنڈے پانی میں ہاتھ پاؤں مارتا چیخ رہا تھا'

انھیں گالیاں دے رہا تھا اور وہ دونوں کھڑے ہنس رہے تھے اور پھر ہنستے ہنستے افق نے جینیک کو بھی اندر دھکا دے دیا تھا۔ اب وہ دونوں تلاب کے اندر تھے اور وہ باہر ہنستے ہوئے اکیلا کھڑا تھا۔

آج پھر وہ اکیلا تھا۔

احمت نہیں تھا۔

جینیک نہیں تھا۔

زندگی کے ہر سفر میں وہ اور جینیک اکھٹے تھے۔ پہلی دفعہ جینیک اسے چھوڑ کر چلا گیا۔

روسٹرم پر کھڑا کمپیئر احمت دوران کی بیوہ کو بلا رہا تھا۔

سلمی بہت آہستگی سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دو فٹ اونچے پلیٹ فارم پر کھڑے صدر تک آئی اور احمت کا "ستارہ ایثار بعد از شہادت" وصول کیا۔ پھر آنکھیں رگڑتی بمشکل خود پر ضبط کرتی واپس آئی۔

پھر افق حسین ارسلان کا نام پکارہ گیا۔

وہ اپنی نشست سے اٹھا اور آہستہ سے چلتا ہوا اوپر سٹیج تک آیا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے صدر سے ہاتھ ملایا۔ صدر نے چند تعریف کلمات کہتے ہوئے اس کے پاوں کی طرف اشارہ کیا۔ افق نے سر جھکا کر اپنے بائیں پاوں کو دیکھا' ہال میں موجود تمام لوگوں کی نگاہیں اس کے قدموں میں جھک گیئں۔

افق نے بایاں پاوں ہلکا سا اوپر کیا' پھر واپس زمین پر رکھتے ہوئے شانے اچکا دیئے جیسے کہہ رہا ہو "میں کیا کر سکتا ہوں؟" اس کے چہرے پر بے حد اداس مسکراہٹ رقصاں تھی۔

پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ صدر افق کے کوٹ پر ستارہ ایثار لگا رہے تھے اور تمام سامعین و حاضرین اپنی نشست سے کھڑے ہو کر ایک بہادر ترک کے لیے تالیاں بجا رہے تھے ان تالیاں بجانے والوں میں پریشے جہاں زیب بھی تھی' جو آنکھوں میں نمی لیے بہت فخر سے افق کو دیکھ رہی تھی۔

"ہم مظفر آباد جا رہے ہیں۔" سہ پہر میں جب مری میں اس بل کھاتی سڑک پر آگے پیچھے چلتے ہوئے اپنے ریسٹ ہاوس کی جانب جا رہے تھے' جہاں وہ سرکاری مہمان کے طور پر مقیم تھے۔ عروہ نے اپنی زبان میں سلمی کو بتایا اور آگے بھاگ گئی۔

ریسٹ ہاوس پہاڑ کی چوٹی پر تھا' اس تک جاتی سڑک دیکھتے ہی دیکھتے بلند ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ریسٹ ہاوس کی خوبصورت عمارت تک پہنچ جاتی۔ پریشے کو سلمی کے ساتھ اس پتھریلی سڑک پر چلتے ہوئے بے اختیار مری کی وہ سڑک یاد آئی جو اس سے بے حد مشابہت رکھتی تھی۔

"میں آ رہی ہوں۔" سلمی نے بھاگتی عروہ کو بلند آواز میں کہا' عروہ اب دوڑتے ہوئے افق سے بھی آگے نکل چکی تھی۔ جو ان دونوں سے کافی اوپر ڈھلان پر سر جھکائے جیبوں میں ہاتھ ڈالے چڑھ رہا تھا۔

"تم مظفر آباد جا رہی ہو۔؟" دونوں خاموشی سے چھوٹے چھوٹے قدموں سے اوپر چڑھ رہی تھیں' جب پریشے نے اداسی سے پوچھا۔ یہ بارش سے چند منٹ پہلے کا موسم تھا' جو اسے ہمیشہ اداس کر دیتا تھا۔

سلمی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"مسٹر اینڈ مسز اور ہن یقین اور عروہ کی فیملی مع ایک ترک مترجم اور ترک سفیر کے' مظفر آباد جا رہے ہیں۔ تمھارے سرکاری ٹیوی کا حملہ بھی ہو گا اور ستارہ ایثار حاصل کرنے والے ترکوں پر ڈاکومینٹری بنا رہے ہیں' جو آج شاید تمھارے سرکاری ٹی وی سے دکھائی جائے گی۔"

وہ دونو سڑک کے کنارے سفید پتھروں کی باڑ کے ساتھ چل رہی تھیں۔ افق ان سے کافی آگے سڑک کے بلند ترین مقام پر کھڑا ہو گیا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ سر اٹھا کر اوپر سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے بارش ہونے والی ہے۔" الفاظ اس کے لبوں ہی میں تھے کہ بادلوں نے برسنا شروع کر دیا۔

سلمی نے ہستھ میں پکڑی گلابی چھتری کھول دی۔ پریشے رم جھم سے بچنے کو چھتری تلے سمٹ آئی۔

"تم آو گی مظفر آباد؟" دونوں تیز ہوتی بوندا باندی میں بھی اوپر چڑھ رہی تھیں۔

"اونہوں۔"

"کیوں؟" سلمیٰ یونہی پیچ سڑک میں تک کر اسے دیکھنے لگی۔ چھتری اس نے پکڑ رکھی تھی۔ پری یشے بارش کے باعث اس کے اور قریب کھسک آئی۔

"میں پہاڑوں میں واپس نہیں جانا چاہتی۔"

"اور۔۔۔ افق؟" سلمیٰ نے کہتے ہوئے گردن گھما کر سڑک کی بلندی پر دیکھا' جہاں وہ اسی طرح کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا۔

"وہ بھی واپس جانا نہیں چاہتا۔"

سلمیٰ نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو۔ ہم اپنی زندگیوں کی بہت بڑے نقصان سے گزر چکے ہیں۔" پھر وہ اضطراری انداز میں لب کچلنے لگی۔

"جانتی ہو پری! یہ سب مظفر آباد کیوں جا رہے ہیں؟ یہ سنمب نیلم اسٹیڈیم میں آرمی کے کیمپ کا آخری خیمہ دیکھنا چاہتے ہیں' جہاں احمت اور جینیک نے اپنی آخری رات گزاری تھی مگر میں۔۔۔ میں مظفر آباد کی فضاؤں اور نیلم کے پانی سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ ہم سے بچھڑنے سے قبل وہ کیسا لگ رہا تھا؟ میں اس بچی کی قبر کو دیکھنا چاہتی ہوں جس کی لاش نکالتے ہوئے احمت خود لاش بن گیا۔ میں اس خیمے کی مٹی پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رونا چاہتی ہوں' مجھے اس سرخ مٹی اور نیلم کے پانی میں اپنے آنسو گرانے ہیں۔" چھتری ابھی تک ان کی سروں پر تنی تھی' مگر سلمیٰ کا چہرہ بھیگ چکا تھا۔

"افق 'جینیک' کینن سمیت احمت کو جاننے والا ہر شخص یہ کہا کرتا تھا کہ وہ صرف شکل سے ہی معصوم لگتا ہے اور اندر سے وہ بہت خبیث ہے مگر میں تمھیں بتاوں پریشے میں نے اس کے ساتھ اٹھ سال گزارے ہیں وہ۔۔۔وہ شخص اندز مر سے بھی بچوں کی طرح معصوم تھا۔" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ چھتری اس کے ہاتھوں سے پھسلنے لگی' پریشے نے فورا" چھتری پکڑلی۔

"میں چلتی ہوں۔" کچھ دیر بعد اس نے بھیگا چہرہ صاف کیا۔ "مجھے ایک آخری بار ہمالیہ کے آسمان تلے رونا ہے' ان تمام دوستوں کے لیے جو چوٹیوں سے لوٹ کر نہیں آئے۔ احمت دوران کے لیے۔۔۔ ارسہ بخاری کے لیے۔۔۔جینیک یقین کے لیے۔۔"

آج آخری دفعہ رولو' پھر ہم ان ظالم پہاڑوں میں کبھی نہیں آیئں گے۔ آج شام ہم اپنا۔۔۔

ماضی یہاں دفن کر کے جائیں گے"۔

سلمی کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ بکھر گئی۔" میں کوشش کروں گی۔" پھر وہ گردن گھما کر دور کھڑے افق کو دیکھنے لگی، جس کا سیاہ کوٹ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔

"افق!" سلمی نے پھر آواز دی۔

افق نے گردن ترچھی کر کے نیچے ان دونوں کو دیکھا، پھر جیبوں میں ہاتھ ڈالے ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔

"تم بارش میں کیوں بھیگ رہے تھے؟ چلو چھتری کے نیچے آو-" وہ مکمل طور پر بھیگ چکا تھا، بھورے بال ماتھے پر چپکے تھے- سلمی کی بات پر وہ ہولے سے مسکرا کر چھتری کے نیچے آیا اور پریشے کے ہاتھ سے لے لی-

"میں چلتی ہوں-" سلمی چھتری کے نیچے سے نکل کر برستی بارش میں اوپر سڑک پر چڑھنے لگی-

وہ دونوں چھتری تلے کھڑے خاموشی سے موسلادھار بارش میں اسے اوپر جاتے دیکھتے رہے-

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئ تو افق نے چہرہ اس کی طرف کیا-

"اب تم بیس سال بعد اپنے سفرنامے میں یہ لکھ سکتے ہو کہ جب تم اسلامی دنیا کے سب سے طاقت ور ملک گئے تو اس کے "پادشاہ" نے تمہاری خوب آو بھگت کی-وغیرہ وغیرہ"-

وہ دھیرے سے مسکرایا اور گردن گھما کر دور دور تک پھیلی مارگلہ کی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا-پریشے نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ان پہاڑی سلسلوں کو دیکھا-ان تمام پہاڑوں سے دور، بہت دور، ہمالیہ، ہندوکش اور قراقرم کے پہاڑ شروع ہوتے تھے-وہ انہیں وہاں سے نظر نہ آنے کے باوجود دیکھ سکتی تھی، جہاں وائٹ پیلس کی سیڑھیوں کے ساتھ نصب پنجرے میں مقید وہ موروں کا جوڑا اس ترک گیت کو یاد کرتا تھا، جو کبھی ایک شہد رنگ آنکھوں والا سیاح انہیں سنایا کرتا تھا-ماہوڈھنڈ کے کنارے اگا سبزہ زار آج بھی اس گھوڑے کو یاد کرتا تھا، جس سے کبھی قراقرم کی ایک پری اتری تھی-

وہاں دور دور تک پھیلے پہاڑ تھے - پر اسرار سیاہ پہاڑ، جو اپنے ظالم چہروں پر سفید چادر کی بکل مارے اپنے اندر ڈھیروں راز دفن کیے بہت تمکنت سے کئی صدیوں سے زمین پر سر اٹھائے کھڑے

تھے۔ان پہاڑوں کے بیچ ایک ایسا پہاڑ بھی تھا۔ جس کی برف آج تک نہیں پگھلی تھی۔وہ آج بھی بہت غرور سے۔بہت تمسخر سے دنیا والوں کو دیکھ رہا تھا۔

لوگ ان پہاڑوں کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں

راگاپوشی

The shining wall

دُمانی

The mother of mist

پربتوں کی دیوی

قراقرم کا تاج محل

اس پہاڑ کا NW رِج آج تک ناقابل تسخیر ہے اسے 2005 کے بعد کسی نے سر کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس نے گردن پھیر کر افق کو دیکھا جو کسی گہری سوچ میں تھا۔

افق حسین ستارہ ایثار کیا سوچ رہے ہو؟

اس کے اظہار مخاطب پر دھیرے سے ہنسا

مجھے کافی عرصے سے اپنے آپ میں ادھوراپن محسوس ہوتا ہے آج مجھے اس ادھورے پن کا راز مل گیا پری۔

دونوں ابھی تک تیز بارش میں چھتری کے نیچے کھڑے تھے۔

ابھی تم سلمٰی کو کہہ رہی تھی اب ہم کبھی پہاڑ نہیں جائیں گے وہ کہتے کہتے رک گیا پریشے کو پتہ تھا آگے کیا کہنے والا ہے

یاد ہے میں نے تمہیں راگاپوشی کی پریوں کا قصہ سنایا تھا شاید تمہیں یقین نہیں آیا ہو مگر میں تمہیں بتاؤں پری ماتا کی چوٹی پر سونے کی پریاں اترتی ہیں میں نے انہیں خود دیکھا اور تمہیں بھی دیکھانا چاہتا ہوں میں ایک بار پھر ایورسٹ جانا چاہتا ہوں میں نہیں جانتا اس بار بچ کے آؤں گا کہ نہیں مگر جانا چاہتا ہوں

سرد ہوا کا جھونکا چھتری اڑا لے گیا مگر وہ اس کے پیچھے نہیں گئےوہ اسی طرح بارش میں بھگتے رہے

بہت غور سے افق کو دیکھ رہی تھی۔

مگر ہم نے وعدہ کیا تھا اب ہم کبھی قرا قرم نہیں جائیں گے اور اچھے بچوں کی طرح گھر میں رہیں گے ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اب ہم کوہ پیما چھوڑ دیں گے۔

پریشے کی بات پر مسکرایا اس نے ماتھے پر آتے بھورے بال پیچھے کیے اس کو دونوں شانوں سے تھام کر قریب کیا۔ پھر اسی طرح پچھلے کئ گھنٹوں سے سوچے جانے والی بات کہی جو بارش کے قطروں نے اور سیاہ بادلوں نے بھی سنی۔

کیا کوہ پیما بھی کوئی چھوڑنے والی چیز ہے۔

ختم شد